راہِ کامل

مصباح چودھری



ایک نظر اِدھر بھی

یوں تو اسلامی ناول کا ایک الگ تھلگ مضمون اور مخصوص شخصیتیں ہوتی ہیں۔ اخلاقیات کو ضرور بالضرور مدنظر رکھا جاتا ہے، مگر عمر سابق میں کوئی ایسا ناول پڑھنے کو نہیں ملا کہ اندازِ تحریر تو ناولانہ ہو، اخلاقیات، حقائق اور تاریخ کا بھی پورا پورا خیال رکھا گیا ہو اور قرآن مجید کی آیات واحادیث کی عبارت اور انجیل وتورات کے بیانات بھی اس میں شامل ہوں۔

عموماً ناول میں حوالہ جات اور عربی عبارت کو شامل نہیں کیا جاتا، تاکہ اندازِ تحریر میں کجی نہ آئے، مگر اس ناول میں حوالہ جات بھی ہیں، عربی عبارت اور اس کا ترجمہ بھی ہے اور ایک طرح کا مکالمہ بھی ہے، لیکن پھر بھی روانگی ایسی ہے کہ آپ پڑھتے ہی چلے جائیں، گویا ایک رو میں بہتے جا رہے ہیں اور آئندہ پیش آنے والے واقعات کے بارے میں متجسس ہیں۔

اس لحاظ سے یہ ایک نیا اور نویلا اندازِ تحریر ہے۔

یہ ناول ایک علمی اور بلند پائے کا مذہبی ناول ہے، جس میں عیسائیت پر اسلام کی برتری ثابت کی گئی ہے اور ثابت کیا گیا ہے کہ اسلام ہی کامل واکمل دین ہے اور اسی کی پیروی میں نجات ہے۔ ساتھ ہی ساتھ عیسائیت کے ان تمام عقائد باطلہ کا رد موجود ہے جو تحریر شدہ عیسائی مذہب کے ستون ہیں۔ مثلاً: عقیدہ کفارہ، عقیدہ الوہیت اور عقیدہ ابنیت۔

بلا مبالغہ عزیزہ مصباح چودھری نے اردو ادب میں ایک نیا اور جدید طرز تحریر اُجاگر کیا ہے، جس کی پیروی ہر اسلامی ناول نگار کو کرنی چاہئے۔!

خدیجہ بشریٰ رانا

اندلس کا ایک باغ جو اپنی نزہت وتازگی کے اعتبار سے رشک عدن تھا اور جس میں صبح وشام تفریح کرنے والوں کا رش رہتا تھا، اس میں چند علماء ایک طرف بیٹھے کچھ مذہبی مسائل پر نقد وتبصرہ کر رہے ہیں۔ اس وقت آفتاب رخت سفر باندھ کر کسی لمبے سفر کی تیاری کر رہا ہے، نیلگوں آسمان پر سرخ دھاریاں پڑی ہوئی ہیں۔ چڑیوں کے چہچہے قدرتی ترنم کے ساتھ چلنے پھرنے والوں کو مسرور کر رہے ہیں اور ایک عیسائی لڑکی مارگریٹ پاس ہی اپنی چند سہیلیوں کے ساتھ بیٹھی ہوئی قدرت کا نظارہ کر رہی تھی۔ اس لڑکی کی عمر سترہ سال ہے۔

اس کا باپ اندلس کا اسقفِ اعظم ہے جو اس کو انجیل مقدس کی تعلیم دلاتا ہے۔ اس کا ارادہ ہے کہ لڑکی کی شادی نہ کرے اور اس کو ننوں کے گروہ میں تجرد کی زندگی بسر کرنے دے۔ اگرچہ حسن وجمال اور قدرت کی بخشائشوں نے اس کو حور جنت بنا رکھا ہے اور بہت سے امراء اور پیشوایانِ دین اس سے شادی کرنے کے متمنی ہین، مگر اس لڑکی کا باپ اس کو ماں مریم کے نقش قدم پر چلانے کی کوشش کر رہا ہے اور نہیں چاہتا کہ وہ کسی کے حبالہ عقد میں آئے۔

چونکہ حسن وجمال کی شاہکار مارگریٹ کو مذہبی تعلیم دی جاتی تھی، اس لئے وہ مذہبی مسائل سے خاص اُنس اور شغف رکھتی تھی اور اس قسم کے مباحث میں ذوق وشوق سے حصہ لیا کرتی تھی۔ باغ کے ایک گوشہ میں گلاب کے پھولوں کی کیاریوں میں چند مسلمان جو بظاہر عالم دین معلوم ہوتے ہیں، بیٹھے ہوئے کسی مسئلہ پر گفتگو کر رہے ہیں۔

زین العابدین:

پولوس رسولؑ نے اپنے خط میں لکھا ہے:

"شریعت ایک لعنت ہے اور مسیح علیہ السلام نے آکر اس لعنت سے ہم کو چھڑایا ہے۔"

میرے بھائیو! آخر اس کا مطلب کیا ہے۔؟"

محمد فیضان قہقہہ لگا کر کہنے لگا:

"آپ اس مسئلہ کو مجھ سے سمجھنا چاہتے ہیں۔؟ حالانکہ خود عیسائی پادری بھی اس کو......"

مارگریٹ جو قریب ہی اپنی سہیلیوں کے ساتھ بیٹھی ہوئی تھی اس جملہ کو سن کر چونک پڑی اور اپنی ایک تعلیم یافتہ سہیلی سے کہنے لگی:

"دیکھو! یہ مسلمان بیٹھے کچھ ہمارے مذہب کے متعلق گفتگو کر رہے ہیں۔ ذرا خاموشی سے ان کی بات چیت سنو۔!"

سہیلی:

"جب سے یہ مسلمان یہاں آئے ہیں، ہمارے مذہب کو ایک مستقل خطرہ لاحق ہو گیا ہے۔ یہ کم بخت عیسائیوں کے منہ......"

مارگریٹ:

"تم نے تو گفتگو شروع کر دی۔ اچھا! خاموش رہو اور ان کی باتوں کو سنو دیکھو کہ کیا کہتے ہیں۔"

زین العابدین:

"خود عیسائی پادری بھی اس کو سمجھنے سے قاصر ہیں۔ یہ آپ نے کیا کہا۔؟"

کیا وہ بغیر سمجھے بوجھے یوں ہی عیسائیت کو مانتے جا رہے ہیں۔؟"

محمد فیضان:

"جی ہاں! ذرا یہی سوال کسی بڑے پادری سے کر کے دیکھو کہ وہ تم کو کیا جواب دیتا ہے۔ خیر یہ تو بعد کی بات ہے۔ یہ بتاؤ کہ پولوس رسول کے اس فقرہ پر تم کو کیا اعتراض ہے۔؟"

زین العابدین:

میرا اعتراض تو کوئی نہیں، صرف اس فقرہ کا مطلب سمجھنا چاہتا ہوں اور چونکہ تم کو عیسائیوں سے گفتگو کا اکثر موقع ملتا رہتا ہے اور تم نے ان کی کتابوں کو پڑھا بھی ہے، اس لئے میں تم سے اس کا مطلب سمجھنا چاہتا ہوں۔ میرا مطلب یہ ہے کہ جب شریعت ایک لعنتی چیز ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس لعنت سے عیسائیوں کو نجات دلانے کیلیے ہی آئے تھے تو پھر چوری، زنا اور ماں باپ کی نافرمانی بھی جائز ہو جائے گی، حالانکہ کوئی عیسائی چوری اور زنا کے جواز کا قائل نہیں ہے۔"

محمد فیضان:

"شریعت کے لعنت ہونے کو چوری اور زنا سے کیا تعلق۔؟ میں تمہارے مطلب کو نہیں سمجھا۔"

زین العابدین:

"میرا مطلب یہ ہے کہ تورات ایک شریعت کی کتاب ہے، جس میں یہ شرعی احکام لکھے ہیں: تو چوری نہ کر، زنا نہ کر، اپنے پڑوسی کو نہ ستا، اپنے ماں باپ کی نافرمانی نہ کر وغیرہ اور جب شریعت ہی سرے سے لعنت ہوئی تو ان احکام پر عمل کرنا بھی لعنت ہوگا، کیونکہ یہ احکام بھی شریعت، بلکہ عین شریعت ہیں۔

اگر پولوس رسول کا قول صحیح ہو تو پھر عیسائیوں کو زنا، چوری وغیرہ جرائم پر بھی عمل کرنا چاہیے۔ اگر وہ ہماری طرح ان چیزوں سے پرہیز کرتے ہیں تو گویا وہ شریعت پر عمل کرتے ہیں، جو کہ ایک لعنت ہے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ چوری اور زنا وغیرہ سے احتراز کرنے والے عیسائی سب ملعون ہیں، کیونکہ وہ شریعت پر عمل کرتے ہیں۔"

محمد فیضان:

"سبحان اللہ! آپ مجھ سے وہی اعتراض سمجھنا چاہتے ہیں، جو خود میں عیسائیوں پر پیش کیا کرتا ہوں۔؟"

زین العابدین:

"ہیں؟ کیا آپ نے یہ اعتراض کبھی عیسائیوں پر بھی کیا ہے؟ پھر ان کی طرف سے

اس کا کیا جواب ملا۔؟"

محمد فیضان:

"پادری لوگ جواب کیا خاک دیتے، تاویلیں کر کے بغلیں جھانکنے لگتے ہیں۔"

گفتگو کے دوران ہی اذان مغرب ہو جاتی ہے اور یہ دونوں عالم قریب ہی ایک مسجد میں نماز کی ادائیگی کے لیے چلے جاتے ہیں۔

مارگریٹ نے اس دلچسپ گفتگو کو نہایت غور سے سنا اور چونکہ وہ بھی الٰہیات کے مسائل میں کچھ سوجھ بوجھ رکھتی تھی، اس لئے وہ اعتراض کے وزن کو سمجھ گئی۔ اگر اس کے ذہن میں اس کا کوئی جواب آجاتا تو وہ فوراً محمد فیضان اور زین العابدین کے پاس جا کر اس کو سمجھنے کی کوشش کرتی، مگر باوجود انتہائی غور و فکر کے کوئی جواب اس کی سمجھ میں نہ آیا اور یہ سوچ کر اپنی سہیلیوں کیساتھ اٹھ کھڑی ہوئی:

"ابا جان سے اس سوال کو حل کروں گی۔!"

☆☆☆

مارگریٹ نے قرطبہ کے مشرقی دروازہ سے داخل ہو کر اس سڑک پر قدم رکھا جو سیدھی قصر الشہداء کو جاتی ہے۔ اس زمانہ میں اسلامی حکومت نے تمام اندلس کو آرائش و زیبائش کے لحاظ سے دلہن بنا رکھا تھا۔ شہر کی سڑکیں طویل اور خوش نما بنائی گئی تھیں۔ دور دور تک خوبصورت قمقمے لٹکائے گئے تھے، جن کی روشنی میں چلنے والا بیس بیس میل تک نکل جاتا تھا۔

قصر الشہداء کی صاف اور سیدھی سڑک پر قمقموں کی روشنی میں مارگریٹ اپنے گھر کی طرف چلی جا رہی ہے اور اس کی چال ڈھال میں آج غیر معمولی وقار ہے۔

اس کا معمول تھا کہ شام کی سیر و تفریح کے بعد جب وہ گھر واپس ہونے لگتی تو راستہ میں ایک دو جگہ اپنی سہیلیوں سے ضرور ملاقات کرتی، مگر آج وہ وقار اور خاموشی کے ساتھ سیدھی گھر جا رہی ہے اور کسی گہرے خیال میں محو ہے۔

چند منٹکی مسافت طے کرنے کے بعد وہ اپنے عالیشان محل کے قریب پہنچ گئی۔ جہاں اس کی ملازمہ انتظار میں کھڑی تھی۔ مارگریٹ کو دیکھ کر ملازمہ نے جھک کر سلام کیا اور قدرے تاخیر سے پہنچنے کی وجہ دریافت کی۔ مارگریٹ نے معمولی سا جواب دے کر اس کو خاموش کر دیا اور گھر میں داخل ہو کر ایک کرسی پر بیٹھ کر کتاب دیکھنے لگی۔

ملازمہ نے سب سے پہلے دسترخوان پر کھانا چنا اور پھر مارگریٹ کو کھانے کے کمرہ میں بلایا، لیکن مارگریٹ اپنے خیال میں اس قدر محو تھی کہ اس نے ملازمہ کی کسی بات پر توجہ نہ کی اور کتاب کو پڑھتی رہی۔

اس وقت جس کتاب کا وہ مطالعہ کر رہی تھی وہ انجیل مقدس تھی۔ وہ پولوس رسول کے اس خط پر غور کر رہی تھی جس میں شریعت کو لعنت لکھا گیا ہے۔ وہ بار بار اس عبارت کو پڑھتی تھی، مگر مطلب سمجھ میں نہ آتا تھا اور جتنا اس پر غور کرتی تھی اتنی ہی مسلمانوں کے اعتراض کو

تقویت پہنچتی تھی۔

آخر جب اس کا دماغ تھک گیا اور اس عبارت کا کوئی حل اس کی سمجھ میں نہیں آیا تو اس نے یہ کہہ کر کتاب رکھ دی:

''ابا جان کے بغیر یہ معمہ حل نہیں ہو سکے گا اور ان ہی کے توسط سے یہ مشکل دور ہو گی۔!!''

اس نے اپنے دل ہی دل میں کہا:

''اوتوبہ! بھلا اس قدر فکر کی کیا ضرورت ہے۔؟ یہ مسئلہ بھی کوئی ایسا مسئلہ ہے جو حل نہ ہو سکے۔؟ گو میں اس کو نہ سمجھ سکی جس کی وجہ سے یہ مسئلہ میری نظر میں اہم بن گیا ہے، مگر ابا جان اس کو پانی کی طرح صاف کر دیں گے، کیونکہ آج تمام اندلس میں علم الٰہیات میں ان سے بڑھ کر کوئی عالم نہیں ہے۔''

یہ کہہ کر وہ دستر خوان پر بیٹھ گئی اور کھانے سے فارغ ہو کر پھر انجیل مقدس کا مطالعہ کرنے لگی۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ سو گئی۔ صبح اٹھتے ہی وہ چرچ گئی، کیونکہ آج اتوار کا دن ہے۔ چرچ سے واپسی پر اسقف اعظم نے اپنی پیاری بیٹی کو بلایا اور دریافت کیا:

''آج انجیل میں کون سا سبق پڑھا؟ چونکہ تم انجیل مقدس کے اسرار پر آج کل عبور حاصل کر رہی ہو، اس لئے تمہاری نظر میں جو مسئلہ مشکل معلوم ہو وہ مجھ سے دریافت کر لیا کرو۔!''

مارگریٹ نے اپنے باپ کے ہاتھ کو بوسہ دے کر کہا:

''آج میں نے انجیل یوحنا کے باب نمبر 3 کا درس نمبر 21 پڑھا ہے۔ اگر آپ مجھے اجازت دیں تو میں آپ سے ایک سوال کروں، کیونکہ وہ اب تک میری سمجھ میں نہیں آیا۔؟''

اسقف اعظم:

''بے شک بے شک! بیٹی! جو سوال ہو میرے سامنے پیش کرو۔! میں تم کو حل کر کے بتا دوں گا۔!''

مارگریٹ:

''سوال یہ ہے کہ تورات میں ہمارے خداوند نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی معرفت جو دوازدہ (بارہ) احکام دیئے ہیں وہ شریعت ہی سے متعلق ہیں نا۔؟''

اسقف اعظم:

''ہاں! شریعت لعنت ہے اور اس لعنت سے نجات دلانے کیلئے تو خداوند یسوع مسیح دنیا میں آئے۔ مصلوب ہوئے اور ہم کو شریعت کے عذاب سے نجات دے گئے۔''

مارگریٹ:

''اچھا تو معلوم ہوا کہ شریعت ایک لعنت ہے، ایسی لعنت جس سے نجات دلانے کیلئے ہمارے خداوند کو مصلوب ہونا پڑا، تو گویا اس کے معنی یہ ہوئے کہ شریعت پر عمل کرنا بھی لعنت ہے۔''

اسقف اعظم:

''بالکل لعنت! اب مسیحیوں کو شریعت کے بجائے مسیح مصلوب پر ایمان لانے کی ضرورت ہے، کیونکہ شریعت اس وقت تک تھی جو تک ہمارے خداوند مصلوب نہیں ہوئے تھے۔''

مارگریٹ:

''تو کیا ہمارے لیے چوری کرنا جائز ہے۔؟''

اسقف اعظم:

''ہیں؟ اس سوال کا شریعت سے کیا تعلق؟ دیکھو! بیٹی!! ذرا سوچ سمجھ کر اعتراض کیا کرو۔!! ورنہ کوئی سنے گا تو ہنسی اڑائے گا۔!!''

مارگریٹ:

''شاید! میں اپنا مطلب بیان نہ کر سکی۔ مطلب یہ ہے کہ تورات کے وہ احکام جن کو آپ نے ابھی شریعت میں داخل کیا ہے، اس میں ایک حکم یہ بھی ہے کہ چوری نہ کرو۔ دوسرا حکم یہ ہے کہ تم اپنے پڑوسی کو نہ ستاؤ، تیسرا یہ کہ اپنے ماں باپ کی نافرمانی نہ کرو۔ اب یہ کل احکام شریعت میں داخل ہیں اور شریعت بقول پولوس رسول لعنت ہے، لہٰذا تورات کے احکام پر عمل کرنا بھی لعنت ہوا۔ جس کے صاف معنی یہ ہیں کہ چوری نہ کرنا اور ماں باپ کو نہ ستانا بھی ایک لعنت ہے۔''

اسقف اعظم:

''بیٹی! تم نے ابھی تک شریعت کی تقسیم کو نہیں سمجھا، لیکن یہ تو بتاؤ کہ آخر تم نے یہ اعتراض کہاں سے سنا اور کس شیطان نے تمہارے دل میں یہ وسوسہ ڈالا۔؟''

باپ کے اس استفسار پر مارگریٹ نے باغ کی وہ تمام گفتگو سنا دی جو زین العابدین اور محمد فیضان کے درمیان ہوئی تھی۔

اسقف اعظم:

''تم جانتی ہو کہ یہ مسلمان سخت کافر اور ہمارے مقدس دین کے دشمن ہیں۔ مقدس کتابوں کے متعلق ان کے اعتراض شیطانی خیالات کا نتیجہ ہوتے ہیں۔

بیٹی! فوراً توبہ کرو اور آئندہ سے کسی مسلمان کی بات نہ سنو۔ یہ لوگ ملحد اور سچے دین کو خراب کرنے والے ہیں۔ ان کے مذہب میں خونریزی عین ایمان ہے۔ دیکھو ہمارے ملک اندلس پر جہاد کر کے ان لوگوں نے کس طرح اپنے دین کی اشاعت کر رکھی ہے۔ مجھے اب معلوم ہوا کہ مسلمانوں سے تم نے یہ اعتراض سنے ہیں۔ اگر خود تمہارے دل میں یہ اعتراض پیدا ہوتے تو میں ان کو دور کرنے کی کوشش بھی کرتا، مگر ان کافروں کی کس کس بات کا جواب دیا جائے۔؟''

مارگریٹ بڑی پشیمان ہوئی اور دل ہی دل میں کہنے لگی:

''میں نے مسلمانوں کا نام خواہ مخواہ لیا، ورنہ آج ہی یہ مسئلہ حل ہو جاتا۔ اچھا کچھ ڈر نہیں۔ اب میں یہی مسئلہ اپنے مقدس استاذ سے دریافت کروں گی اور چونکہ ان سے دوران سبق میں ایسے مسائل دریافت کیا کرتی ہوں جو میری سمجھ میں نہیں آتے، اس لئے نہایت صفائی سے یہ مسئلہ بھی ان کے سامنے پیش کروں گی۔''

مارگریٹ نے دوسرے روز یہ اعتراض اپنے استاذ کے سامنے پیش کیا، لیکن وہ بھی اس کو حل نہ کر سکے۔ اب تک مارگریٹ یہی سمجھتی رہی کہ میرے قصور فہم کی وجہ سے یہ اعتراض حل نہ ہو سکا، ورنہ پیشوایانِ دین اس کو پانی کی طرح حل کر کے رکھ دیں گے، مگر اب اس کو معلوم ہوا کہ یہ مسئلہ کوئی معمولی مسئلہ نہیں ہے۔ چنانچہ اب اس کے دل میں شک نے جگہ پا لی اور اس کو روز بروز تقویت حاصل ہوتی گئی۔

☆☆☆

زین العابدین اور محمد فیضان بڑے قریبی دوست ہیں۔ زین العابدین کو اُندلس رہائش اختیار کیے پندرہ سال ہو چکے ہیں اور وہ تمنا رکھتا ہے کہ اس کا دوست محمد فیضان بھی عربستان کے شہر دمام سے اندلس آجائے۔ اس غرض سے وہ محمد فیضان کو مختلف اوقات میں خطوط لکھتا رہتا ہے اور اسے اندلس میں رہائش کی ترغیب دیتا رہتا ہے۔ بالآخر محمد فیضان مصمم ارادہ کر لیتا ہے کہ وہ اپنے اہل خانہ کے ساتھ اُندلس کی رہائش اختیار کر لے گا۔ فیضان چند ماہ بعد اندلس پہنچ جاتا ہے۔

ایک دن دونوں دوست آپس میں گفتگو کر رہے ہوتے ہیں کہ اندلس کی خوبصورتی اور فتح کی بات چل پڑتی ہے۔ زین العابدین کیونکہ ایک مؤرخ، مفسر، محدث اور عالم ہیں، اس لیے محمد فیضان ان سے اندلس کے بارے میں جاننا چاہتا ہے۔ چنانچہ زین العابدین کہتے ہیں:

''اے میرے بھائی! اُندلس جزیرہ نما ہے۔ اس کی تین سمتوں میں تین سمندر ہیں۔ مشرق میں بحر روم ہے جسے بحر متوسط، بحر شام، بحر مشرق بھی کہتے ہیں۔ مغرب کی طرف اوقیانوس (اٹلانٹک) ہے جسے بحر محیط، بحر ظلمات، بحر مظلم اور بحر اعظم بھی کہتے ہیں۔ جنوب میں آبنائے جبرالٹر ہے جس کو عرب بحر زقاق سے موسوم کرتے تھے۔ آبنائے جبرالٹر اُندلس کے جنوبی گوشہ اور افریقہ کے شمالی گوشہ میں ہے۔ یہی آبنائے یورپ کو افریقہ سے جدا کرتی ہے۔ دوسری طرف اُندلس کی شمالی قدرتی سرحد جبل البرانس یعنی کوہ پائیرینیس (Pyrenees) ہے اور اُندلس کا یہی شمال مشرقی حصہ خشکی سے ملا ہوا ہے۔ پھر وسعت کے لحاظ سے جنوبی فرانس کا وہ علاقہ جس میں ناربون اور اکاٹانیا واقع ہیں، اس کی سرحد میں داخل ہیں۔ پھر ادھر شمال مغربی گوشہ کی سرحد پر خلیج

بسکے واقع ہے۔

اُندلس کی زمین سمندر کی سطح سے تقریباً دو ہزار فٹ بلند ہے۔ یہ بلندی مشرق سے مغرب کی طرف کم ہوتی گئی ہے، یہاں تک کہ بحرمحیط کی سطح آ جاتی ہے۔

اُندلس کے ان ہی پہاڑوں سے جو دریا نکلے ہیں ان میں سے بعض بحرروم میں بعض بحرمحیط میں اور بعض آبنائے جبرالٹر میں سمندر سے جا ملے ہیں۔ بحرمحیط میں گرنے والے تمام دریا حسب ذیل ہیں:

1: وادی النساء (The Gaudamesi)

2: وادی آرو (The Guadiaro)

3: وادی القرشی (The Guadalariar)

4: وادی بلش (Rio Velez)

5: نہرالمریہ (Rio Almeria)

6: وادی شقورہ (Segura)

7: وادی شقر (The Jucar)

8: وادی الابیض (The Guadalaviar)

9: وادی ابرو (The Ebro)

10: وادی زیتون

☆: بحرمحیط اور آبنائے جبرالٹر میں گرنے والے حسب ذیل دریا ہیں:

1: برباط (The Barbete)

2: وادی مکہ یا وادی لطہ (The Guadalete)

3: وادی الکبیر (The Guadale)

4: وادی آنہ (The Guadiana)

5: تاجہ (The Tagus)

6: نہرمندیق (The Mendego)

7: دریائے ودیرہ (The Douro)

8: وادی مینہ (The Minho)

9: وادی یلہ (The Ulla)

ان کے علاوہ اور بہت سے چھوٹے چھوٹے دریا ہیں جو کسی نہ کسی بڑے دریا میں مل گئے ہیں۔

اُندلس ایک زرعی ملک ہے۔ خصوصاً مسلمانوں نے یہاں کی زراعت کو بھی ترقی دی۔ زراعت کے لئے اس ملک میں دو قسم کی زمینیں ہیں۔ ایک وہ جہاں دریاؤں اور نہروں سے آب پاشی کا سامان ہے۔ دوسرے کنوؤں سے رہٹ چلا کر پانی پہنچاتے ہیں۔ جن قطعات میں آبپاشی کا سامان تھا وہاں ہر قسم کا اناج پیدا ہوتا ہے۔ مثلاً گندم، زیتون، جو، چنا، مکئی، رائی اور جوار وغیرہ۔ میوہ جات میں سنترے، لیموں، انجیر، بادام، انار، کیلا، سیب، اخروٹ، بلوط، کھجور، آڑو، شفتالو اور نیشکر وغیرہ کی پیداوار ہیں۔ اسی طرح بہت سی خوشبودار جڑیں، چھالیں اور پھول پیدا کیے جاتے ہیں، جن میں سنبل الطیب، لونگ، صندل، عود، زعفران، دارچینی، محلب، ادرک اور زنجبیل وغیرہ شامل ہیں۔ ان میں بیشتر چیزیں مسلمان اپنے دور میں اُندلس لائے۔

اسی طرح کہربا، عنبر اور قرمز یہاں سے حاصل کیا جاتا ہے۔ سونا، چاندی، قلعی اور پارا بھی یہاں سے نکالا جاتا ہے۔ پھر دوسرے قیمتی نگینے جیسے راج، طفل، موتی، مونگا اور عمارت کے قیمتی پتھر حاصل کیے جاتے ہیں۔

ان نباتات و معدنیات کے علاوہ یہاں کے حیوانات بھی قابل ذکر ہیں۔ یہاں درندہ جانور کم دکھائی دیتے ہیں۔ چوپایوں میں ہرن، بز کوہی، گورخر، گیدڑ، خچر اور مضبوط وقد آور گھوڑے ہوتے ہیں۔ اسی طرح نرم بالوں والے جانور سمور، وبر، قسیلہ وغیرہ ہیں جن کے نرم بال اور کھالیں پوستین کے کام آتی ہیں۔ پرندوں کی بھی کثرت ہے اور شکار کا رواج بھی ہے۔ بحری حیوانات میں ہر قسم کی مچھلیاں ہوتی ہیں۔ مسلمانوں نے اپنے زمانہ میں اُندلس کے ان قدرتی ذرائع سے پورا فائدہ اٹھایا۔ نسلوں کو بڑھایا، مختلف نباتات و حیوانات میں انواع و اقسام کے اضافے کیے اور صنعت وحرفت و تجارت کی داغ بیل ڈال کر اُندلس کو کمال ترقی پر پہنچایا۔

قدیم زمانہ سے ای بیری، کلت، فنیقی، یونانی، رومانی، شیوانی، الانی، واندال، فرینک

اور قوطی (گاتھ) قوموں نے اس ملک میں وقتاً فوقتاً اپنی آبادیاں قائم کیں، جن میں سے فنیقیوں کے سوا سب کی سب مشرقی اور وسطی یورپ کی قومیں تھیں جو مختلف زمانوں میں اُندلس میں آئیں اور یہاں بودوباش اختیار کرلی۔

قوطیوں کا قافلہ بحرِ اسود کے شمالی ساحل کے قریب دریائے نیپر کے نواح سے اٹھا تھا اور یونان، اٹلی اور فرانس سے گزرتا ہوا 414ء میں اُندلس میں داخل ہوا۔ 419ء میں انہوں نے شیوانی اور الانی کی حکومتوں کو ختم کر کے اپنی حکومت قائم کی اور اسپین سے لے کر فرانس میں دریائے لوائر (Loir) تک حکمران بن گئے۔ قوطیوں (گاتھ) پر واندال قوم نے آ کر حملہ کیا اور ایک حصہ ملک میں اپنی چند روزہ حکومت قائم کرلی، لیکن بیس برس کا زمانہ بھی گزرنے نہ پایا تھا کہ قوطیوں نے انہیں افریقہ کی طرف چلے جانے پر مجبور کردیا۔ قوطیوں نے اُندلس میں تقریباً تین سو برس حکومت کا خاتمہ کر کے اپنی حکومت قائم کی۔

اُندلس میں قوطیوں کے داخلہ کے بعد ایک نئی قوم کی تخلیق ہوئی جو اسپینی قوم کہلائی۔ اس میں سب قوموں کی اصل مخلوط نسل اور قوطی قومیں داخل تھیں۔ خصوصاً مسلمانوں کے مقابلہ میں ان کی نسلی تقسیم ختم ہو چکی تھی۔ اب وہ صرف ایک قوم تھی، جس کا امتیازی وصف عیسائی مذہب کی حلقہ بگوشی تھی۔

مسلمانوں کے داخلہ کے وقت اُندلس یہودیوں کے وجود سے بھی خالی نہ تھا، لیکن انہیں حکمران قوم کی حیثیت حاصل نہ تھی۔ تاہم اپنی دولت و ثروت کے اعتبار سے وہ لوگ اس ملک میں اپنا نمایاں اثر و نفوذ رکھتے تھے۔ عیسائیوں نے اندلس میں یہودیوں پر بڑے ظلم ڈھائے۔ گویا یہودی ایک مظلوم قوم تھی۔

اندلس میں مسلمانوں کے داخلہ سے پہلے تین مذاہب موجود تھے:

1: عیسائیت۔

2: بت پرست۔

3: یہودیت۔

گاتھ میں عیسائیت کی تبلیغ چوتھی صدی عیسوی میں ہوئی۔ ان میں اور یہودیوں میں جب پہلی آویزش ہوئی اس وقت گاتھ مذہباً بت پرست تھے۔ چوتھی صدی میں

گاتھک زبان میں بائبل کا ترجمہ کیا گیا اور اس صدی کے ختم ہونے سے پہلے یہ پوری قوم مسیحیت قبول کر چکی تھی۔

جرمن قوم فرنیک سے بھی اسپین اور فرانس میں مسلمانوں کو سابقہ پڑا۔ فرنیک 510ء میں پیرس کو دارالسلطنت بنا کر فرانس کے حکمران بن چکے تھے۔ ان میں عیسائیت کی تبلیغ ایک خاص تقریب سے عمل میں آئی۔ کلووس کی ملکہ جو برگنڈ کی شہزادی تھی مذہباً عیسائی تھی۔ ایک لڑائی میں اس نے اپنی ملکہ کی ترغیب سے جنگ میں فتح پانے پر عیسائیت قبول کر لینے کی منت مانی۔ اتفاق کی بات اس کو کامیابی حاصل ہوئی۔ چنانچہ 496ء میں کلووس عیسائی کلیسا میں داخل ہو گیا۔ پھر پوری قوم نے اس کی تقلید میں عیسائیت قبول کرلی۔

جنوبی فرانس کے علاوہ ایکویٹین اور برگنڈی وغیرہ میں سلطنت روما کے اثر سے عیسائیت پھیل چکی تھی۔ اگرچہ یہ لوگ کبھی کبھی بت پرستی کی طرف بھی عود کر جاتے تھے۔ نیز یہاں کی آبادی کا ایک حصہ بت پرستی پر پہلے سے قائم رہا۔

جب مسلمانوں کے قدم اس جزیرہ نما میں پہنچے تو صرف دو مذاہب عیسائیت اور یہودیت قائم تھے۔ البتہ جنوبی فرانس میں بت پرستی کا رواج بھی تھا اور اندلس کے عیسائیوں اور یہودیوں میں تعلقات خوشگوار نہ تھے۔

اُندلس میں سب سے پہلی آباد ہونے والی قوم کا نام عربوں کے بیان کے مطابق ''اندلش'' اور مغربی مؤرخین کی تصریحات کے مطابق ''سلٹ'' تھا۔ پھر آئی بیری اور لگوری قومیں آئیں۔ اس کے بعد افریقہ کی راہ سے فنیقیوں نے میلادِ مسیح سے کئی سو برس پہلے اُندلس کے جنوبی ساحل پر آ کر آبادیاں قائم کیں۔ پھر قرطاجنی 247 قبل مسیح میں جنوبی اسپین میں آئے۔ اسی زمانہ میں یونانیوں نے اُندلس کے مشرقی ساحل پر بستیاں بسائیں۔ اب مختلف قوموں کے اجتماع سے زمین کے لیے کشمکش شروع ہوئی۔ الگ الگ حکومتیں قائم ہوگئیں اور لڑائیوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ چنانچہ دوسری صدی قبل مسیح میں قرطاجینوں نے شکست کھائی۔ ان کا صدر مقام اشبیلیہ تھا۔ ان کے بعد رومیوں کو غلبہ حاصل ہوا تو وہ کئی برس تک بڑی شان و شوکت سے حکومت کرتے رہے۔ آگسٹس کے زمانہ میں ملکی تقسیم کے اعتبار سے اُندلس میں تین صوبوں لوسی ٹینا،

بٹیکا اور مٹراکونس میں تقسیم تھا۔ رومیوں کے زمانہ میں اُندلس میں بڑے بڑے نامور لوگ پیدا ہوئے۔ منیکا (فلسفی 4 قبل مسیح 65ء)، لوشئن (مکالمہ نگار)، مارشل (شاعر)، ٹریجن ہیڈرین، مارکس اریلیس، تھیودوسیس (سلاطین) وغیرہ کے نام رومی تاریخ میں زریں حروف میں لکھے جاتے ہیں۔

رومی سلطنت کے کمزور ہوتے ہی یہاں خودمختار حکومتیں قائم ہونے لگیں۔ چنانچہ پریٹراکونا میں ایک خودمختار حکومت قائم ہوئی جو رومیوں کا مقابلہ کرتی رہی۔ عرب مؤرخین کے بیانوں میں اشبان بن طیطس کا نام آتا ہے جس نے اندلس میں فوج جمع کی۔ اس خاندان میں پچپن سلاطین گزرے، جن کے نام عرب مؤرخین نے ذکر کیے ہیں۔ ایک قوم ''یشتولیان'' تھی۔ ''طویش بن نبطہ'' اس کا پہلا فرماں روا تھا۔ اس خاندان کے ستائیس فرماں رواؤں نے حکومت کی۔ ان کا دارالحکومت ماردہ تھا۔ غالباً انہی قوموں کو مغربی مؤرخین شیوانہ والانی یا سواپو اور ایلین ناموں سے یاد کرتے ہیں۔

یہ وہ جرمن وحشی قومیں تھیں جنہوں نے روم کے اخیر زمانہ میں قوت پکڑلی تھی۔ یہ لوگ کبھی رومیوں کے باج گذار رہے اور کبھی خودسری سے حکومت کرتے رہے۔

یہ وحشی بہت جلد اُندلس کی لاطینی قوموں میں مل جل گئے۔ انہوں نے لاطینی زبان اختیار کرلی، دیوتاؤں کو چھوڑ کر عیسائی مذہب قبول کرلیا اور رومی تمدن اور نظام حکومت اختیار کرلیا۔ اس طرح ان میں اور رومیوں میں کوئی فرق باقی نہیں رہا۔

پانچویں صدی عیسوی میں ایک نئی قوم گاتھ جس کو عرب مؤرخین قوطہ کہتے ہیں، اُندلس میں آئی۔ ان کا قافلہ اسپین میں آیا جو بحر اسود کے شمالی ساحل کے قریب دریائے نیپر کے نواح سے اٹھا تھا اور یونان، اٹلی اور فرانس سے گزرتا ہوا اسپین میں 414ء میں پہنچ گیا تھا۔ یہاں انہوں نے شیبواہ اور الانی حکومتوں کو 419ء میں ختم کیا اور جنوبی اسپین سے لے کر فرانس میں دریائے لوئر تک حکمران بن گئے۔

یورپ میں بحر بالٹک کے کناروں یعنی جرمنی کے علاقوں سے ونڈال کی قوم اٹھ کر فرانس سے گزرتی ہوئی اندلس میں داخل ہوئی اور تقریباً بیس برس جنوبی اسپین کے ایک حصہ پر حکومت کرکے اور اپنے نام پر اس حصہ ملک کا نام واندالیکیہ یا واندالیشہ مشہور کرکے افریقہ چلی گئی جہاں ان کی حکومت قائم ہوئی اور 534ء میں رومیوں

کے ہاتھوں چھین لی گئی۔ ادھر پورے اندلس میں گاتھک حکومت قائم ہوگئی۔

گاتھ ان حملہ آور قبائل میں ہیں جو سلطنت روما کے زوال کے دور میں برسرِعروج آئے۔ سلطنت روما سے ان کی آویزش تیسری چوتھی صدی عیسوی میں شروع ہوئی۔ پانچویں صدی عیسوی میں تھیوڈرک اعظم مشرقی گاتھک سلطنت کا بانی ہوا جس کا پایہ تخت اٹلی بنا۔ گاتھ فرضی طور پر، دوگروہوں میں تقسیم کئے گئے ہیں:

1: اسٹروگاتھ (مشرقی گاتھ)

2: وزی گاتھ (مغربی گاتھ)

پانچویں صدی عیسوی میں وزی گاتھ نے اندلس میں اپنی حکومت قائم کرلی۔ گاتھ اگرچہ اپنے خصائل واطوار کے لحاظ سے وحشی قبائل میں سے تھے مگر انہوں نے اپنی قوت سے ترقی کی اور رومی سلطنت سے آزادی حاصل کرلی۔ ان کی حکومت کا ایک مستقل نظام، ایک شاہی کونسل اور ایک صحیفہ قوانین پر قائم تھا۔ شاہی کونسل کو مذہبی کونسل بھی کہا جاتا تھا۔ اس کے ارکان اُندلس کے معزز پادری اور صدر بادشاہ ہوتا تھا۔ ایک طرف بادشاہ پادریوں کو اسقف کے عہدہ سے عزل ونصب کا اختیار رکھتا تھا اور دوسری طرف بادشاہ کی تخت نشینی پادریوں کی منظوری کے بغیر ممکن نہ تھی۔ رفتہ رفتہ پادریوں نے حصول اقتدار کی کوشش کی اور حکومت کی باگ ڈور پورے طور پر ان کے ہاتھ میں آگئی۔ یہ دیکھ کر ملک کے ارباب ثروت آگے بڑھے، انہوں نے بھی حاکمانہ اقتدار میں اپنا حصہ لینا چاہا اور اس میں وہ ایک حد تک کامیاب ہوئے۔

چھٹی صدی عیسوی سے اُندلس میں کیتھولک مذہب کا دور دورہ شروع ہوا جس سے پادریوں کے اقتدار میں غیرمعمولی اضافہ ہوگیا۔ اب وہ تقریباً یہاں کے سیاہ وسفید کے مالک بن گئے اور بیشتر موقعوں پر شاہِ اُندلس ان کا دست نگر رہنے لگا۔ اس صورت حال سے ان دونوں میں کشاکش شروع ہوگئی لیکن پادریوں کے اقتدار کو زوال نہ آیا۔

یہ دور اُندلس کے یہودیوں کے لیے سب سے زیادہ تباہ کن ثابت ہوا۔ انہیں نہ صرف شہری حقوق سے محروم کیا گیا بلکہ ان سے اُندلس میں توطن کا حق بھی چھین لیا گیا۔ چنانچہ بادشاہ کے لیے تخت نشینی کے وقت یہ حلف اٹھانا ضروری قرار پایا کہ بے دینوں (یہودیوں) کو چاہے وہ جیسے بھی جاہ ومنصب پر ہوں جلاوطن کیا جائے گا۔ اس قانون

کے نفاذ پاتے ہی اُندلس کے یہودیوں پر عرصہ حیات تنگ ہو گیا، ان پر عام دارو گیر شروع ہوئی، ان میں سے کچھ جلاوطن ہوئے، کچھ قتل کیے گئے، کچھ زندہ جلائے گئے، بہت سے غلام بنا لیے گئے اور ان کی ساری دولت و ثروت لوٹ لی گئی، مگر یہ قوم اپنی تاریخ کے ہر دور میں بڑی سخت جان اور سازشی ثابت ہوئی ہے۔ انہوں نے اپنی شاطرانہ چالوں اور اپنے ذہنی و علمی تفوق سے ان بے شمار آلائم و مصائب کے باوجود اپنا امتیاز قائم رکھا۔ ان کے سودی کاروبار سے دولت کا انبار پھر ان کے قبضہ میں آ گیا۔ اس طرح انہوں نے مختلف حیلوں اور سازشوں سے اُندلس میں اپنے وجود کو باقی رکھا اور اپنے خزانوں کا منہ کھول دیا۔ پادریوں کو بڑی بڑی رشوتوں سے اپنا ہم نوا بنالیا۔ یہاں تک کہ حکومت کے مالیات کا شعبہ ان ہی کے ہاتھ میں آ گیا۔ سفارت کی خدمات انجام دینے لگے اور مختلف علمی، ادبی، صنعتی اور دوسری تمدنی ترقیوں میں پیش پیش رہنے لگے۔ بڑے بڑے امراء و جاگیردار جو ان پڑھ ہوتے تھے یہودیوں کے علمی تفوق کے باعث انہیں اپنی جائیدادوں کا منتظم بنانے لگے۔

وزی گاتھ کے زمانہ کے اُندلس کی علمی، تمدنی و صنعتی ترقیاں اپنے دور کے لحاظ سے اوج کمال پر تھیں۔ تعمیرات میں گاتھک طرز آج بھی شہرت رکھتا ہے۔ دولت و ثروت کے انبار کا حال یہ تھا کہ جب مسلمان فاتحین یہاں پہنچے تو ان کا بیان ہے کہ دولت کی فراوانی سے ان میں صرف دولت کے مختلف طریقے رائج تھے اور وہ عیش و تنعم کی اعلیٰ مدنی زندگی گزارنے کے عادی تھے۔

آگے چل کر آٹھویں صدی میں پادریوں کی جاہ طلبی، عیش پرستی، عیاشی اور رشوت ستانی انتہا کو پہنچ گئی تھی۔ اسقف کا محل شبانہ روز فتنہ و فساد کی آماج گاہ بن گیا۔ اگرچہ سلطنت کے کام بخیر و خوبی چل رہے تھے مگر پادریوں کی عیاشیوں کے ساتھ سلاطین بھی بے راہ روی میں مبتلا ہو گئے اور جاہ منصب اور دولت و ثروت کے حصول میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے میں سرگرم رہنے لگے۔ ذاتی اغراض کے لیے عوام کو بری طرح ستانے لگے، خصوصاً غلاموں کے ساتھ جانوروں سے بھی زیادہ برا سلوک روا رکھا جاتا تھا۔ بالآخر ویمبا (Wamba) فرمانروائے اُندلس نے ہوش مندی اختیار کی۔ یہ زمانہ وہ ہے جب مسلمانوں کے ابتدائی حملے اُندلس پر شروع ہو چکے تھے۔ اس نے

مسلمانوں کا مقابلہ کیا اور ایک فوجی حکم نافذ کر کے پادریوں کے اختیارات میں تجدید کی لیکن پادری اس کے خلاف بغاوت کی آگ سلگانے میں کامیاب ہو گئے اور اس کو جلد ہی معزول کر دیا گیا۔ اس کے بعد اس کے جانشینوں نے پچھلی روش اختیار کر لی اور پادریوں کو پھر اقتدار حاصل ہو گیا۔

اس کے بعد پادریوں کے زوال کا دور ایک بار پھر آیا۔ اس میں فرماں روائے اُندلس کو کامیابی ہوئی اور اُندلس کے اسقف اعظم کو عہدہ سے معزول کر دیا گیا۔ پادریوں کے زوال کو دیکھ کر یہودیوں نے سلطنت پر قبضہ کرنا چاہا مگر ان کو اپنے مقصد میں کامیابی نہیں ہوئی اور اُندلس سے انہیں جلاوطن ہونا پڑا۔ ان کی دولت و ثروت اور جائیدادوں پر ایک مرتبہ پھر قبضہ کر لیا گیا۔ مگر جب عیسائیوں کے اشتعال میں کمی ہوئی تو یہ احکام واپس لے لیے گئے۔ یہودیوں کو آباد ہونے اور اپنی مملوکات پر قبضہ رکھنے کی عام اجازت دے دی گئی۔

بالآخر زمام حکومت ایک ہوش مند حکمران غیطشہ کے ہاتھوں میں آئی اور اس نے اپنی خدمات سے بڑی ہر دلعزیزی حاصل کی۔ یہودیوں کے ساتھ بھی اس نے نرمی کا سلوک اختیار کیا لیکن آگے چل کر عیش و عشرت میں مبتلا ہو گیا اور کلیسا کے پادریوں کو دخل اندازی کا موقع مل گیا۔ وٹیزا (Witiza) نے ان کی پروا نہ کی اور بالآخر وہ بھی تخت سے دست بردار ہو گیا اور ایک بوڑھا غیر ملکی قائد و جرنیل راڈرک اس کا جانشین مقرر ہوا۔ اس نے اندلس کا تاج شاہی اپنے سر پر رکھ لیا اور وٹیزا گاتھ خاندان کی حکومت کا خاتمہ ہو گیا۔

بعض مورخین کے بیان کے مطابق وٹیزا فروری 710ء میں اپنی طبعی موت مرا۔ اس کے لڑکے خورد سال تھے۔ راڈرک سپہ سالار تھا۔ وہ فوج کی مدد سے خود بادشاہ بن بیٹھا۔

راڈرک گاتھک نسل سے نہ تھا۔ وہ اصفہان کے کسی خاندان سے تعلق رکھتا تھا۔ بیاسی سال کی عمر میں سلطنت اُندلس کے تخت پر بیٹھا۔ جلیقیہ اور بسکے کی لڑائیوں میں شہرت حاصل کر چکا تھا۔ وٹیزا کے زمانہ میں اُندلس کا سپہ سالار اعظم تھا اور لوگوں میں ہر دل عزیزی حاصل تھی۔ کامیابی کے ساتھ اس نے اُندلس کی زمام حکومت سنبھال لی لیکن

بہت جلد حکومت کے نشہ سے مخمور ہو کر فرائض سے غافل ہو گیا جس سے لوگوں میں برہمی پیدا ہوئی۔ دوسری طرف گاتھک شہزادوں کے دلوں میں اپنی حکومت کے زوال کا احساس پیدا ہوا۔ ادھر اُندلس کے باشندوں میں ان شہزادوں سے ہمدردی کے جذبات پرورش پانے لگے اور ایک ایسی جماعت تیار ہو گئی جو راڈرک کو ہٹا کر قدیم شاہی خاندان کو برسراقتدار لانے کی خواہش مند تھی۔

اسی اثناء میں اُندلس کے شاہی محل میں اکاؤنٹ جولین کی بیٹی فلورنڈا کو زبردستی ملکہ بنالیا گیا جو آگے چل کر بالواسطہ اُندلس پر اسلامی حملہ کا سبب قرار پایا۔ بہرحال طارق بن زیاد کے حملہ اُندلس کے وقت یہی راڈرک یہاں کا حکمران تھا۔

جزیرہ نمائے اندلس میں مسلمانوں کے قدم رکھنے کے وقت کوہ پائیرینس کے اس پار کے جنوبی فرانس پر جرمن قبیلہ فرنیک کا قبضہ اقتدار قائم تھا اور یہی لوگ شمالی فرانس کے حکمران تھے۔ فرنیک کی قابل ذکر تاریخ شاہ کلودس (481ء) کی تخت نشینی سے شروع ہوتی ہے۔ اس زمانہ میں یہ قوم دریائے رائن کے نشیبی سواحل پر آباد تھی۔ شاہ کلودس نے مسلسل لڑائیوں کے بعد اس علاقہ کی مختلف خودمختار حکومتوں کا خاتمہ کر کے اپنی حکومت قائم کی۔ 519ء میں اس نے پیرس کو اپنا دارالسلطنت بنایا۔ اس کے انتقال کے بعد اس خاندان کو زوال آیا۔ اس کی شاہی برائے نام رہی۔ عنان حکومت محل سرا کے داروغہ کے ہاتھوں میں آئی۔ اسی خاندان میں پے پن پیدا ہوا جس نے 680ء میں شمالی فرنیک قوم کو پھر ایک قوم بنا دیا۔ 714ء میں اس کا انتقال ہوا اور اس کا بیٹا چارلس مارٹل اس کا جانشین ہوا جو آگے چل کر ایک زبردست خاندان کا بانی بنا۔

چارلس خالص جرمن نسل سے تھا اور اس کی مادری زبان جرمن تھی لیکن اس زمانہ میں کوہ پائیرینس کے اس پار جنوبی فرانس میں ایکوٹین اور برگنڈی وغیرہ میں خودمختار ریاستیں قائم کی گئی تھیں۔ ان خودمختار امراء سے چارلس مارٹل کی لڑائیاں جاری رہیں لیکن رفتہ رفتہ ان پر بھی ایک گونہ اس کی سیادت قائم ہو گئی تھی۔ جب ان پر اسلامی حملے ہوئے تو چارلس مارٹل اور اس کے جانشینوں نے اس کی مدافعت کو اپنا فرض منصبی سمجھا۔ اسپین، پرتگال اور جنوبی فرانس میں یہی سیاسی صورت حال اور ملکی حکومتیں تھیں کہ مسلمانوں کے قدم یہاں پہنچے اور یورپ کے یہ علاقے عیسائیوں اور مسلمانوں کی

معرکہ آرائیوں کا میدان جنگ بن گئے۔

اسلام کا آفتاب اقبال عرب کی گھاٹی سے نکلا اور اس کی کرنوں سے عرب کے آس پاس کی ساسانی و رومی حکومتوں کے جاہ و جلال کے ستاروں کی روشنی جھلملانے لگی۔ دو سمتوں کی دو گھنگھور گھٹاؤں نے نور کی ان کرنوں کو ماند کرنا چاہا مگر وعدہ ربانی کو پورا ہونا تھا کہ ان کرنوں کی روشنی پھیلی اور پھیلتی گئی۔ ایران کا غبار آلود مطلع صاف ہو گیا اور وادی نیل کی فضائیں رومی گرد و غبار سے پاک ہو گئیں۔ تخت کسریٰ کے الٹتے ہی ایرانی قوت کا تو خاتمہ ہو گیا مگر رومی سلطنت کی سطوت کچھ دنوں اپنے قدم جمائے رہی۔

روم و عرب کی باہمی آویزش کا پہلا واقعہ 6ہجری میں پیش آیا۔ جب کہ اسلام کے قاصد حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کو غسان کے عیسائیوں نے شہید کیا۔ پھر حارث بن عمر رضی اللہ عنہ دوسرے قاصد رومی حکومت کی حدود میں شہید کیے گئے۔ ان شہداء کے انتقام میں 8ہجری میں غزوۂ موتہ پیش آیا پھر رومی حملہ کی خبر سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تبوک تشریف لے گئے۔ پھر شام کا صوبہ عربوں کے زیرنگیں آیا پھر اس کے ہمسایہ صوبہ پر اسلامی پرچم لہرایا۔

اس کے بعد رومی سلطنت کی سطوت نے مصر سے نکل کر افریقہ میں اپنے قدم جما لیے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہد حکومت میں مصر کے والی حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے حضرت عقبہ بن نافع فہری رضی اللہ عنہ کو افریقہ کی سمت بھیجا۔ وہ شمالی افریقہ کی چوکیوں رزیلہ اور برقہ کو اسلامی حدود حکومت میں لے آئے اور آگے بڑھ کر طرابلس پر حملہ کیا۔ اس کے بعد عبداللہ بن سعد بن ابی سرح مصر کے والی بنائے گئے۔ انہوں نے عہد عثمانی میں رومی حاکم افریقہ بطریق جرجیر سے مقابلہ کیا۔ وہ ایک لاکھ بیس ہزار فوج کے ساتھ میدان میں آیا اور قتل کیا گیا۔ طرابلس سے طنجہ تک کا علاقہ جرجیر کے زیر حکومت تھا۔ اس لیے قدرتاً اس پورے علاقہ کو زیرنگین کر کے اسلامی حدود حکومت میں داخل کر لینا اسلامی حکومت کے فرائض میں داخل ہو گیا اور اس خدمت کو خود عبداللہ بن ابی سرح اور ان کے جانشین والی افریقہ معاویہ بن خدیج کندی، عقبہ بن فہری، ابوالمہاجر مسلمہ بن مخلد انصاری، زہیر بن قیس بلوی اور احسان

بن نعمان ازدی رحمۃ اللہ علیہم نے پورا کیا۔

پھر موسیٰ بن نصیر کی ولایت افریقہ کا دور آیا۔ انہوں نے مغرب اقصیٰ میں فتوحات حاصل کر کے پورے شمالی افریقہ و مغرب کو اسلامی پرچم کے زیرِ نگیں کر لیا۔

خلافت راشدہ کے بعد اموی سلطنت کا دور شروع ہوا اور وہی اموی خلفاء افریقہ و مغرب کے حکمران رہے اور ان ہی سے آگے چل کر اُندلس کی حکومت کا رشتہ قائم ہوا۔ اسی زمانہ میں جب شام و مصر کے زرخیز صوبے رومیوں کے ہاتھ سے نکل گئے تو رومیوں نے ان کی بازیافت کی کوشش کی اور 25 ہجری میں منویل کی سرکردگی میں روم کے جنگی بیڑے اسکندریہ کے ساحل پر لنگر انداز ہوئے۔ اسی کے جواب میں خشکی کی راہ سے افریقہ پر فوج کشی ہوئی اور رفتہ رفتہ افریقہ و مغرب زیرِ نگیں ہوئے۔ دوسری طرف شام کے والی نے بحری جنگ کی اجازت بارگاہ خلافت سے حاصل کر لی اور 28 ہجری میں جزیرہ قبرص کو باج گزار بنایا گیا۔

31 ہجری میں رومی حکومت نے چھ سو جہازوں کے بیڑے سے حملہ کیا مگر ناکام واپسی عمل میں آئی۔ یہ حملے صقلیہ کی بندرگاہ سے ہوئے تھے۔ 33 ہجری میں اس جزیرہ پر عربوں کی فوج اتری۔ ادھر صقلیہ کی یہ مہمیں جاری رہیں تو ادھر طنجہ تک مسلمانوں کے قدم پہنچ جانے سے اُندلس کا سرسبز و زرخیز ساحل نظر آنے لگا۔ اب یہ لڑائیاں روم و عرب کے بجائے اسلام اور عیسائیت کی قرار پا چکی تھیں۔ ان میں سے ہر ایک حریف کو دوسرے حریف کا مورچہ جہاں نظر آیا تو دوسرے حریف کے کیمپ میں ہتھیاروں کی جھنکار سنائی دینے لگی اور مسلمانوں کے حملہ آور قافلے اُندلس کی سرزمین پر بھی اپنی آب دار تلوار کے جوہر دکھانے لگے۔

چنانچہ اُندلس کی زرخیز و سرسبز زمین پر شتربان عربوں نے سمندر کی تلاطم خیز موجوں سے کھیلتے ہوئے پہلی مرتبہ عہد عثمانی میں قدم رکھا، پھر طارق بن زیاد اور موسیٰ بن نصیر جیسے جانباز مجاہدوں نے یہاں فتح و ظفر کے اسلامی پرچم لہرائے اور عربوں اور بربروں کے مختلف قبیلوں نے یہاں کی شاداب وادیوں میں توطن پذیر ہو کر اس کے ایک وسیع خطہ کو اسلامی مملکت کا جزو بنایا۔ پھر دنیا نے یہ نیرنگی بھی دیکھی کہ دولت بنی امیہ کا آفتاب اقبال مشرق میں غروب ہو کر مغرب سے طلوع ہوا اور اس کی تابانی و درخشانی

سے چند صدیوں تک مغرب کا افق روشن رہا۔ جس طرح سسلی کے مسلمانوں نے اٹلی کی سرزمین کو اپنی آماج گاہ بنائے رکھا، اسی طرح اُندلس کے مسلمانوں نے دو صدیوں تک فرانس کی سرزمین میں اسلامی پرچم کو بلند رکھا اور موجودہ اسپین، پرتگال اور نصف فرانس کے علاقے اسلامی حدود حکومت میں داخل رہے۔ اُندلس میں مسلمانوں کی علمی، تمدنی اور روحانی ترقیوں کی جو شمع روشن ہوئی اس سے ایک عالم نے روشنی حاصل کی اور یورپ کے نئے علوم و فنون اور تمدن کے مینارے انہی بنیادوں پر قائم کئے گئے۔

اُندلس پر پہلا اسلامی حملہ عہد عثمانی میں 27 ہجری میں کیا گیا۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن نافع حصین اور حضرت عبداللہ بن نافع بن عبدالقیس کو افریقہ کی راہ سے اُندلس پر چڑھائی کرنے کے لیے بھیجا۔ یہ لوگ بحری راستہ سے اُندلس پر حملہ آور ہوئے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے انہیں لکھا کہ قسطنطنیہ اُندلس کی راہ سے آسانی سے فتح کیا جا سکتا ہے۔ تم لوگ اس سعادت کو حاصل کر کے اس اجر کے مستحق ہو سکتے ہو جس کی بشارت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قسطنطنیہ کے فتح کرنے والوں کو دی ہے۔

یہ مجاہدین بربری لشکر لے کر اُندلس پر حملہ آور ہوئے تھے اور اس کے بعض شہروں پر قابض رہے۔ افریقہ کے بربروں سے انہیں ہر قسم کی مدد ملتی رہی لیکن جب ابتداً بربری قبائل مرتد ہو گئے تو پھر اُندلس اور افریقہ کی راہ منقطع ہو گئی۔ جو مجاہدین اُندلس میں موجود تھے وہ وہیں کے وہیں رہ گئے اور ان کے تعلقات کا سلسلہ اسلامی حکومت سے منقطع ہو گیا۔

یہ مسلمان اُندلس کے کس شہر میں تھے، ان پر طارق کے حملہ اُندلس سے پہلے اُندلس میں کیا گزری اور طارق کے حملہ کے وقت ان میں سے کوئی وہاں موجود تھا یا نہیں یہ سوالات ہیں جن کے جواب میں تاریخ کے صفحے ابھی تک خاموش ہیں۔ مغربی مورخین میں سے گبن کی تاریخ "ڈکلائن اینڈ فال آف دی رومن ایمپائر" میں بھی اس حملہ کا ذکر آیا ہے۔ اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ عرب یہاں آئے اور تاخت و تاراج کر کے واپس چلے گئے۔

گبن نے صرف اس طرح لکھا ہے:

"عثمان رضی اللہ عنہ ہی کے زمانہ میں غارت گروں کی جماعت نے اندولیسیا کے ساحل کو تاراج کیا تھا۔"

اُندلس پر مسلمانوں کا دوسرا حملہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے اس زمانہ میں کیا گیا جب معاویہ بن خدیج افریقہ کے والی تھے۔ اس کے بعد اسلامی تاریخوں میں اُندلس کا ذکر اس وقت آیا ہے جب عقبہ بن نافع کو یزید بن معاویہ نے افریقہ کی ولایت پر دوبارہ بھیجا ہے۔ نافع پیش قدمی کر کے طنجہ تک پہنچے۔ کاؤنٹ جولین (یولیان) جس نے آگے چل کر اُندلس کے معاملات میں غیر معمولی اہمیت حاصل کی، ان دنوں یہاں کا حکمران تھا۔ اس نے عقبہ کی اطاعت قبول کی۔ اس کے بعد عقبہ نے جولین سے اُندلس کی طرف بڑھنے کا مشورہ کیا۔ یہ اس کو شاق گزرا تو انہوں نے اس سے بربروں کے متعلق پوچھا۔ اس نے کہا کہ وہ عیسائی نہیں ہیں کفار ہیں، ان کی تعداد کا علم اللہ ہی کو ہے اور اس کی بڑی آبادی سوس ادنیٰ کی طرف ہے۔ ادھر پیش قدمی کی جا سکتی ہے۔ چنانچہ عقبہ اس موقع پر جولین کے مشورہ کے مطابق طنجہ سے اُندلس کی طرف بڑھنے کی بجائے مغرب کی سمت سوس کی طرف نکل گئے۔

بہر حال اندلس میں جو ابتدائی حملے کے لیے گئے تھے ان کا کوئی پائیدار اثر یہاں باقی رکھنا مقصود نہیں تھا۔ اس لیے اُندلس پر حقیقی اسلامی حملہ اسی فوج کشی کو قرار دیا جا سکتا ہے جو اُندلس کی فتح کی نیت سے مشہور فاتح طارق بن زیاد کی سرکردگی میں کیا گیا اور مسلمانوں نے یہاں توطن اختیار کر کے اپنی فتوحات کا دائرہ وسیع کیا۔

طارق کے اُندلس پر حملہ آور ہونے کا سبب ایک خاص واقعہ قرار پایا ہے۔ اس زمانہ میں اُندلس میں سلطنت کے اُمراء اور گورنر اپنے بچوں کو آداب و تہذیب سکھانے کے لیے شاہی محل میں بھیجا کرتے تھے۔ یہ بچے گویا یرغمال کے طور پر بادشاہ کے قبضہ میں رہتے تھے اور سن بلوغ کو پہنچتے ہی اپنے گھر کو بھیج دیئے جاتے تھے۔ شمالی افریقہ میں جب طنجہ تک کا علاقہ اسلامی اقتدار میں داخل ہو گیا تو اُندلس کے ساحل سے قریب کے اضلاع اُندلس کے شہنشاہ کی سیادت میں داخل ہو گئے تھے۔ سبتہ (Ceuta) ان اضلاع کا دارالحکومت تھا اور کاؤنٹ جولین جسے عرب یلیان کہتے ہیں اور جو پہلے

طنجہ کا والی تھا یہاں کا گورنر تھا۔ جولین اُندلس کے سابق گاتھ فرماں روا ویٹزہ کا داماد تھا اور اُندلس کی عام رسم کے مطابق اس کی لڑکی فلورنڈا طلیطلہ میں اُندلس کے نئے حکمران راڈرک کے شاہی محل میں تعلیم و تربیت سیکھنے کے لیے رہتی تھی۔ وہ جوان ہوئی تو راڈرک اس کے حسن و جمال پر فریفتہ ہو گیا اور اپنی ذمہ داریوں کا احساس نہ کرتے ہوئے اس کے شیشہ عصمت کو زبردستی چور کر دیا اور اس سے ایسی چنگاری اٹھی جس سے نہ صرف راڈرک کا تاج و تخت جل کر خاکستر ہو گیا بلکہ ملک میں ایسا انقلاب آیا کہ صدیوں کے لیے اس ملک کی تاریخ بدل گئی۔

فلورنڈا نے حادثہ کی اطلاع اپنے باپ کاؤنٹ جولین تک پہنچائی وہ اس شرمناک واقعہ کو سن کر غیرت و حمیت میں ڈوب گیا اور جوش انتقام میں راڈرک کو تاج و تخت سے محروم کرنے کا پختہ عزم کر لیا۔ چنانچہ وہ یہی منصوبہ باندھ کر پہلے فلورنڈا کو شاہی محل سے لے آنے کے لیے طلیطلہ پہنچا۔ راڈرک کے لئے طلیطلہ میں اس کی آمد غیر متوقع تھی۔ اس نے اپنی خانگی پریشانیوں کی ایک فرضی داستان اس کو سنائی کہ اس کی بیوی بستر مرگ پر ہے اور وہ فلورنڈا سے آخری ملاقات کرنے کے لئے بے چین ہے۔ راڈرک نے اس کی پریشانی کے باوجود فلورنڈا کو بھیجنے سے انکار کر دیا۔ روانگی کے وقت راڈرک نے کاؤنٹ جولین سے کہا:

"سنا ہے افریقہ کے باز بہت اچھے ہوتے ہیں۔؟ چند باز بھیج دینا۔"

کاؤنٹ جولین نے جواب دیا:

"اگر میں زندہ رہا تو ایسے باز بھیجوں گا جن کو آپ نے کبھی نہ دیکھا ہو گا۔"

ان بے نظیر بازوں سے جولین کی مراد عرب کے قدر انداز شہسوار تھے۔ چنانچہ جولین نے سبتہ واپس آتے ہی شمالی افریقہ کی اسلامی حکومت سے اُندلس پر حملہ آور ہونے کے لیے سلسلہ گفتگو شروع کر دی۔ اس زمانہ میں شمالی افریقہ میں خلافت امویہ دمشق کی سیادت میں موسیٰ بن نصیر جیسا بیدار مغز والی حکمران تھا۔ موسیٰ بن نصیر نے چند برسوں میں شمالی افریقہ کو نئے سرے سے مطیع کر لیا تھا اور اسلامی دستوں کو بحر روم کے مختلف جزیروں میں چھاپے مارنے کے لئے اکثر بھیجتے رہتے تھے۔ وہ سبتہ پر بھی دو مرتبہ پیش قدمی کر چکے تھے لیکن کاؤنٹ جولین نے پوری طاقت سے اس کی مدافعت کی

تھی۔ ان دنوں طارق بن زیاد طنجہ کے والی تھے۔ جولین نے ان سے مراسم پیدا کیے، اسلامی حکومت کی اطاعت کا اظہار اور اُندلس پر حملہ آوری کی دعوت دی۔ طارق بن زیاد نے اس معاملہ کو موسیٰ بن نصیر کی طرف بڑھایا۔ جولین نے موسیٰ بن نصیر سے براہ راست مراسلت کی۔ چنانچہ جب جولین نے موسیٰ بن نصیر کو اپنی اطاعت قبول کرنے کی اطلاع اور سبتہ آنے کی دعوت دی تو موسیٰ بن نصیر نے اس موقع کو غنیمت جانا اور 90 ہجری میں خود قیروان سے سبتہ آئے۔

جولین نے خندہ پیشانی سے ان کا خیر مقدم کیا اور ان کو اُندلس پر حملہ آور ہونے کی ترغیب دینے کے لیے اُندلس کی زرخیزی وشادابی، میووں اور زرعی فصلوں کی بہتات، دریاؤں کی کثرت، پانی کی شیرینی اور سیاسی حالات کے سلسلہ میں یہاں کے باشندوں کے باہمی اختلافات اور ایک غیر شاہی خاندان کے قائد کے برسر اقتدار آجانے کی تفصیلات بیان کیں اور اس مہم میں اپنی طرف سے ہر قسم کی امداد دینے کا یقین دلایا۔

موسیٰ بن نصیر نے اس دعوت کو غور سے سنا مگر اس کو قبول کرلینے سے پہلے جولین کو پورے طور پر آزمالینا چاہا۔ چنانچہ انہوں نے جولین سے کہا کہ پہلے وہ خود کسی مختصر لشکر سے حکومت اُندلس سے چھیڑ چھاڑ کرے تاکہ اس کے اور حکومت اُندلس کے تعلقات کھلے طور پر خراب ہو جائیں اور آئندہ اس کے انحراف کا موقع باقی نہ رہ جائے۔

جولین نے اس تجویز کو خوشی سے منظور کیا اور ایک مختصر لشکر تیار کر کے اس کو دو جہازوں پر سوار کر کے اُندلس کے ساحلی شہر جزیرہ خضراء بھیجا جہاں اس جمعیت نے معمولی چھیڑ چھاڑ کی اور لوٹ مار کر کے سبتہ واپس آگئی۔

اُندلس پر جولین کی اس حملہ آوری کی اطلاع موسیٰ بن نصیر کو ملی۔ اب اس کی سچائی میں کوئی شبہ باقی نہیں رہ گیا تھا۔ اس لیے موسیٰ بن نصیر نے خلیفہ ولید بن عبدالملک کو ان حالات سے خبردار کر کے اس سے اُندلس پر فوج کشی کی اجازت طلب کی لیکن ولید کو ان تمام حالات سے باخبر ہو جانے کے باوجود اس فوج کشی کی اجازت دینے میں تامل ہوا اور جواب میں لکھا کہ مسلمانوں کو ایسے بحر ذخار کی ہلاکت آفرینیوں میں نہ ڈالا جائے۔ موسیٰ نے اطمینان دلایا کہ اُندلس کا ساحل سامنے نظر آرہا ہے اور فوج کی

بربادی کا کوئی اندیشہ نہیں ہے۔ بایں ہمہ ولید نے کسی بڑی فوج کشی سے باز رہنے کی ہدایت کی اور پہلے کسی چھوٹے دستہ کو بھیج کر آزمائش کر لینے کی ہدایت کی۔

چنانچہ موسیٰ بن نصیر نے فرمان خلافت کی تعمیل میں مسلمانوں کا ایک مختصر دستہ اپنے مولیٰ طریف بن مالک نخعی کی سرکردگی میں اُندلس پر حملہ آوری کے لیے روانہ کیا۔ طریف کی یہ جمعیت صرف چار سو مجاہدین پر مشتمل تھی جن میں سے ایک سو سوار تھے۔ یہ لوگ چار کشتیوں میں سوار ہو کر روانہ ہوئے اور جنوب مغربی اُندلس کے ایک شہر میں جا کر اترے جس کا نام بعد میں جزیرہ طریف پڑا۔ یہ لوگ اس جزیرہ میں کامیابی حاصل کر کے اُندلس کے ساحلی شہر جزیرہ خضراء میں اترے۔ یہاں سے بھی کثیر مال غنیمت اور تنومند قیدیوں کو ہمراہ لے کر ماہ رمضان 91 ہجری میں بخیر وخوبی واپس آگئے۔

طریف کی مہم کی کامیابی سے اُندلس کی راہ کی آسانیاں نظر آگئیں۔ موسیٰ بن نصیر نے اُندلس پر حملہ آور ہونے کا اعلان کر دیا اور لوگ خوشی سے اس جنگ میں شریک ہونے کے لئے آمادہ ہو گئے۔ چنانچہ ایک عظیم الشان لشکر ایک لائق اعتماد قائد طارق بن زیاد کی سرکردگی میں تیار ہو گیا اور اسی قائد نے آگے چل کر فاتح اُندلس کا معزز لقب حاصل کیا۔

اسی زمانہ میں جب افریقہ میں اُندلس کے حملہ کی تیاریوں کا غلغلہ بلند تھا اور طریف کی مہم کی کامیابی کی داستانیں پھیل رہی تھیں کہ افریقہ کے چند آزاد اور جنگ جو قبائل کے حوصلے بڑھ گئے۔ انہوں نے اس موقع کو غنیمت سمجھ کر اُندلس کو تاخت وتاراج کر کے جو کچھ بھی ہاتھ آسکتا ہو اس کو سمیٹ لینے کے لئے آزادانہ طریقہ سے فوج کا ایک دستہ بنایا اور اُندلس کے لیے اسلامی حکومت افریقہ کے لشکر کے روانہ ہونے سے پہلے چل کھڑے ہوئے۔ یہ افریقہ کے نیم وحشی بربری قبیلے تھے جو ابوزراعہ نامی آدمی کی قیادت میں ایک ہزار کی تعداد میں اکٹھے ہو گئے تھے۔ یہ افریقہ سے چل کر جزیرہ خضراء میں اتر پڑے۔ شہر کے لوگ ان غارت گروں کو دیکھتے ہی آس پاس کی آبادیوں میں بھاگ گئے۔ انہیں جو لوگ سامنے مل گئے انہیں لوٹا گیا پھر بڑی بربریت کے ساتھ بعضوں کو آگ میں جلا دیا اور ایک کلیسا میں آگ لگا دی۔ ان کی یہ وحشیانہ حرکتیں اسی پر ختم نہیں ہوئیں بلکہ چند قیدیوں کو بڑی بے دردی سے ذبح کر ڈالا

اور لاشوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے دیگوں میں رکھ کر آگ پر چڑھا دیا اور باقی ماندہ قیدیوں کو آزاد کر دیا تاکہ یہ رہا شدہ قیدی ملک میں پھیل جائیں اور ملک میں مشہور ہو جائے کہ یہ حملہ آور ایسے سخت ہیں کہ قیدیوں کو ذبح کر کے بھون کر کھا جاتے ہیں۔ اس طرح ان کا رعب و دبدبہ پھیل جائے گا اور لوگ ان کے مقابلہ میں آنے کی جرأت نہ کر سکیں گے۔

طارق نسلاً بربری، افریقہ کے باشندہ اور موسیٰ بن نصیر کے آزاد کردہ غلاموں میں سے تھے۔ آپ فوجی خدمات پر مامور تھے اور طنجہ کے والی بھی تھے۔ کاؤنٹ جولین سے ان کے مراسم پہلے سے تھے اور یہ فتح اُندلس کی ابتدائی گفتگو میں شریک تھے۔ لشکر گویا بربروں پر ہی مشتمل تھا۔ اس لیے سپہ سالاری کے لیے طارق کا انتخاب موزوں ہو سکتا تھا۔ جولین کے وعدہ کے مطابق اس کے چار تجارتی جہاز افریقہ آئے اور طارق سات ہزار کا لشکر لے کر اُندلس روانہ ہو گیا۔ ان میں تین سو عرب اور باقی بربر تھے۔ جتنے سپاہی چار جہازوں میں سوار ہو سکتے تھے، وہ طارق کے ساتھ روانہ ہوئے اور کاؤنٹ جولین رہنمائی کے لیے اس لشکر کے ساتھ گیا۔

ان بربروں کی اصلی قوم ونڈال ہے جنہوں نے رومیوں سے اسپین کو فتح کیا تھا، پھر جنہیں گاتھوں نے اندلس سے نکال دیا تھا اور وہ افریقہ چلے گئے تھے۔ طارق بھی ونڈال ہی سے تھا۔ ونڈال کا خون ان سب میں موجود تھا۔

موصوف کے نقطہ نظر سے ان لوگوں نے اب اسلام قبول کر لیا تھا اور گاتھوں نے تین سو برس پہلے ان کے ساتھ جو سلوک کیا تھا انہیں اس کا بدلہ لینے کا موقع ہاتھ آیا تھا لیکن یہ افسانہ ہی افسانہ ہے جو صرف اس لیے گھڑا گیا کہ کسی غیر یورپی قوم کے فاتح یورپ ہونے کے واقعہ کو کم سے کم کر کے دکھایا جائے۔ ورنہ افریقہ کے بربر وہاں کے قدیم باشندے ہیں اور نسلی حیثیت سے بڑے بڑے مشہور قبیلوں میں تقسیم ہیں۔ ابن خلدون نے تفصیل سے ان کے قبائلی حالات لکھے ہیں اور دور کا شبہ بھی نہیں کیا جا سکتا کہ یہ اس ونڈال قوم سے ہیں جو تین سو برس پہلے مٹھی بھر تعداد میں اندلس سے ہجرت کر کے افریقہ آئی تھی۔

اسلامی لشکر دوشنبہ 5 رجب 92 ہجری کو اُندلس کی ایک پہاڑی پر اترا جو بعد میں

طارق سے منسوب ہو کر جبل طارق سے موسوم ہوئی اور اب اس کا بگڑا ہوا تلفظ جبرالٹر مشہور ہے۔ مسلمان جولین کے تجارتی جہاز پر آئے تھے۔ اس لیے ان کے اترنے سے کسی کو کوئی کھٹکا نہیں ہوا۔ یہ چاروں جہاز سپاہیوں کو اتار کر باقی ماندہ سپاہیوں کو لانے کے لیے واپس چلے گئے۔

اثنائے راہ میں طارق نے ایک خواب دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مہاجرین وانصار کی معیت میں تشریف فرما ہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تلواریں لٹکائے اور مونڈھوں پر کمانیں چڑھائے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم طارق سے فرما رہے ہیں:

''طارق! اسی شان سے قدم بڑھائے جاؤ۔''

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو مسلمانوں کے ساتھ نرمی سے پیش آنے اور اپنے وعدوں کو پورا کرنے کی ہدایت کی۔ اس کے بعد طارق نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے جلو میں اُندلس میں داخل ہوئے اور طارق اس مقدس جماعت کے پیچھے ہیں۔

اس مقدس خواب کو طارق نے بشارت پر محمول کیا۔ اپنے رفقاء کو اس کا مژدہ سنایا۔ سب لوگوں کو اس سے تقویت حاصل ہوئی اور مہم میں کامیابی وظفرمندی کی امید بندھی۔

طارق اس پہاڑ پر چند دنوں مقیم رہا۔ اس اثناء میں باقی ماندہ لشکر بھی آ گیا۔ ابتدائی انتظام مکمل کرنے کے بعد اس نے فوجی نقل و حرکت شروع کی۔ جبل الطارق کے بالکل شمالی ساحل پر قدیم تاریخی شہر قرطاجنہ (کارتیہ۔Carteya) آباد تھا۔ طارق نے عبدالملک معافری کو (جس کی آٹھویں پشت پر المنصور معافری پیدا ہوا) ایک دستہ دے کر روانہ کیا جو شہر میں مزاحمت کے بغیر داخل ہو گیا۔ پھر جزیرہ خضراء کی طرف بڑھے۔ یہاں بھی کامیابی ہم رکاب تھی۔ یہ مقام طریف کے ہاتھوں گزشتہ سال بھی پامال ہو چکا تھا۔ پھر ایک چھوٹی سی جمعیت طریف ہی کی سرکردگی میں دی گئی تاکہ وہ اپنے پامال کیے ہوئے شہر جزیرہ طریف کو زیر علم لے آئے۔ چنانچہ اس پر قبضہ ہو گیا۔

جبل طارق کے آس پاس کے شہروں جزیرہ خضراء (Algeciras) قرطاجنہ

(Carajena) اور جزیرہ طریف (Tarifa) کے بآسانی زیرنگیں ہو جانے سے بڑی آسانی حاصل ہوگئی۔ طارق نے ان شہروں کی فصیل اور قلعوں کو درست کرایا۔ جہاں جہاں دیوار کی مرمت کی ضرورت تھی مرمت کرائی اور اُندلس کے شاہی لشکر سے کھلے میدان میں مقابلہ کرنے کی تیاریاں کر لیں۔

اُندلس میں اس زمانہ میں یونانی اساطیر کی طرح نجوم وطلسمات کے بہت سے افسانے پھیلے ہوئے تھے۔ ان میں سے بعض عرب مؤرخین کے کانوں تک بھی پہنچے۔ مقری وغیرہ نے ان کو دلچسپی کے ساتھ نقل کیا ہے۔ اس سلسلہ میں جزیرہ خضراء میں بھی تفاول کے طور پر ایک واقعہ پیش آیا۔ یہاں طارق سے ایک بڑھیا نے بیان کیا کہ اس کا شوہر نجومی تھا اور کہا کرتا تھا کہ اس ملک میں ایک امیر داخل ہوگا جو سب پر غلبہ حاصل کرلے گا۔ اس کی نشانی یہ ہے کہ اس کا سر بڑا ہوگا اور اس کے بائیں بازو پر ایک تل ہوگا جس پر بال اُگے ہوں گے۔ طارق کو اس بیان سے دلچسپی ہوئی۔ اس نے بایاں بازو کھول کر دیکھا تو واقعی اس پر تل موجود تھا جس میں بال اُگے ہوئے تھے۔

جس طرح طارق کی طرف ان بشارتوں کی نسبت کی جاتی ہے ویسے ہی راڈرک کی طرف ایسے واقعات منسوب ہیں جن سے اس کی حکومت کے زوال اور عربوں کی آمد کی پیشین گوئی ظاہر ہوتی ہے۔ چنانچہ کہا جاتا ہے کہ طلیطلہ میں ایک قدیم تاریخی عمارت تھی جو بیت الحکمۃ کے نام سے موسوم تھی۔ یہ عمارت مقفل تھی اور دستور یہ چلا آتا تھا کہ اُندلس کا نیا فرماں روا اس پر ایک تالا چڑھا دیتا تھا اور اس کی کنجی اس تالے کے ساتھ لٹکی رہتی تھی۔ کسی فرمانروا کو اجازت نہ تھی کہ وہ اس تالے کو کھول لے۔ ورنہ تالہ کے کھولنے کے معنی ملک کو آفات وحوادث میں مبتلا کر دینے کے تھے۔ اس عمارت کی حفاظت کے لیے دربان مقرر تھے۔ چنانچہ راڈرک کی تخت نشینی کے وقت بھی دستور کے مطابق وہ دربار میں حاضر ہوئے اور اس عمارت پر قفل چڑھانے کی رسم انجام دینے کی درخواست کی۔ اس وقت تک اس عمارت کے دروازہ پر چھبیس قفل لگ چکے تھے۔ ستائیسواں قفل راڈرک کی خدمت میں پیش کیا گیا لیکن راڈرک کا تعلق شاہی خاندان سے نہ تھا کہ پچھلی روایات کا احترام اس کے دل میں ہوتا۔ اس کو اس طلسمی عمارت کی حقیقت دریافت کرنے کا شوق پیدا ہوا کہ شاید پچھلے بادشاہوں

کی دولت اس میں ودیعت رکھی ہوئی آرہی ہو۔ اس لیے اس نے اندلس کے عمائد کے سامنے اس قفل کو کھولنے کا ارادہ ظاہر کیا لیکن لوگوں نے یک زبان ہو کر اس کی نہ صرف مخالفت کی بلکہ کہا کہ اگر زر وجواہر کا خیال ہے تو ملک سے دولت کا انبار جمع کر دیا جائے مگر اس عمارت کے طلسم کو توڑ کر ملک کو کسی نئی آفت میں مبتلا نہ کیا جائے لیکن راڈرک اس طلسمی عمارت کے سربستہ رازوں کو معلوم کرنے کے لیے بے چین تھا۔ وہ اپنے ارادے سے باز نہ آیا اور خود جا کر سارے قفل کھول ڈالے۔

بیت الحکمۃ کا دروازہ کھلا تو سامنے ایک زر وجواہر سے مرصع زرنگار خوبصورت میز رکھی ہوئی ملی۔ معلوم ہوا کہ یہ ''مائدہ سلیمان'' ہے جو بیت المقدس کی فتح کے بعد وہاں سے لایا گیا تھا۔ پھر اسی کمرے میں ایک مقفل صندوق ملا۔ راڈرک نے اس تالے کو بھی کھولا تو صندوق میں بڑی صنعت سے بنی ہوئی سواروں کی چند تصویریں نکلیں جن کی شکلیں عربوں سے ملتی ہوئی تھیں۔ وہ جانوروں کی کھالیں پہنے، عمامے باندھے، گیسو لٹکائے، عربی گھوڑوں پر سوار ننگی تلواریں سونتے اور برچھے تانے ہوئے کھڑے تھے۔ انہی تصویروں کے ساتھ ہرن کی ایک جھلی رکھی ہوئی تھی۔ راڈرک نے اس جھلی کو کھلوایا تو اس میں مکتوب تھا:

''جب اس مقفل عمارت اور صندوق کو کھولا جائے گا تو وہ قوم جس کی تصویریں اس صندوق میں بنی ہوئی ہیں جزیرہ اُندلس میں داخل ہوگی اور جن لوگوں کے ہاتھوں میں ملک ہوگا ان کی حکومت جاتی رہے گی۔''

راڈرک اس نوشتہ کو پڑھ کر اپنے کیے پر پچھتایا اور اس کو اپنی سلطنت کے زوال کا خطرہ محسوس ہوا۔ اس واقعہ کو کچھ دن ہی گزرے تھے کہ اس نے سنا کہ مشرق سے شہنشاہ عرب کی فوج اُندلس کی فتح کے لیے ملک میں داخل ہوگئی ہے۔

طارق کی ان پیش قدمیوں سے جن سے چند شہر قبضہ میں آئے تھے، اس علاقہ میں ہل چل مچ گئی۔ ڈیوک تھیوڈومر (Theodomir) اس علاقہ کا گورنر تھا۔ وہ ان اجنبی حملہ آوروں کو ساحل پر دیکھ کر سراسیمہ ہوگیا۔ اس نے مقابلہ کی جرأت کی مگر ایک ہی حملہ میں پست ہوا۔ راڈرک ان دنوں شمالی علاقہ بسکے میں دشمنوں سے صف آرا تھا۔ تھیوڈومر نے راڈرک کے پاس ایک تیز رفتار قاصد بھیجا اور ان اجنبی حملہ آوروں کے

ساحل پر اترنے کی اطلاع ان لفظوں میں دی:

''ہماری زمین پر ایک بلا اُتر پڑی ہے۔ ہم نہیں جانتے کہ یہ آسمان سے نازل ہوئی ہے یا زمین سے نکل پڑی ہے۔''

یہ بھی اطلاع دی کہ کاؤنٹ جولین ان حملہ آوروں کا دلیل راہ ہے۔

راڈرک اس ناگہانی افتاد سے سخت گھبرایا اور وہاں سے لوٹ کر قرطبہ چلا آیا۔ جس کو اس نے طلیطلہ کے بجائے دارالحکومت قرار دیا تھا اور یہاں مسلمانوں سے مقابلہ کرنے کی تیاریوں میں مصروف ہو گیا۔ چنانچہ ملک میں عام فوجی بھرتی کا اعلان کرایا۔ حملہ آوروں کو ملک سے نکالنے کی عام اپیل کی۔ لوگوں نے اس کی تحریک پر لبیک کہا اور جوق در جوق قرطبہ آ کر فوج میں شریک ہوئے۔ نیز اس نے مذہب و وطن اور قوم کے نام پر اپنے مخالفین کو بھی بلایا۔ چنانچہ خاندان گاتھ کے تین شہزادے بھی اپنے حلقہ اثر سے فوج اکٹھی کر کے اپنے جاں نثاروں کے ساتھ دارالحکومت کی طرف چل کھڑے ہوئے۔ مگر انہیں راڈرک پر بھروسہ نہ تھا۔ اس لیے انہوں نے شہر میں داخل ہونے سے گریز کیا اور قرطبہ سے باہر وادی کبیر کے اس پار مقام تقندہ میں فوج کے ساتھ اترے۔ رفتہ رفتہ یہی مقام فوجی چھاؤنی بن گیا اور راڈرک کا لشکر ایک لاکھ کی تعداد تک پہنچ گیا۔

ادھر طارق نے اتنی بڑی جمعیت کے فراہم ہونے کا حال سنا تو کچھ سراسیمہ ہوا۔ اس نے موسیٰ بن نصیر کو تفصیلات کی اطلاع دے کر کمک طلب کی۔ موسیٰ بھی غافل نہ تھا۔ وہ کمک کے لئے پہلے سے کشتیوں پر کشتیاں تیار کرا رہا تھا۔ چنانچہ کمک کی طلب کے ساتھ ہی اس نے پانچ ہزار فوج بھیجی اور اب اسلامی لشکر کی مجموعی تعداد بارہ ہزار ہو گئی۔

اس اثناء میں راڈرک کوچ کرتا ہوا جنوبی اُندلس کی طرف چلا۔ ادھر طارق نے بھی اسلامی لشکر کو آگے بڑھایا اور دونوں فوجوں کا سامنا دریائے گواڈلیٹ (Guadalquivir) کے داہنے کنارے، بحر محیط کے ساحل سے تقریباً سات میل کے فاصلہ پر مقام شریش (Xeres) میں ہوا۔ دونوں فوجوں نے آمنے سامنے ڈیرے ڈال دیئے اور طرفین لڑائی کی تیاری میں مصروف ہو گئے۔

راڈرک کی یہ ایک لاکھ سپاہ گھوڑوں اور قیمتی اسلحہ سے آراستہ تھی۔ ادھر صرف بارہ ہزار مجاہدین تھے۔ اگرچہ یہ بڑے قوی ہیکل، جنگجو اور بہادر تھے مگر ان کے پاس نہ گھوڑے تھے اور نہ مکمل اسلحہ۔ ہاتھوں میں صرف ننگی تلواریں تھیں اور بعضوں کے پاس نیزے تھے۔ فوج کی تعداد اور اسلحہ کے لحاظ سے ان دونوں میں کوئی مقابلہ نہ تھا خصوصاً اس لیے کہ اُندلسی لشکر میں وطن اور مذہب کی مدافعت کا جذبہ کارفرما تھا اور اُندلس کے گوشہ گوشہ سے چیدہ چیدہ سپاہی سمٹ کر آ گئے تھے لیکن تائید ایزدی سے ایک نئی صورت حال ایسی پیدا ہو گئی کہ ان کی قوت میں اضمحلال آ گیا۔

کاؤنٹ جولین اسلامی لشکر کا ہمرکاب تھا۔ اس کے آدمی دشمنوں میں مل جل گئے تھے اور جاسوسی اور تفرقہ اندازی کی حکمت عملی اختیار کیے ہوئے تھے۔ کاؤنٹ جولین اپنی کمند گاتھ شہزادوں پر پھینکنے میں کامیاب ہو گیا۔ اس نے انہیں ان کی کھوئی ہوئی عظمت یاد دلا کر مسلمانوں کی اطاعت قبول کر لینے میں درخشاں مستقبل کی یاد دلائی۔ چنانچہ گاتھ شہزادوں نے طارق کو اپنے پیغامبر کے ذریعہ راڈرک کی حکومت پر غاصبانہ قبضہ کر لینے اور ان لوگوں کا اپنے حقوق سے دستبردار نہ ہونے سے مطلع کیا اور اپنی موروثی جاگیریں واگزار رکھنے کی شرط پر اسلامی لشکر کی مدد کرنے پر آمادگی ظاہر کی۔ یہ شاہی جاگیریں اُندلس کے نہایت ہی زرخیز علاقوں میں تین ہزار کی تعداد میں تھیں۔ طارق نے ان شہزادوں کی شرط منظور کر لی اور دونوں میں یہ خفیہ عہد و پیمان طے پا گیا۔

اس رازدارانہ عہد و پیمان کے بعد راڈرک کے لشکر میں یہ خیالات پھیلائے گئے کہ وہ سلطنت کا غاصب ہے۔ شاہی خانوادہ سے اس کا تعلق نہیں۔ اس کو کامیاب بنانے کے لیے کوئی اپنی تباہی و بربادی خود کیوں مول لے۔ باقی رہے یہ مسلمان تو یہ چلتی پھرتی قوم ہے انہیں مال غنیمت چاہئے۔ انہیں اس ملک میں رہ جانے کی ضرورت نہیں۔ بہتر ہے کہ انہی کے ہاتھوں سے اس غاصب سے نجات حاصل کی جائے۔ پھر جب مال غنیمت لے کر یہ لوگ روانہ ہو جائیں گے تو اُندلس کے شاہی تخت کے لیے کسی کو منتخب کر لیا جائے گا۔

راڈرک لشکر میں ان باغیانہ خیالات کے پھیلنے سے بے خبر تھا۔ وہ اپنی مختلف جنگی تیاریوں میں مصروف رہا۔ چنانچہ اس کے جاسوس بھی اسلامی لشکر کے گرد چکر کاٹ

رہے تھے۔اس نے مسلمانوں کی عام حالت کا اندازہ لگانے کے لیے بعض جری اور معتبر آدمیوں کو بھیجا تھا مگر وہ اپنے کو مسلمان سے چھپا نہ سکے اور مسلمانوں کے ہاتھ سے بچ نکلنے میں کامیاب ہو گئے۔ان جاسوسوں نے اپنے جو تاثرات راڈرک سے بیان کیے وہ اس کے لیے اور زیادہ حوصلہ شکن ثابت ہوئے۔انہوں نے کہا:

''یہ وہی صورتیں ہیں جو صندوق میں دکھائی گئی تھیں۔ان سے مقابلہ آسان نہیں۔یہ آپ کے پاس آنے والے ایسے ہیں کہ یا تو اپنی موت چاہتے ہیں یا وہ زمین جو آپ کے قدموں کے نیچے ہے۔انہوں نے واپسی کے تخیل کو مٹا دینے کے لیے اپنے جہازوں کو بھی جلا دیا ہے اور ثابت قدم کے ساتھ اس زمین پر صف آراء ہو گئے ہیں۔ ان کے لیے ہماری زمین پر کوئی ایسا مقام نہیں جہاں وہ بھاگ کر پناہ لے سکیں۔''

ایک طرف راڈرک کی فوج میں ان مختلف قسموں کا اضطراب پھیل رہا تھا، لیکن دوسری طرف مسلمان سپاہی بھی دشمنوں کی تعداد کی کثرت اور ان کے قیمتی سامانِ جنگ کو دیکھ کر مرعوب ہو رہے تھے۔اسلامی سپہ سالار طارق بھی اس سے بے خبر نہ تھا مگر وہ جلد ہی اس خوف و ہراس کو دور کرنے میں کامیاب ہو گیا۔چنانچہ اس نے اسی رات کو جس کی صبح کو لڑائی شروع ہوئی مسلمانوں میں جوش و ولولہ اور عزم و استقامت کی روح پھونکنے کے لیے ان کے سامنے ایک بڑی پرزور تقریر کی جس نے مسلمانوں کے ڈوبے ہوئے دلوں کو سنبھال لیا اور وہ لڑنے مرنے اور فتح مندی سے ہمکنار ہونے کے لئے تیار ہو گئے۔

طارق کی یہ تقریر تاریخی کتابوں میں قلم بند ہے۔اس نے حمد و ثناء کے بعد کہا:

''مسلمانو!یہ خوب سمجھ لو!اب تمہارے بھاگنے کی جگہ کہاں ہے؟سمندر تمہارے پیچھے ہے اور دشمن تمہارے آگے۔اللہ کی قسم!اب سوائے پامردی و استقلال کے تمہارے لیے کوئی چارہ باقی نہیں رہا، یہی دونوں طاقتیں ہیں جو مغلوب نہیں ہو سکتیں۔یہی دونوں فتح مند قوتیں ہیں جنہیں فوج کی قلت تعداد نقصان نہیں پہنچا سکتی اور نہ کسی فوج کی کثرت، بزدلی، سستی، نامردی، اختلاف اور غرور کے ساتھ کسی کو فائدہ پہنچا سکتی ہے۔سمجھ لو!تم اس جزیرہ میں ایسے ہی ہو جیسے یغمائی بخیلوں کے دسترخوان پر ہوتے ہیں۔تمہارے دشمن اپنی فوج اور سامان جنگ کے ساتھ تمہارے سامنے آ چکے ہیں۔

ان کے پاس سامان رسد کا ذخیرہ بھی وافر ہے مگر تمہارے پاس کوئی سامان نہیں بجز تمہاری تلواروں کے۔تمہارے لیے کوئی رسد نہیں سوائے اس کے کہ تم اپنے دشمنوں کے ہاتھوں سے چھین کر حاصل کر لو۔اگر تم نے کوتاہی کی اور کچھ حاصل نہ کیا تو تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی اور تمہارے دشمنوں کے دلوں میں تمہارا رعب پیدا ہونے کے بجائے تم سے مقابلہ کرنے کی ہمت پیدا ہو جائے گی۔اس لیے تم اپنے آپ کو کسی ایسی رسوائی میں پڑنے سے پہلے اس سرکش (راڈرک) کو زیر کر کے بچا لو جو اس قلعہ بند شہر سے تمہارے مقابلہ کے لئے نکلا ہے۔اگر تم اپنی جانوں پر کھیل جاؤ تو کامیابی تمہارے قدم چومنے کے لیے فرش راہ ہے۔میں تمہیں کوئی ایسی دعوت نہیں دیتا جس کو خود قبول کرنے کے لئے تیار نہ ہوں۔میں تمہیں ایسے مقام پر لایا ہوں جہاں سب سے سستی چیز انسانوں کی جانیں ہیں اور سب سے پہلے میں اپنے آپ سے شروع کرتا ہوں۔یہ خوب یقین رکھو کہ اگر تھوڑی دیر کی تکلیف اٹھا لو گے تو اس کے بدلہ میں ایک زمانہ دراز تک عیش و راحت اٹھاؤ گے۔تم اپنی جانوں کو میری جان سے زیادہ قیمتی نہ بناؤ!تمہارا اور میرا حصہ برابر ہے۔اس وقت جو کچھ جزیرہ میں ہے وہ سب کچھ تمہارا ہے۔یہیں وہ حور وش خوبصورت یونانی لڑکیاں ہیں جو موتی اور مرجان سے مزین سنہرے لباس میں ملبوس اور امراء و تاج دار سلاطین کے محلوں کی زینت ہیں۔ امیر المومنین ولید بن عبدالملک نے تم جیسے بہادروں کو اسی لیے منتخب کیا ہے کہ تم اس جزیرہ کے تاج داروں اور رئیسوں کے داماد بن جاؤ۔یہاں کے بہادروں اور شہسواروں سے دو دو ہاتھ کر لو۔تم اس جزیرہ میں اللہ کے بول اور اس کے دین کو سربلند کرنے کے لئے آئے ہو اور اس کا اجر پاؤ گے۔یہاں کا مال غنیمت صرف تمہارے ہی واسطے ہے۔تم جس عزم پر استوار ہو گئے اللہ اس میں تمہاری مدد کرے گا اور دونوں جہانوں میں تمہارا نام باقی رہ جائے گا۔

یہ خوب سمجھ لو!میں تمہیں جو دعوت دے رہا ہوں اس کو قبول کرنے والا سب سے پہلا شخص میں ہی ہوں۔مجھے تم جو کچھ کرتے دیکھو اسی کی پیروی کرو۔اگر میں حملہ کروں تم بھی ٹوٹ پڑو۔اگر میں رک جاؤں تم بھی ٹھٹک کر رک جاؤ۔لڑائی کے میدان میں سب مل کر ایک شخص واحد کی ہیئت اختیار کر لو۔جس وقت دونوں فوجیں ٹکرائیں گی

اس وقت میں خاص طور پر اس سرکش (راڈرک) کی طرف رخ کروں گا۔ اگر میں اس سرکش کا کام تمام کرنے کے بعد مارا جاؤں تو میں تمہارے کام کو پورا کر جاؤں گا۔ تم بہادر اور عقل مند ہو، اس کے بعد تم اپنے کاموں کو خود سنبھال سکتے ہو اور اگر میں اس تک پہنچنے سے پہلے ہی مارا جاؤں تو تم میرے اس عزم کو پورا کر لینا، اس پر حملہ آور ہو کر اس کا کام تمام کرنا اور اس جزیرہ کی فتح کو مکمل کر لینا کیونکہ اس کے قتل کے بعد ان کی ہمتیں ٹوٹ جائیں گی۔ اگر میں مارا جاؤں تو غمگین نہ ہونا۔ رنج وملال نہ کرنا اور نہ آپس میں جھگڑ کر ایک دوسرے سے لڑنے لگنا۔ ورنہ تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی اور دشمنوں کے لیے تم پیٹھ پھیر دو گے اور قتل وگرفتار ہو کر برباد ہو جاؤ گے۔ خبردار! پستی کو قبول نہ کر لینا اور اپنے آپ کو دشمنوں کے حوالہ نہ کر دینا۔ تمہارے لیے مشقت وجفاکشی کے ذریعہ شرف وعزت، راحت وآرام اور حصول شہادت کے ذریعہ ثواب آخرت مقدر کیا گیا ہے۔ ان سعادتوں کے حاصل کرنے کے لیے آگے بڑھو۔ اگر تم نے یہ کر لیا تو اللہ کا فضل واحسان تمہارے ساتھ ہے۔ وہ تمہیں آئندہ ہونے والے گھاٹے سے اور کل کو اپنے جاننے والے مسلمانوں کے درمیان برے لفظوں سے یاد کیے جانے سے بچائے گا۔ پس اب میں حملہ آور ہوں گا اور اس پر چھا جاؤں گا۔ میرے حملہ آور ہوتے ہی بہادرو! تم بھی جھپٹ پڑنا۔"

اس پرجوش تقریر سے فوج کے دل عزم، ہمت، جوش وخروش اور فتح وظفر کی امیدوں سے بھر گئے۔ ان میں سے بعض نوجوان آگے بڑھے اور انہوں نے اپنی جوابی تقریر میں اپنے عزم واطاعت کا اظہار ان لفظوں میں کیا:

"اگر اب سے پہلے ہمارے دلوں میں کوئی بات اس کے برخلاف تھی جس کا آپ نے عزم فرمایا ہے تو اب ہم نے اس کو اپنے دلوں سے دور کر دیا۔ اب آپ قدم اٹھائیں ہم آپ کے ساتھ اور آپ کے تابع فرمان ہیں۔"

اس تقریر کے بعد اسی جوش وخروش میں جمیع لشکر ساری رات جاگتا رہا۔ جب صبح کا سپیدہ نمودار ہوا تو جنگ کا طبل بجایا گیا۔ یہ 27 رمضان المبارک 92 ہجری بمطابق 19 جولائی 711ء کی یادگار تاریخی صبح تھی۔

راڈرک نے میدان جنگ میں فوج کی صفیں درست کیں۔ وہ فوج کے اندرونی

حالات سے بے خبر تھا۔ اس نے میمنہ ومیسرہ پر ان ہی گاتھ شہزادوں کو رکھا اور قلب کی فوج کی کمان خود اپنے ہاتھ میں لی۔ وہ خود بڑی شان وشوکت سے قلب فوج میں دو گھوڑوں کے تخت رواں پر سوار موتی، یاقوت اور زبرجد سے مرصع چتر شاہی کے زیر سایہ قیمتی لعل وجواہر سے مزین لباس میں ملبوس تھا۔ جلو میں مسلح پاسبان اور زرق برس لباسوں اور ذخیرہ کن ہتھیاروں سے آراستہ جاگیردار اور امراء صف آراء تھے۔

ادھر طارق اپنے ہمراہیوں کے ساتھ آگے آگے تھا۔ اسلامی لشکر زرہیں پہنے، سفید عمامے باندھے، ہاتھوں میں عربی کمانیں لیے، کمروں میں تلواریں لٹکائے اور بغلوں میں نیزے دبائے نظر آیا۔ کہا جاتا ہے کہ راڈرک اسلامی لشکر کو اس ہیئت میں دیکھتے ہی پکار اٹھا:

"قسم ہے! یہ تو وہی صورتیں ہیں جن کو ہم اپنے شہر کے بیت الحکمۃ میں دیکھ چکے ہیں۔!"

حملہ کی ابتدا اندلسی لشکر کی طرف سے ہوئی۔ مسلمان بھی مقابلہ کے لیے آگے بڑھے اور جلد ہی گھمسان کی لڑائی شروع ہوئی۔ دونوں فوجوں کی مادی وروحانی حیثیتوں میں بڑا فرق تھا۔ ایک طرف ایک لاکھ انسانوں کا جنگل تھا جو ہر طرح کے اسلحہ سے آراستہ تھے۔ ملک کے نامور سے نامور قائد وجاگیردار اپنی اپنی فوجوں کے سرخیل بن کر میدان میں آئے۔ شاہی نظم کے مطابق سامان رسد کا وافر ذخیرہ فوج کے ساتھ تھا اور لڑائی میں ہر قسم کی آسانی پیدا کرنے والے ذرائع مہیا تھے۔ شہنشاہ خود فوج کی کمان سنبھالے میدان جنگ میں موجود تھا لیکن ایک لاکھ کی اس فوج کے دائیں بائیں دونوں بازوؤں نے دشمنوں سے عہد وپیمان کر لیے تھے۔ دوسرے امراء اور جاگیرداروں کا بھی ایک بڑا طبقہ اپنے بادشاہ سے خوش نہ تھا اور جو عام کسان فوج میں آئے تھے وہ بھی بددل تھے۔ پھر اندلس کا شہنشاہ غاصب سلطنت تھا۔ سلطنت کے حقیقی وارث اور دعویدار فوج میں میمنہ اور میسرہ کے کمانڈر تھے اور یہ سمجھ کر یہ حملہ آور مال غنیمت لے کر واپس جائیں یا رہیں، ان کی سرسبز وشاداب جاگیروں سے ان کو محروم نہیں کریں گے، وہ حملہ آوروں سے عہد وپیمان کر چکے تھے۔ اس لیے اگرچہ فوج کی تعداد زیادہ تھی مگر وہ اپنی اندرونی اخلاقی وروحانی طاقت سے تہی دامن ہو چکی تھی۔

دوسری طرف صرف بارہ ہزار پردیسی تھے، جو نہ اچھا اور قیمتی اسلحہ رکھتے تھے، نہ ان کے پاس سواری کے لیے زیادہ گھوڑے تھے۔ انہیں انہی دشمنوں سے چھین کر اپنے لیے دوسرے وقت کی خوراک مہیا کرنی تھی۔ مقام اجنبی اور راستے نامعلوم تھے۔ وہ فیصلہ کن جنگ کے عزم کے ساتھ اپنی کشتیاں تک جلا چکے تھے۔ اب انہیں انسانوں کے اسی جنگل کو کاٹ کر اپنا راستہ بنانا تھا۔ اس لیے وہ ہمت واستقلال سے اس عزم کے ساتھ آہنی دیوار بن کر اس میدان میں کھڑے تھے کہ یا تو اس جزیرہ کے مالک بن کر رہیں گے یا ان میں ہر فرد جام شہادت نوش کر کے اسی زمین کی خاک پر ہمیشہ کے لئے سو رہے گا۔

اس لیے جب گھمسان کی لڑائی شروع ہوئی تو یہ بارہ ہزار سربکف مجاہدین ایک لاکھ کی ٹڈی دل فوج پر بھاری ہوئے۔ عیسائی لشکر کے دائیں بائیں بازو پر زور کا حملہ ہوا اور کمان دار شہزادے پسپا ہونے شروع ہوئے یہاں تک کہ دونوں بازو کمزور ہو گئے اور پھر گاتھ شہزادے اپنے گھوڑے بڑھاتے ہوئے طارق بن زیاد سے آملے۔ ان شہزادوں کا علیحدہ ہونا تھا کہ میمنہ ومیسرہ کے سپاہ کے پاؤں اکھڑ گئے اور پھر ان کے پیچھے کے سپاہیوں نے اگلی صفوں کو خالی اور اپنے سرداروں کو موجود نہ پا کر لڑنے سے انکار کر دیا۔

مگر راڈرک پر اس کا کوئی اثر نہ ہوا۔ وہ ثابت قدمی سے فوج کو قلب میں لیے مقابلہ کرتا رہا۔ لڑائی 27 رمضان سے 5 شوال تک جاری رہی۔ اس جنگ کا فیصلہ طارق کی فیصلہ کن تلوار ہی سے ہوا۔ وہ اپنا گھوڑا بڑھائے قلب کی فوج میں گھس پڑا۔ مجاہدین نے اس کے نقش قدم کی پیروی کی۔ اس حملہ سے قلب کے لشکر میں ابتری پھیل گئی اور راڈرک کے سامنے کی مسلح گارڈ نے جگہ خالی کر دی۔ اب راڈرک کا تخت رواں مسلمانوں کے سامنے تھا۔ طارق راڈرک کو دیکھتے ہی للکار کر اس کی طرف یہ کہتا ہوا جھپٹا کہ عیسائیوں کا بادشاہ یہی ہے۔ طارق تخت رواں تک پہنچا تھا کہ راڈرک اس تیزی سے فرار ہوا کہ مسلمان تعاقب کرنے کے باوجود اس کو نہ پا سکے۔ کچھ دور آگے جا کر دریا کے کنارے اس کا سفید گھوڑا جس پر یاقوت و زبرجد سے مرصع ساز کسا ہوا تھا دلدل میں پھنسا ہوا ملا۔ وہیں پر اس کے ایک پاؤں کا سنہرا موزہ بھی پڑا ہوا تھا جس

میں زبرجد، یاقوت اور موتی ٹکے ہوئے تھے۔ نیز ایک زرتار حلہ جو بیش قیمت جواہرات سے مرصع تھا اسی کے پاس گرا ہوا تھا۔ راڈرک کے آخری انجام کے ذکر سے تاریخ کے صفحات خاموش ہیں۔ دریا کے کنارے کی ان نشانیوں سے سمجھا جاتا ہے کہ وہ دلدل میں گھوڑے کے پھنس جانے کی وجہ سے اس پر سے اتر کر دریا میں کود پڑا اور گوڈالیٹ کی لہروں نے اس کو اپنی آغوش میں چھپا لیا۔

راڈرک کے فرار ہوتے ہی لڑائی کا میدان خالی ہو گیا۔ مقتولین کی لاشیں میدان میں پڑی تھیں۔ تین ہزار مسلمان شہید ہوئے تھے۔ عیسائی مقتولین کی تعداد بے شمار تھی۔ ان میں امراء، متوسط حال اور غلام تینوں طبقوں کے لوگ تھے جو سونے، چاندی اور تانبے کی انگوٹھیوں سے پہچانے جا سکتے تھے۔ طارق بن زیاد نے میدان سے مال غنیمت جمع کرایا۔ کچھ قیدی بھی ہاتھ آئے تھے۔ مال غنیمت اور قیدیوں کو مجاہدین میں تقسیم کر دیا گیا۔ باقی ماندہ عیسائی فرار ہو کر مختلف شہروں اور قلعوں میں پناہ گزین ہو گئے۔ اسلامی فتح کی خبر بجلی کی مانند سارے اُندلس میں پھیل گئی۔ اب اُندلس کا تخت خالی ہو چکا تھا۔ ان میں سے ایک گورنر تھیوڈومر کو زیادہ امتیاز حاصل تھا۔ اس نے جاں فشانی سے جزیرہ کے عیسائیوں کی تنظیم کی باگ ہاتھ میں لی اور اندلس کو اپنے زیر علم لانے کی کوشش کی۔ اس طرح مسلمانوں کو ایک ایک شہر اور قلعہ کو علیحدہ علیحدہ فتح کرنا تھا۔ اس لیے ان کو سلطنت اندلس کا شیرازہ بکھر جانے کے باوجود اندلس کے چپہ چپہ کے لیے لڑنا اور ہر شہر کی محافظ فوج اور عیسائی باشندوں کو زیر کرنا تھا۔

ادھر افریقہ میں اسلامی فتح اور مال غنیمت کی فراوانی کی داستانیں پہنچیں اور لوگ شوق وذوق سے جوق در جوق افریقہ سے آ آ کر طارق بن زیاد کی فوج میں شریک ہوتے گئے۔ اب مسلمانوں کے حوصلے بہت بڑھ گئے تھے۔ وہ میدان گوڈالیٹ کی جنگ میں فتح یاب ہو کر پورے جزیرہ نمائے اُندلس کو زیر نگین کرنے کا دروازہ کھول چکے تھے۔

اس کے بعد طارق بن زیاد نے اُندلس کے جنوب مغربی علاقہ کا رخ کیا۔ ان اطراف میں گاتھ شہزادوں کے ہمدردوں کی تعداد زیادہ تھی۔ مسلمانوں کو کامیابی میں آسانی حاصل ہوئی۔ چنانچہ طارق بن زیاد سب سے پہلے صوبہ قادس کے مشہور شہر شذونہ (

Sidonia) کی شہر پناہ کے نیچے پہنچے۔ اہل شہر محصور ہو گئے اور چند دنوں کے محاصرہ کے بعد انہوں نے اطاعت قبول کی۔

اس کے بعد مسلمان شہر قرطبہ سے مغرب میں ایک شہر حصن المدور (Almadovar) کی طرف چلے گئے۔ وہ بھی قبضہ میں آیا۔ پھر صوبہ اشبیلیہ کی طرف مڑ گئے۔ اشبیلیہ سے پچیس میل مشرق میں شہر قرمونہ (Carmaona) آباد تھا، وہ بھی زیر نگین ہوا۔ اب مسلمان اندلس کے تاریخی شہر اشبیلیہ کی دیواروں کے نیچے پہنچ گئے۔ شہر والوں نے خاموشی کے ساتھ جزیہ ادا کرنا منظور کر لیا۔ پھر معلوم ہوا کہ راڈرک کی فوج کے کچھ شکست خوردہ سپاہی استجہ (Ecija) میں جمع ہوئے ہیں۔ یہ شہر بھی صوبہ اشبیلیہ ہی میں واقع ہے۔ طارق بن زیاد نے اس شہر کا رخ کیا۔ ان لوگوں نے شہر والوں سے مل کر مسلمانوں کا سخت مقابلہ کیا۔ گوڈالیٹ کے میدان کے بعد ابتدائی فتوحات کے سلسلہ میں اس سے بڑی کوئی لڑائی نہیں ہوئی۔ بہت سے مسلمان شہید ہوئے، طارق بن زیاد شہر کا محاصرہ کیے رہا۔ اتفاق کی بات شہر والوں میں سے ایک شخص کسی ضرورت سے دریائے شنیل (The Xenil) کے کنارے آیا۔ استجہ اس دریا کے بائیں کنارے آباد ہے۔ طارق بن زیاد کی نظر اس پر پڑی۔ وہ دریا میں اتر چکا تھا۔ طارق بن زیاد نے جست مار کر پانی ہی میں اس کو دبوچ لیا اور دریا سے نکال کر چھاؤنی میں لایا۔ شکل وشباہت سے وہ معززین میں سے معلوم ہوا۔ طارق نے کرید کرید کر حالات پوچھے تو معلوم ہوا وہی شہر کا والی ہے۔ طارق نے اس سے اپنے حسب منشا شرطیں قبول کرائیں۔ جزیہ کی رقم مقرر ہوئی اور شہر کے دروازے کھل گئے۔ یہ والی جب تک زندہ رہا ان شرطوں کا پابند رہا۔

استجہ میں شیریں پانی کی قلت تھی۔ طارق بن زیاد نے شہر میں پانی پہنچانے کا انتظام کیا۔ استجہ سے چار میل کے فاصلہ پر ایک دریا بہتا تھا اس سے نہر نکال کر شہر میں لایا۔ وہ نہر عین الطارق کے نام سے موسوم ہوئی۔

استجہ کی شکست کے بعد اندلسی امراء اور عوام اپنے مستقبل کی امیدوں سے مایوس ہوئے اور ان میں اس قدر خوف و ہراس پیدا ہوا کہ عوام میدانی علاقوں کی آبادیوں کو چھوڑ چھوڑ کر پہاڑی علاقوں میں چلے گئے اور امراء اپنے قیمتی ذخیروں کو لے کر طلیطلہ

میں جا کر پناہ گزیں ہوئے کہ اس کی مضبوط شہر پناہ شاید ان کے مال و دولت کی حفاظت کر سکے۔

ادھر کاؤنٹ جولین طارق بن زیاد کو اپنے مفید مشورے دے رہا تھا۔ استجہ کی فتح کے بعد اس نے مشورہ دیا کہ اس وقت اندلسیوں پر رعب چھایا ہوا ہے اس لیے ان کے لیے کسی بڑی فوج کی ضرورت نہیں۔ فوج کے چھوٹے چھوٹے دستے مختلف صوبوں میں پھیلا دیئے جائیں۔ وہ لائق اعتماد رہنما ان دستوں کے ساتھ کر دے گا جو راہ کی دشواریوں کو آسان کریں گے اور مختلف مقاموں کے متعلق ضروری معلومات دیتے رہیں گے۔ خود طارق فوج لے کر دار السلطنت طلیطلہ پر حملہ آور ہوتا کہ اس سے پہلے کہ اندلسی آپس میں مل کر کسی کو راڈرک کا جانشین منتخب کریں اور ان میں کوئی شیرازہ بندی پیدا ہو انہیں اسی انتشار کی حالت میں زیر نگیں کر لیا جائے اور مختلف صوبوں کے اہم مرکزوں اور دار السلطنت پر قبضہ کر لیا جائے۔

طارق نے کاؤنٹ جولین کی اس تجویز کو پسند کیا۔ چنانچہ اس نے ایک طرف ان فتوحات کی تفصیلات موسیٰ بن نصیر کے پاس لکھ بھیجیں اور دوسری طرف عملی قدم اٹھانے کے لیے استجہ کو صدر مقام قرار دیا۔ یہاں سے فوج کے چھوٹے چھوٹے دستے تیار کر کے مختلف اہم شہروں قرطبہ، غرناطہ، مالقہ، تدمیر کی طرف بھیجے اور خود فوج لے کر دار السلطنت طلیطلہ روانہ ہو گیا۔

اس اثناء میں موسیٰ بن نصیر والی افریقہ کا جواب آیا۔ انہوں نے طارق بن زیاد کی تجویز سے اتفاق نہیں کیا تھا۔ انہوں نے پیش قدمی جاری رکھنے سے باز رہنے اور اپنی جگہ سے آگے نہ بڑھنے کی ہدایت لکھ بھیجی کہ وہ امدادی لشکر لے کر خود اندلس پہنچیں گے۔ حالات کا جائزہ لیں گے اور اس وقت اگر مناسب ہوا تو پیش قدمی شروع کی جائے گی۔ مگر طارق بن زیاد اندلس کے موجودہ حالات سے اس قدر مطمئن تھا کہ والی افریقہ کے اس حکم پر عمل کرنے کے لئے تیار نہیں ہوا کہ جب وہ آئے گا اس کو صورت حال سمجھا دی جائے گی۔ چنانچہ اس نے اپنی پیش قدمی جاری رکھی اور فتوحات کا دائرہ وسیع ہوتا گیا۔ مگر طارق کی یہ حکم عدولی موسیٰ کو سخت ناگوار گزری اور جوش انتقام میں اس نے آگے چل کر طارق کی سیاسی زندگی کا خاتمہ کر دیا۔

قرطبہ اُندلس کے اہم شہروں میں سے تھا۔ راڈرک نے یہیں بیٹھ کر مسلمانوں سے مقابلہ کی تیاریاں کی تھیں۔ خلیفہ ولید بن عبدالملک کے ایک تجربہ کار غلام مغیث کی سرکردگی میں سات سو سواروں کا ایک دستہ اس کی فتح کے لیے بھیجا گیا۔ مغیث دریائے شقندہ کے کنارے ترائی کی جھاڑیوں میں چھپ گیا اور جاسوسوں کو تحقیقات کے لیے شہر کی طرف بھیجا۔ وہ ایک چرواہے کو پکڑ لائے۔ اس سے معلوم ہوا کہ قرطبہ کے امراء اور رؤساء شہر کو چھوڑ کر طلیطلہ چلے گئے ہیں۔ شہر کا والی صرف چار سو سپاہیوں اور تھوڑے سے معمولی شہریوں کے ساتھ شہر کی حفاظت کے لیے رہ گیا ہے اور یہ کہ شہر کی فصیل بڑی مستحکم، سنگین اور خاصی بلند ہے لیکن یہ بھی معلوم ہوا کہ ایک مقام پر جہاں انجیر کا درخت لگا ہوا ہے ایک روزن موجود ہے، اس سے اس موقع پر فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔

یہ معلومات بڑی مفید ثابت ہوئیں۔ مسلمان رات کی تاریکی میں اسی چرواہے کی رہنمائی میں قرطبہ کی طرف بڑھے۔ اتفاق سے بارش ہو گئی۔ زمین نرم تھی۔ گھوڑوں کی ٹاپ کی آواز سنائی نہ دی۔ خاموشی سے دریائے قرطبہ کو عبور کر لیا۔ فصیل کی دیوار ساحل سے تقریباً تیس گز کے فاصلے پر تھی۔ پہلے فصیل پر چڑھنے کی ناکام کوشش کی گئی۔ پھر اس روزن کا پتہ چلا۔ انجیر کے درخت کی شاخیں دیوار پر لٹک رہی تھیں۔ ایک آدمی اس درخت کے سہارے دیوار پر چڑھ گیا۔ پھر پگڑیوں کی کمند بنا کر چند سپاہیوں کو اوپر کھینچ لیا۔ پھر اسی تدبیر سے فصیل کے اس پار اترے۔ فصیل کے پاسبان بے خبر سو رہے تھے۔ انہیں قتل کر کے پھاٹک کھول دیا۔ مغیث پھاٹک کے سامنے فوج لیے منتظر کھڑا تھا۔ پھاٹک کھلتے ہی اسلامی لشکر ریلا بن کے اندر گھس گیا اور شاہی محل کا رخ کیا۔ وہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ وہ سنسان پڑا ہے۔ حاکم شہر چار سو سپاہیوں کے ساتھ قلعہ ''کلیسا سینٹ جارج'' میں جو شہر کے مغربی حصہ میں ایک باغ میں واقع تھا، محصور ہو گیا ہے۔ اس کلیسا کے اندر قریب کی ایک پہاڑی سے زمین دوز راستہ سے پانی آتا تھا۔ تین مہینے محاصرہ میں گزر گئے اور کامیابی کی کوئی صورت نظر نہیں آئی۔

مغیث کے جاسوس جا بجا لگے ہوئے تھے۔ ان میں سے ایک حبشی غلام رباح اپنی حماقت سے کلیسا کے باغ کے ایک درخت پر چڑھ کر پھل توڑ کر کھانے لگا۔ اس پر

ایک اہل کلیسا کی نظر پڑ گئی اور اس کو پکڑ کر قلعہ میں لے گئے۔ کہا جاتا ہے کہ اہل کلیسا نے اس سے پہلے کسی حبشی کو نہیں دیکھا تھا۔ اس کے جسم کی سیاہی کو دھونے کے لیے اس چشمہ پر لے آئے جس میں پانی آ کر جمع ہوتا تھا۔ اس طرح رباح نے پانی کے اس ذخیرہ اور اس کے راستہ کو دیکھ لیا۔ جب لوگوں کو اس کے جسم کی سیاہی کے قدرتی ہونے کا یقین آیا تو کلیسا میں لے جا کر اس کو قید کر دیا مگر وہ اتفاق سے کسی طرح قید سے نکل بھاگا اور ساتویں دن مغیث کے پاس آ کر کلیسا اور اس کے چشمہ کے چشم دید حالات بیان کیے۔

یہ واقعہ خواہ صحیح ہو یا نہ ہو بہرحال کسی نہ کسی ذریعہ سے مغیث کو کلیسا کے اندر پانی پہنچنے کا سراغ مل گیا۔ چنانچہ اس نے فوراً ہی اس زمین دوز نہر کے راستہ کو روک دیا۔ پانی کا بند ہونا تھا کہ کلیسا کے محصورین کو اپنی بربادی کا یقین آ گیا۔ مغیث نے اسلام یا جزیہ قبول کرنے کی شرط پیش کی مگر کلیسا والے راسخ العقیدہ غیور عیسائی تھے، انہوں نے ان میں سے کسی بھی دعوت کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ اس گفتگو کی ناکامی کے بعد حاکم شہر کے پائے استقلال میں لغزش پیدا ہو گئی اور وہ ایک شب کلیسا سے تنہا نکل بھاگا۔ مغیث کو اطلاع ہو گئی۔ اس نے بھی تعاقب میں اپنا گھوڑا سرپٹ ڈال دیا۔ مقام تطلیرہ کے قریب حاکم شہر گھوڑے پر نظر آیا۔ دونوں بے تحاشہ گھوڑے دوڑا رہے تھے۔ اتفاق سے حاکم شہر کا گھوڑا ایک تالاب پھاندنے میں ٹھوکر کھا کر گرا اور اس کی گردن کی ہڈی ٹوٹ گئی۔ مفرور پریشانی کے عالم میں اپنی ڈھال پر بیٹھ گیا۔ مغیث بجلی کی طرح کوندتا سر پر آ گیا اور آتے ہی ہتھیار چھین کر گرفتار کر لیا لیکن حاکم شہر کے گرفتار ہو جانے کے بعد کلیسا والے ہمت نہ ہارے اگرچہ ان کی جان پر بن گئی۔ بالآخر مغیث نے ان کو زیر کرنے کی سخت سے سخت تدبیر اختیار کی یعنی کلیسا کے گرد آگ جلوا دی جس سے مجبور ہو کر انہیں اطاعت قبول کرنی پڑی۔

مغیث نے اس قلعہ کے سر ہونے کے بعد طارق کو فتح کی خوشخبری بھیجی اور اپنے ساتھ کے سواروں کو اس شہر میں بسا دیا۔ نیز صوبہ قرطبہ کے یہودیوں کو یہاں آ کر آباد ہونے کی دعوت دی۔ اس جزیرہ نما میں یہودیوں اور عیسائی کے درمیان دیرینہ کشمکش قائم تھی۔ وہ اس موقع پر اپنا انتقام لینے کے لیے مسلمان فاتحین کے بڑے جانثار اور

وفادار دوست ثابت ہوئے اور بڑی تعداد میں آکر یہاں آباد ہوگئے۔ مغیث نے اپنا قیام قرطبہ کے شاہی محل میں رکھا اور اسی وقت سے قرطبہ اُندلس کے ممتاز اسلامی شہروں میں شمار کیا جانے لگا۔ قرطبہ پر مسلمانوں کا حملہ ماہ شوال 92 ہجری بمطابق ماہ اگست 711ء میں ہوا اور ماہِ محرم 93 ہجری بمطابق ماہ اکتوبر، نومبر 711ء سے یہ اسلامی شہروں میں شمار کیا جانے لگا۔

دوسری طرف شہر مالقہ کو فتح کرنے کے لیے جو دستہ بھیجا تھا وہ بھی کامیاب ہوا۔ مالقہ والے شہر کو چھوڑ کر دشوار گزار پہاڑیوں میں جا چھپے تھے۔ مسلمانوں نے یہاں بھی طرح اقامت ڈالی اور فوج کے ایک حصہ کو آگے بڑھایا جس نے شہر البیرہ کا رخ کیا جہاں آگے چل کر شہر غرناطہ کی بناء پڑی اور اس نے بڑا نام ونمود حاصل کیا۔ اس شہر کے مفتوح ہونے کے بعد شہر ریہ (Alvira Regio) مفتوحہ علاقہ میں شامل ہوا اور آگے بڑھ کر اسلامی لشکر مقام اریولہ میں اترا۔ اس سلسلہ مہم میں اس سمت میں اسلامی دستوں کی آخری منزل یہی تھی کیونکہ یہیں پہنچ کر اس علاقہ کے عیسائی حاکم تھیوڈومر سے صلح کے سلسلہ میں بات چیت ہوئی۔

تھیوڈومر راڈرک کے زمانہ میں صوبہ اُندلس کا والی تھا۔ مسلمانوں کے استیلا پانے کے بعد صوبہ مرسیہ میں شکست کھانے کے بعد وہ اریولہ میں آکر پناہ گزین ہوگیا تھا۔ جب اسلامی لشکر نے اس شہر کا محاصرہ کیا تو تھیوڈومر نے جم کر مقابلہ کیا۔ مگر اس کے بہت سے سپاہی کام آچکے تھے اور لڑنے والوں کی تعداد اس کے پاس زیادہ باقی نہیں رہ گئی تھی لیکن اس نے مسلمانوں کو مرعوب کرنے کے لئے عورتوں کو سپاہیانہ لباس پہنا کر اور اسلحہ سے آراستہ کرکے فصیل کی دیوار پر کھڑا کردیا۔ دور سے عورتوں اور مردوں میں تمیز کرنا مشکل تھا اور ان عورتوں کے آگے بچے کھچے سپاہیوں کو ہتھیاروں سے آراستہ کرکے کھڑا کیا تھا۔ پھر صلح کا جھنڈا لہراتا ہوا خود اسلامی لشکر کے کیمپ میں چلا آیا۔ مسلمانوں کو دور سے فوج کی تعداد زیادہ نظر آئی۔ وہ فریب میں آگئے اور آسان شرطوں پر صلح کے لیے تیار ہوگئے۔ تھیوڈومر نے صلح کے بعد اپنا تعارف کرایا۔ پھر جب مسلمان شہر میں داخل ہوئے اور شہر میں عورتوں، بچوں کی بڑی تعداد اور محض تھوڑے سے سپاہیوں کو دیکھا تو اس وقت انہیں تھوڈومر کے فریب جنگ کا اندازہ ہوا اور وہ

آسان شرطیں قبول کرلینے پر کف افسوس ملنے لگے لیکن صلح کی جو شرائط قرار پاچکی تھیں ان پر قائم رہے۔ یہ علاقہ تھیوڈومر کے قبضہ اختیار میں باقی رکھا گیا اور طارق بن زیاد نے بھی اس کو صوبہ مرسیہ کا حاکم تسلیم کرلیا۔ یہ پورا علاقہ آگے چل کر تھیوڈومر کے نام پر ''تدمیر'' سے موسوم ہوا۔

طلیطلہ شاہان گاتھ کا پایہ تخت تھا۔ طارق بن زیاد کاونٹ جولین کے مشورہ سے خود اپنی سرکردگی میں فوج لے کر یہاں پہنچا۔ مگر اس کے پہنچنے سے پہلے ہی اندلس کے امراء اور عام باشندے اس شہر کو بھی خالی کرکے کوہ طلیطلہ کی پشت پر دوسری آبادیوں میں منتقل ہوگئے تھے اور طلیطلہ کا مطران یعنی کلیسا کا اسقف اعظم ملک چھوڑ کر روما چلا گیا تھا۔ جس قدر نوادر وخزائن لے جاسکتے تھے وہ لے جاچکے تھے اس لیے طارق کے لئے طلیطلہ کا دروازہ کھلا ہوا تھا اور وہ بلاکشت وخون اس تاریخی شہر میں داخل ہوگیا۔ طلیطلہ کے قیمتی ذخائر اگرچہ یہاں سے ہٹائے یا چھپائے جاچکے تھے پھر بھی طارق کو یہاں دولت وثروت کا اتنا بڑا انبار ہاتھ آیا جو کہ اس سے پہلے اس ملک میں دیکھا نہیں گیا تھا۔ اسی میں شاہان اندلس کے چوبیس زرنگار تاج بھی ایک کلیسا میں محفوظ دستیاب ہوئے۔ شاہان اندلس کا دستور تھا کہ وہ اپنے دورِ حکومت میں اپنا قیمتی تاج کلیسا میں نذر چڑھاتے تھے۔ اس میں ان کا نام، عمر، تاریخ تخت نشینی اور پھر بعد میں وفات کی تاریخ لکھ دی جاتی تھی۔

اسی طرح بڑی تعداد میں قسم قسم کے نقرئی وطلائی اور لعل وجواہر کے ظروف ہاتھ آئے۔ طارق بن زیاد نے مسلمانوں کو یہاں آباد کیا، ان کے ساتھ ان کے حلیف یہود بھی بسائے گئے اور قوطی شہزادہ اوپاس کو طلیطلہ کا حاکم بنادیا۔

شاہان اسپین کے تاجوں کے متعلق مولوی عنایت اللہ صاحب نے اندلس کے تاریخی جغرافیہ میں بعض نئی معلومات کو یکجا کردیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''اسی شہر طلیطلہ کی ایک وسیع عمارت میں جو غالباً کلیسا سے متعلق ہوگی طارق بن زیاد کو ایک سو ستر تاج طلیطلہ کے بادشاہوں کے ملے تھے۔ اسی غایت سے عربی مورخوں نے اس عمارت کا نام بیت الملوک بیان کیا ہے۔''

ڈون پاسکل نے اپنے ترجمہ نفح الطیب کے ضمیمہ میں کتاب الامامہ والسیاسہ کی ایک

عبارت کا ترجمہ کیا ہے۔ جس میں قوطی بادشاہوں کے تاجوں کا ذکر ہے۔ برنرڈ اور ایلن ویشا اپنی کتاب ''عربک اسپین'' صفحہ 387 تا 389 میں لکھتے ہیں:

'' 1851ء سے پہلے قوطی بادشاہوں کے تاجوں کے متعلق یہ بیان یورپ والوں کو عربوں کی ایک گڑھت معلوم ہوتی تھی لیکن جب صوبہ طلیطلہ کے ایک چھوٹے سے شہر کے قریب ایک مقام سے چند تاج اور کلیسائی اشیاء برآمد ہوئیں تو یقین ہو گیا کہ عربوں نے ان بادشاہی تاجوں کے حال میں سچ کے سوا جو کچھ لکھا ہے وہ بہت قلیل ہے۔ 1858ء میں صوبہ طلیطلہ کے ایک چھوٹے شہر گوادامور کے قریب ایک ندی گوارازر میں سخت طغیانی آئی۔ پانی اتر گیا تو اس ندی کے کنارے ایک پرانے قوطی گرجا کے کھنڈر میں ایک جگہ مٹی میں کچھ چیزیں چمکتی نظر آئیں۔ سب سے پہلے ایک غریب کسان کی بیوی کی نظر ان پر پڑی۔ اس نے اور اس کے خاوند نے ان قیمتی چیزوں کو وہاں سے نکال لیا۔ ان کو کیا معلوم کہ یہ خزانہ وہ ہے جو بارہ سو برس سے زمین میں دبا پڑا تھا۔ مدرسہ کے معلم نے ان میں سے ایک چیز کسان یا اس کی بیوی کے ہاتھ دیکھ لی۔ اس نے حکام کو اطلاع کی اور جو چیزیں سنار کی بھٹی کے حوالہ نہیں ہوئی تھیں وہ بچ گئیں۔ اگر یہ اتفاق پیش نہ آتا تو ساتویں صدی عیسوی کے کلیسائی زیورات کے ایک پورے مجموعے سے دنیا محروم ہو جاتی۔

یہ تمام قیمتی اشیاء آج کل مجریط (Madria) اور کلونی (Cluny) کے عجائب خانوں میں رکھی ہیں۔ ان تاجوں پر ایک قوطی بادشاہ کے نام جواہرات کے جڑاؤ سے لکھے ہوئے تھے۔ ان تاجوں کے ساتھ صلیب بھی تھی جس پر نام کندہ تھا۔ ان کے علاوہ اور کلیسائی اشیاء تھیں جن پر ان کے ہدیہ کرنے والوں کے نام مٹ گئے تھے۔ تھیوڈوسیس کے سونے کے تاج پر ایک عبارت اس مضمون کی کندہ تھی:

''استیفانو تھیوڈوسیس آیا یہ نذرانہ پیش کرتا ہے۔''

بادشاہوں کے تاجوں پر صرف ان کے نام اور ''پیش کش شاہی'' کے الفاظ نقش تھے۔ اس سے ظاہر ہے کہ عربی مورخین کا یہ بیان کہ نذرانے کے تاجوں پر قوطی بادشاہوں کے نام کندہ تھے بالکل درست ہے اور اس پر کچھ تعجب نہ کرنا چاہیے کہ عرب جو لاطینی زبان نہ جانتے تھے انہوں نے ایسی کندہ عبارتوں کی طرف نسبتاً جو کسی قدر بڑی تھیں

یہ سمجھا کہ جس شخص کا تاج ہے اس پر نام کے علاوہ اس کے خاندانی حالات بھی درج ہیں۔ یہ ضرور ہے کہ یہ تاج وہ نہ تھے جو قوطی بادشاہ اپنی زندگی میں پہنتے تھے۔ بلکہ یہ تاج وہ تھے جن کو بادشاہ اپنے زمانہ حکومت ہی میں کلیسا کو پیش کرتے تھے۔ ہر پابند مذہب قوطی بادشاہ دو تاج بنوایا کرتا تھا۔ ایک وہ خود پہنتا تھا دوسرا کلیسا کو نذر کرتا تھا۔ یہ دستور ایسا تھا جس سے اس امر کی تصریح آسانی سے ہو جاتی ہے کہ اس قسم کی قیمتی چیزیں مسلمانوں کو فتح اندلس کے وقت بہ کثرت کیسے مل سکیں۔

طارق طلیطلہ کو خالی پا کر مفرور عیسائیوں کے تعاقب میں جبال طلیطلہ اور جبال الشارات کو عبور کر کے خود فوج لے کر گیا اور ایک قائد محمد بن الیاس مغیلی کی سرکردگی میں فوج کا ایک دستہ دوسری سمت میں بھیجا تا کہ طلیطلہ کے شاہی خزانہ کو قبضہ میں لایا جائے۔

مغیلی نے ایک شہر وادی الحجارہ (Guada la Gara) کو فتح کیا اور یہاں کے کلیسا میں بیش قیمت طلائی و نقرئی ظروف و زیورات بے شمار تعداد میں حاصل ہوئے۔ مسلمانوں نے اس علاقہ کو وادی الحجارہ (پتھروں والا دریا) سے موسوم کیا۔ شہر میہ جہاں انیسویں صدی میں زمین سے تاج شاہی برآمد ہوئے اسی کے آس پاس آباد تھا۔

دوسری طرف طارق طلیطلہ سے تقریباً پچپن میل سے کچھ آگے مقام قلعۃ النہر کے قریب ایک آبادی میں پہنچا جہاں طلیطلہ کے سب سے زیادہ بیش قیمت خزانے چھپا کر رکھے گئے تھے۔ طارق نے اس شہر پر آسانی سے قبضہ کر لیا اور بے شمار دولت ہاتھ آ گئی جس میں وہ تاریخی مائدہ (کھانے کی میز) بھی تھا جس کو یہود حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرف منسوب کرتے چلے آتے تھے اور ان کے بیان کے مطابق بعض شاہان اُندلس اس کو بیت المقدس کی فتح کے بعد اندلس لائے تھے۔ بعض دوسری روایتوں کے مطابق وہ اندلس کے بادشاہوں ہی میں سے کسی کا بنوایا ہوا تھا۔ یہ تاریخی مائدہ ٹھوس سونے کی میز کی شکل کا تھا۔ یہ مسطح میز تین سو پینسٹھ پایوں پر قائم تھی اور بیش قیمت جواہرات، یاقوت، زبرجد اور موتیوں سے مرصع تھی۔ مسلمان اس میز کی مناسبت سے اس آبادی کو مدینۃ المائدہ (میزوالا شہر) کہنے لگے۔

اس کے بعد طارق نے اسپین کے شمالی علاقہ کا رخ کیا اور صوبہ لیون سے ہو کر استرقہ یا اشقوریہ پر اسلامی علم لہرایا۔ اس کے بعد شمال مغربی گوشہ میں صوبہ جلیقیہ کی سمت بڑھا اور کثیر مال غنیمت ہاتھ آیا۔ شمالی اُندلس کی یہ مہمیں مستقل قبضے کے لیے نہیں بھیجی گئیں بلکہ محض اس لیے گئی تھیں کہ اسپین کے امراء پہلے ہر طرف سے سمٹ کر طلیطلہ میں آ گئے تھے اور جب یہ شہر بھی حملہ آوروں کی زد میں آ گیا تو بہت سے امراء اپنے خزانوں کے ساتھ جلیقیہ چلے گئے تھے۔ اس لیے ان علاقوں میں نہ مسلمانوں کی کوئی آبادی قائم ہوئی اور نہ یہاں ان مہموں کے پائیدار نقوش ثبت ہوئے بلکہ صرف مجاہدین ان علاقوں کو تاخت وتاراج کر کے وافر مال غنیمت سے لدے پھندے طلیطلہ واپس آ گئے۔

اب اُندلس میں مسلمانوں کو آئے ہوئے تقریباً ایک سال گزر چکا تھا۔ اس اثناء میں انہوں نے یہاں جنوبی اور اوسط اُندلس میں اپنا کامل اقتدار جما لیا تھا۔ قادس، اشبیلیہ، مالقہ، طلیطلہ وغیرہ کے اہم صوبے جن میں مختلف مرکزی شہر جزیرہ خضراء، قرطبہ، غرناطہ، تدمیر، مالقہ اور طلیطلہ وغیرہ آباد تھے، اسلامی حدود میں تھے۔ ان صوبوں میں مسلمان اور ان کے ساتھ اسپین کے یہود جو عیسائیوں سے بغض وعناد رکھتے تھے بسائے جا چکے تھے۔ مختلف صوبوں اور شہروں کو جن سرداروں نے فتح کیا تھا وہی وہاں کے امیر تھے اور ان دستوں کے سپاہی وہاں کے عام باشندے بن چکے تھے۔ خود طارق کا مستقر طلیطلہ قرار پا چکا تھا جو اس وقت عملاً مسلمانوں کا دارالحکومت تھا لیکن اُندلس میں اسلامی پیش قدمیوں کو جاری رکھنے کے سلسلہ میں طارق نے موسیٰ کے حکم کی جو نافرمانی کی تھی اس کی وجہ سے آگے چل کر جلد ہی اس کو یہاں کی حکومت سے دست بردار ہونا پڑا اور موسیٰ نے خود یہاں آ کر عنان حکومت ہاتھ میں لے لی۔

گاتھ شہزادے جو اُندلس میں مسلمانوں کے قدم جمانے میں معاون ہوئے تھے ان کا معاملہ ابھی تک معلق تھا۔ یہ تین بھائی تھے۔ عرب مورخین نے ان کے نام المند، رملة یا ورقلہ اور ارطباس لکھے ہیں۔ ہزار جاگیریں ان کی خاص تھیں۔ معاہدہ کے مطابق ان جاگیروں پر انہیں قابض ہونا تھا گو کہ طارق اپنے معاہدہ کا پابند تھا لیکن یہ شرطیں اپنی نوعیت کے اعتبار سے ایسی اہم تھیں کہ ان پر عمل درآمد دربار خلافت کی منظوری

کے بعد ہی کیا جا سکتا تھا اور اس کا اندازہ ان شہزادوں کو بھی ہوا۔ چنانچہ وہ طارق کے پاس آئے اور صفائی سے اس سے پوچھا کہ وہ خود امیر مجاہد ہے یا اس کے اوپر کوئی دوسرا حاکم بھی ہے۔ طارق نے ان کو صورت حال سمجھائی کہ وہ والی افریقہ کے ماتحت ہے اور وہ امیر المومنین کا نائب ہے۔ ان شہزادوں نے موسیٰ کے پاس جا کر اس سے ملنے کی خواہش ظاہر کی۔ طارق نے اس سے اتفاق کیا اور تعارف کا ایک مکتوب ان کو دے دیا جس میں اس معاہدہ اور مسلمانوں کے حق میں ان کی خدمات کی تفصیلات درج تھیں۔

ادھر موسیٰ خود اُندلس آنے کے لئے تیار تھے اور دارالحکومت سے چل کر علاقہ بربر میں مقیم تھے کہ یہ گاتھ شہزادے ان کی خدمت میں پیش ہوئے۔ انہوں نے ایک مفصل مکتوب ان کے حوالہ کیا کہ دربار خلافت دمشق میں حاضر ہوں۔ چنانچہ یہ شہزادے اس مکتوب کو لے کر خلیفہ ولید بن عبدالملک کے دربار میں آئے۔ ولید ان کے ساتھ غیر معمولی اخلاق سے پیش آیا، انہیں شاہانہ اعزاز واکرام سے دربار میں جگہ دی اور کشادہ پیشانی سے ان میں سے ہر ایک کو علیحدہ علیحدہ فرمان دیا جن میں شاہانہ بخششوں کا ذکر تھا اور وہ تمام جاگیریں ان کی ملکیت قرار پائی تھیں جو شاہان اُندلس کی ذاتی جائیدادیں تھیں۔ نیز ان فرمانوں میں ان کی قدیم شاہانہ عظمت کو برقرار رکھنے کا حکم دیا گیا تھا۔ بربر سرداران سے ملنے جائیں تو انہیں کھڑے ہو کر ان کی تعظیم بجالانے کی ضرورت نہ ہوگی۔ دربار سے رخصت ہونے کے وقت انہیں شاہانہ عطایا وتحائف سے سرفراز کیا۔

اس کے بعد یہ شہزادے اُندلس واپس آئے اور اپنی اپنی جاگیروں کا جائزہ لے لیا اور ان کو باہمی رضامندی سے باہم تقسیم کر لیا۔ بڑے شہزادے المند نے مغربی اُندلس کی جاگیریں لیں اس لیے اشبیلیہ میں قیام اختیار کیا۔ منجھلے شہزادے ارطباش کی جاگیریں وسط اُندلس میں واقع تھیں وہ قرطبہ میں رہا۔ چھوٹے شہزادے رقلہ یا رملہ کی جاگیریں شرقی اُندلس میں تھیں۔ اس نے طلیطلہ کو اپنے قیام کے لئے پسند کیا۔ اس طرح یہ تینوں شہزادے اُندلس کے مختلف تین حصوں میں اعزاز وامن وعافیت کی زندگی بسر کرنے لگے۔ ان کی عزت ومنزلت میں کبھی کمی نہیں آئی۔ یہ اُندلس کے معزز

ومرفہ الحال شرفاء میں شمار کیے جاتے رہے۔ عرب مؤرخین نے ان شہزادوں کے حالات تفصیل سے لکھے ہیں جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ لوگ اُندلس کے حکمرانوں کی نگاہوں میں غیر معمولی عزت رکھتے تھے۔

المنذ کا انتقال خلیفہ ہشام بن عبدالملک کے زمانہ حکومت میں ہوا۔ اس کے دو خوردسال لڑکے مطرو بل، ارطباس اور ایک لڑکی سارہ معروفہ بہ قوطیہ اس کے وارث تھے۔ ان کی نابالغی سے فائدہ اٹھا کر ان کے منجھلے چچا ارطباس نے ان کی جاگیروں پر قبضہ کرنا چاہا۔ سارہ اپنے بہن بھائیوں میں سب سے بڑی اور ہوشمند تھی۔ اس نے ان کی فریاد کے لیے براہ راست دارالحکومت کو منتخب کیا۔ چنانچہ اپنے دونوں بھائیوں کو ساتھ لے کر ایک جہاز پر اُندلس سے روانہ ہوئی۔ عسقلان میں جہاز سے اتری اور دمشق پہنچی۔ خلیفہ ہشام نے بڑے اعزاز سے اس کا خیر مقدم کیا، توجہ سے اس کی معروضات سنیں اور مناسب ہدایات کے ساتھ اس زمانہ کے امیر افریقہ حنظلہ بن صفوان کے نام ایک فرمان لکھ کر سارہ کو دیا جس کو لے کر وہ حنظلہ کے پاس افریقہ آئی۔ حنظلہ نے اس زمانہ کے والی اُندلس ابوالخطاء حسان ابن ضرار کلبی کے نام اس کے حسب منشا حکم نامہ لکھ دیا۔ سارہ اس کو لے کر اُندلس پہنچی۔ ابوالخطاء نے اس خیال سے کہ ایک عورت کے لئے اتنی بڑی جائیداد کا تنہا سنبھالنا دشوار ہوگا۔ سارہ کی مرضی سے اس کا عقد نکاح ایک معزز عرب قائد عیسیٰ بن مزاحم سے کر دیا اور اس کی جاگیروں پر قبضہ دلا دیا۔

عیسیٰ بن مزاحم نے سارہ کی جاگیر کا مناسب انتظام کیا اور وہ فارغ البالی سے زندگی بسر کرنے لگی۔ عیسیٰ بن مزاحم سے سارہ کے دو بیٹے ابراہیم اور اسحٰق پیدا ہوئے۔ اُندلس کی مشہور تاریخ افتتاح الاندلس کا مصنف ابن القوطیہ ان میں سے اول الذکر ابراہیم کی اولاد میں سے ہے۔ ابن القوطیہ کا نام محمد، کنیت ابوبکر، باپ کا نام عمر، دادا کا عبدالعزیز تھا اور پردادا یہی ابراہیم بن عیسیٰ بن مزاحم تھا۔ ابن القوطیہ نے 396 ہجری میں وفات پائی۔

اُندلس میں جب امویوں کی مستقل حکومت قائم ہوئی تو اس زمانہ میں سارہ زندہ تھی۔ عبدالرحمٰن الداخل اموی فاتح اندلس کے دربار میں بھی اس کے شاہی آداب ملحوظ

رکھے گئے۔ سارہ نے دمشق میں عبدالرحمٰن الداخل کو اس کی خوردسالگی کے زمانہ میں ہشام کے پاس بیٹھا ہوا دیکھا تھا۔ سارہ نے عبدالرحمٰن کو یہ واقعہ یاد دلایا اور اس نے بھی سارہ کو پہچان لیا۔ عبدالرحمٰن کے زمانہ میں وہ قصر شاہی کے زنان خانے میں بے روک ٹوک آتی جاتی تھی اور رفتہ رفتہ شاہی خاندان کے ارکان سے اس کے مراسم بہت بڑھ گئے تھے۔ اسی زمانہ میں جب عیسیٰ بن مزاحم کا انتقال ہوا تو دو عرب معززین جرہ بن ملاس مذحجی اور عمیر ابن سعید لخمی سارہ کو اپنے حبالہ عقد میں لانے کے درخواست گزار ہوئے۔ عبدالرحمٰن نے ثعلبہ بن عبید جذامی کی سفارش اور سارہ کی رضا مندی سے عمیر بن سعید سے اس کی شادی کر دی۔ اس نکاح سے حبیب بن عمیر پیدا ہوا جو اندلس کے بنو حجاج، بنو سلمہ اور بنو جزر کا جداعلیٰ ہے۔ اندلس کے آخر عہد اسلامی تک حبیب بن عمیر کا خاندان اشبیلیہ کے ممتاز شرفاء میں شمار کیا گیا۔

ارطباس بھی شاہانہ جاہ وچشم سے زندگی بسر کرتا تھا۔ اس کے تعلقات عرب و بربر عمائدو معززین سے بہت شگفتہ تھے۔ وہ اگرچہ بھائی کی وراثت کے لیے بھتیجوں سے لڑا تھا مگر طبعاً نہایت سیر چشم تھا۔ اس کی داد و دہش کے واقعات ایسے ہیں جو شہزادوں ہی کے شایان شان ہو سکتے ہیں۔ مسلمان علماء وصلحا کی بڑی قدر افزائی کرتا تھا۔ ایک مرتبہ چند شامی معززین اس کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ اندلس کے مشہور عابد وزاہد میمون بن لبانہ اس کے پاس آتے دکھائی دیئے۔ یہ انہیں دیکھتے ہی تعظیم کے لیے کھڑا ہوگیا اور اپنی مرصع نقرئی کرسی پر بٹھانا چاہا۔ وہ معذرت کر کے فرش پر بیٹھ گئے۔ ارطباس بھی پاس ادب میں اپنی کرسی سے اٹھ کر ان کے پاس فرش پر بیٹھ گیا اور ادب سے زحمت فرمائی کی وجہ دریافت کی۔ انہوں نے سادگی سے فرمایا:

’’میں چند دنوں کے لیے اندلس آیا تھا۔ مشرق کا حال تمہیں معلوم ہے۔ اب میرا وہاں گزر نہیں، یہیں توطن اختیار کرنے کا قصد ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تمہیں وسعت دی ہے۔ چاہتا ہوں کہ تمہاری جاگیروں میں سے ایک جاگیر لوں اور اس کو آباد کروں۔ تمہارا حق تمہیں دوں اپنا حق خود لوں اور زندگی گزار دوں۔‘‘

ارطباس نے جواب میں عرض کیا:

’’بخدا! جو موضع بھی ہوگا وہ تمام وکمال آپ کی خدمت میں نذر ہوگا۔ وہ حق کاشتکاری

پر نہ ہوگا کہ میرا حق بھی اس سے متعلق رہے۔ پھر ایک آباد موضع کا ہبہ نامہ مع مویشیوں کے لکھ دیا اور وہ موضع میموں کے خاندان میں وراثۃً آتا رہا۔''

شامی عربوں میں جمیل نام کا ایک جاہل سردار تھا۔ اس کو ارطباس کے اس حسن اخلاق پر تعجب آیا۔ اس نے گستاخی سے کہا:

''ہم آپ کے پاس آتے ہیں مگر آپ اس سے زیادہ ہماری عزت نہیں کرتے کہ ہمیں کرسیوں پر بیٹھنے کی عزت دے دیں اور یہ سائل آپ کے پاس آیا اور آپ اس سے ایسے حسن اخلاق سے پیش آئے۔؟''

ارطباس نے کہا:

''تم ادب شناس نہیں ہو۔ تمہارا احترام دنیاوی حیثیت سے اس لیے کرتا ہوں کہ تم طبقہ حکمران میں سے ہو۔ لیکن میموں کی عزت اس لیے کی کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق اس کی عزت کرتی ہے۔ حضرت مسیح علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ جو خلق میں عزت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی عزت کرتا ہے۔''

پھر ان سرداروں نے جب اس کے سامنے اپنا دست سوال دراز کیا تو اس نے کہا:

''تم اہل دنیا ہو تھوڑے پر راضی نہیں ہو سکتے تمہارے لیے دس دس موضعے نذر ہیں۔''

اس طرح اس نے صرف ایک مجلس میں کمال سیر چشمی سے سو موضعات ان سرداروں میں بانٹ دیئے۔

ارطباس آگے چل کر شاہی عتاب میں آ گیا تھا۔ عبدالرحمٰن الداخل سے اس کے تعلقات خوشگوار نہ ہو سکے تھے۔ شاید اس کا سبب عبدالرحمٰن اور سارہ کے دیرینہ تعلقات ہوں۔ ظاہر ہے کہ سارہ اور ارطباس کے تعلقات اس خاندانی نزع کی وجہ سے اچھے نہ رہ گئے تھے اور سارہ کی آمد و رفت جو شاہی محل میں تھی اس کے اثر سے ارطباس سے بدگمانی پیدا ہونے کے امکانات موجود تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ عبدالرحمٰن کسی فوجی مہم سے لوٹ کر واپس آ رہا تھا کہ اس نے ارطباس کے خیمہ کے گرد قیمتی تحائف کا انبار لگا ہوا دیکھا۔ عبدالرحمٰن یہ دیکھ کر ضبط نہ کر سکا اور اس کی جاگیروں کے ضبط کرنے کا حکم دے دیا۔ اس ضبطی کے حکم کے بعد اس کی غیرت نے تقاضا نہ کیا کہ وہ عبدالرحمٰن کے سامنے سر جھکائے۔ چنانچہ خاموشی سے بھتیجوں کے یہاں چلا گیا اور

انہی کے ساتھ زندگی بسر کرنے لگا۔

کچھ دنوں کے بعد وہ قرطبہ آیا اور قصر شاہی میں عبدالرحمٰن سے ملنے کے لیے حاضر ہوا۔ اگرچہ اس زمانہ میں بھی وہ شاہی عتاب میں تھا مگر اس نے اپنی شاہانہ خودداری برقرار رکھی۔ ابن حاجب کو بلا کر طنزیہ پیغام بھیجا کہ ''میں امیر المومنین سے ملنا چاہتا ہوں تاکہ ان سے رخصت ہو لوں۔'' عبدالرحمٰن نے دربار میں بلا بھیجا۔ اب ارطباس کی ذاتی ریاست تو باقی نہ تھی کہ وہ شاہانہ کروفر سے رہتا۔ اس کی ہیئت کذائی سے بدحالی ٹپک رہی تھی۔ عبدالرحمٰن نے اس کو اس حال میں دیکھ کر پوچھا:

''ارطباس! اس حال میں کیسے پہنچے۔؟''

ارطباس کو موقع ملا اس نے برجستہ کہا:

''آپ ہی نے تو مجھے اس حال میں پہنچایا ہے۔ آپ میرے اور میری جاگیروں کے درمیان حائل ہو گئے اور وہ معاہدے جن کو آپ کے آباؤ اجداد نے کیا تھا میرے کسی جرم کی پاداش کے بغیر توڑ ڈالے۔''

عبدالرحمٰن نے بات بدل کر طنزیہ لہجہ میں کہا:

''تم تو اس وقت مجھ سے رخصت ہونے کے لئے آئے ہو؟ میں سمجھتا ہوں کہ تم کو رومہ جانا ہے۔؟''

ارطباس نے کہا:

''نہیں تو۔ مجھ کو تو خبر ملی کہ آپ شام کا قصد رکھتے ہیں۔؟''

عبدالرحمٰن نے کہا:

''مجھے یہاں کون چھوڑ سکتا ہے کہ میں واپس جاؤں وہاں سے بزور شمشیر نکالا جا چکا ہوں۔''

ارطباس نے جواب دیا:

''تو پھر اس مقام پر جہاں آپ اس وقت موجود ہیں کیا آپ چاہتے ہیں کہ اس کو اپنے بعد اپنی اولاد کے لیے بھی چھوڑ جائیں یا اس برس اس کو واپس لے لیا جائے جیسے کہ آپ نے اس کو لیا ہے۔؟''

عبدالرحمٰن نے کہا:

"نہیں! واللہ! میرا اس کے سوا کوئی قصد نہیں کہ میں ان کو اپنے اور اپنی اولاد کے لیے مستحکم کر جاؤں۔"

یہ سن کر ارطباس نے صفائی سے کہا:

"تو پھر اپنے طرزِ عمل کا جائزہ لیجئے۔"

اس کے بعد ایسے مختلف واقعات اور خیالات اس کے سامنے بیان کئے جو اس زمانہ میں عبدالرحمٰن کو ارطباس اور اس کے طرزِ حکومت کے متعلق لوگوں میں پھیل رہے تھے۔ عبدالرحمٰن کو ارطباس کی اس گفتگو سے مسرت ہوئی اس کا شکریہ ادا کیا اور بیس جاگیروں کو واپس کرنے کا حکم دیا اور نئے سرے سے خلعت سے سرفراز کیا۔ اس کے بعد اس کو اندلس کے عیسائیوں کے عہدہ قماست پر سرفراز کر دیا۔ اس طرح اندلس کے دورِ اسلامی میں حکومت کی طرف سے سب سے پہلا قومس وہی نامزد کیا گیا۔

افسوس ہے کہ تیسرے بھائی رملہ یا وقلہ اور اس کی اولاد کے حالات روشنی میں نہ آ سکے۔

موسیٰ بن نصیر بن عبدالرحمٰن بن زید لخمی تابعین میں سے تھے۔ حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ سے حدیثیں روایت کیں۔ خانوادہ امویہ سے ان کا دیرینہ تعلق تھا۔ ان کے والد کو نصیر بن عبدالرحمٰن لخمی کہا جاتا ہے۔ وہ بنوامیہ کے موالی میں سے تھے۔ ایک روایت کے مطابق وہ عربی النسل تھے اور بنو لخم سے تعلق رکھتے تھے، اس نسبت سے لخمی کہلائے اور یہی روایت زیادہ قرینِ قیاس ہے۔ دوسری روایت یہ ہے کہ نصیر خلافت صدیقی میں شام میں جبلِ جلیل میں گرفتار کیے گئے اور بنوامیہ ہی نے ان کو آزاد کیا۔ وہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دامن سے وابستہ تھے اور ان کے نزدیک منزلت رکھتے تھے۔ بایں ہمہ جب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے جنگ کے لیے نکلے تو نصیر اس فوج میں شریک نہیں ہوئے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے احسانات یاد دلا کر وجہ پوچھی تو انہوں نے جواب دیا:

"میرے لیے یہ ممکن نہ ہو سکا کہ آپ کا شکر گزار ہونے کے لیے اس سے کفران کروں جس کی شکر گزاری زیادہ بہتر ہے۔"

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا:

"وہ کون ہے؟"

نصیر نے جواب میں کہا:

"اللہ عزوجل"

موسیٰ بن نصیر کی ولادت شام ہی میں اس کے ایک قریہ "کفر مری" میں عہد فاروقی میں 19 ہجری میں ہوئی اور وہیں نشوونما پائی۔ ان کی سیاسی زندگی کی ابتدا خلیفہ عبدالملک بن مروان کے دور سے شروع ہوئی۔ اس نے ان کو بصرہ کے خراج کی تحصیل کا افسر اعلیٰ مقرر کیا۔ پھر وہ 89 ہجری میں افریقہ و مغرب کے والی بنائے گئے اور اپنی اور اپنے لڑکوں عبداللہ و عبدالعزیز کی سرکردگی میں افریقہ و مغرب کے بہت بڑے علاقہ کو زیرِ نگیں کیا۔ یہاں تک کہ بربروں نے ان کی پوری اطاعت قبول کر لی۔ انہوں نے ملک کے مختلف حصوں پر اپنے ولاۃ نامزد کر دیئے۔ چنانچہ اسی سلسلہ میں طارق بن زیاد کو طنجہ کا والی مقرر کیا اور جب اُندلس کی مہم درپیش ہوئی تو اس کی سرکردگی میں بربروں کا لشکر بھیجا جس نے اُندلس میں اپنی پیش قدمیاں جاری رکھیں لیکن جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا کہ اُندلس میں طارق نے صریح عدول حکمی کر کے اُندلس کے آخری شمالی اور شمال مغربی علاقوں تک تاخت کی اور کسی جگہ سوائے استجہ کے بقیۃ السیف سپاہیوں اور صوبہ مرسیہ میں تھیوڈومر کے کسی منظم جماعت نے اس کا مقابلہ نہیں کیا۔ اس لیے واقعۃً طارق سے کوئی غلطی سرزد نہیں ہوئی تھی۔ تاہم وہ اصولاً اپنے افسر کے حکم کی نافرمانی کا مرتکب ہو چکا تھا۔

موسیٰ بن نصیر نے اس کی اس آئینی خطا کاری کو معاف نہیں کیا۔ انہوں نے طارق کے ہاتھوں سے اندلس کی امارات کی باگ چھیننے اور اس کو اس کی نافرمانی کی سزا دینے کے لیے خود اندلس کے سفر کا قصد کیا۔ انہوں نے افریقہ میں اپنے لڑکے عبداللہ کو اپنا قائم مقام بنایا، خود فوج لے کر اُندلس کے لئے روانہ ہو گئے اور اُندلس میں جزیرہ خضراء کے پاس ایک پہاڑی پر ماہ رمضان 93 ہجری بمطابق ماہ جون 712ء میں لنگر انداز ہوئے۔ یہ پہاڑی جبل موسیٰ کے نام سے موسوم کی گئی۔ یہاں سے وہ جزیرہ خضراء میں آئے۔ کاونٹ جولین موسیٰ کے ہمراہ اور ان کے خاص مشیروں میں سے

مسلمانوں نے میدان گوڈالیٹ میں بارہ ہزار فوج سے ایک لاکھ فوج کو شکست دی تھی۔ موسیٰ کے ساتھ مزید اٹھارہ ہزار آزمودہ کار سپاہی آئے تھے۔ ان سپاہیوں کو اپنا جوہر دکھانے کے لیے کسی نئے میدان کی تلاش تھی۔ موسیٰ کا حوصلہ بھی بلند تھا اور اس کی بڑی تمنا تھی کہ وہ اپنی فتوحات کو اس طرح وسعت دیں کہ وہ دمشق اُندلس سے خشکی کے راستہ سے ملا دیں۔ اس لیے وہ اندلس کے عیسائیوں کو آسان شرطوں پر مطیع کر کے یہاں امن وامان قائم کرنا اور انہیں اپنا ہمنوا بنا کر اسلامی فتوحات کے دائرہ کو آگے اس طرح بڑھانا چاہتے تھے کہ مفتوحہ ممالک میں جابجا اسلامی آبادیاں بھی قائم ہو جائیں اور اُندلس سے دمشق تک کا علاقہ سلسلۃ الذہب کی ایک کڑی بن جائے۔ یہ ظاہر ہے کہ اس اہم تجویز کو عملی شکل میں لانے کے لیے خلیفہ وقت کی منظوری ضروری تھی۔ چنانچہ انہوں نے اپنی مفصل تجویز دارالخلافت دمشق بھیج دی تھی اور جواب کا انتظار کرتے رہے۔

لیکن ان دنوں موسیٰ ایک قسم کی ذہنی کشمکش میں مبتلا تھے۔ ایک طرف وہ طارق سے خوش نہ تھے۔ اولاً اس کی عدول حکمی کے سبب سے، دوسرے اس نے فتوحات اور مال غنیمت کے حاصل کرنے میں جو طرز عمل اختیار کیا تھا وہ موسیٰ کی اس اسکیم کے مخالف تھا جس کے مطابق وہ پیش قدمی کا سلسلہ بھی جاری نہ رکھ سکتے تھے۔ اس لیے ان دنوں وہ ایک انتظار کی حالت میں تھے اور طارق سے بددل ہونے کے سبب وہ اس سے ملنا بھی پسند نہ کرتے تھے۔ اس لیے انہوں نے طلیطلہ جانا پسند نہیں کیا اور انتظار کی گھڑیوں کو مغربی اُندلس میں گزارنا چاہا۔ خصوصاً اس لیے کہ اس علاقہ میں ابھی فوجی مہموں کے لیے وسیع میدان موجود تھا۔ چنانچہ انہوں نے کاونٹ جولین کے مشورہ سے طارق کے مفتوحہ ومقبوضہ علاقوں کو چھوڑ کر غیر مفتوح حصوں کا رخ کیا۔ اس سلسلہ میں جنوبی اُندلس کے چند شہروں کی باری پہلے آئی جو طارق کے زیر نگیں ہو چکے تھے مگر اس کے پیٹھ پھیرتے ہی سرکشی اختیار کر چکے تھے۔ چنانچہ موسیٰ سب سے پہلے شذونہ پہنچے اور یہ شہر مستقل طور پر اسلامی قبضہ میں آ گیا۔

پھر قرمونہ کی باری آئی۔ یہاں عیسائیوں نے بڑی طاقت جمع کر لی تھی۔ کاونٹ جولین کی مدد سے یہ مہم بھی زیادہ کشت وخون کے بغیر آسانی سے فتح ہو گئی۔ اس نے

اپنے چند ساتھیوں کو مصیبت زدہ شکل میں شہر میں پناہ گزین ہونے کے لیے بھیجا۔ شہر کے عیسائیوں نے فریب میں آکر انہیں جگہ دے دی۔ رات کو انہوں نے شہر کے پھاٹک کھول دیئے اور دروازہ کھلتے ہی مسلمان ریلا کر کے شہر میں داخل ہو گئے۔

اس کے بعد موسیٰ نے مشہور شہر اشبیلیہ کی طرف رخ کیا۔ یہ گاتھ سے پہلے اُندلس کا پایہ تخت رہ چکا تھا۔ مستحکم قلعہ بندیوں سے محفوظ تھا۔ اس زمانہ میں بھی اس کی شاندار عمارتوں میں امراء وعمائد سکونت پذیر تھے اور یہاں کے کلیسا کو اُندلس میں مرکزی عظمت حاصل تھی۔ یہاں کے باشندوں نے طارق سے جزیہ کی شرط پر رستگاری حاصل کی تھی مگر عملاً اطاعت قبول نہیں کی تھی۔ موسیٰ کے پہنچتے ہی اہل شہر محصور ہو گئے۔ چند مہینے محاصرہ جاری رہا۔ آخر شہر والوں نے سپر ڈال دی۔ شہر کی دولت و املاک مسلمانوں کے قبضہ میں آئی۔ عمائد ورؤساء ترک سکونت کر کے باجہ چلے گئے اور موسیٰ نے مسلمانوں اور یہودیوں کو یہاں آباد کر دیا۔

اس کے بعد موسیٰ نے اپنی تجویز کے مطابق اندلس کے غیر مفتوحہ مشہور شہر ماردہ کا رخ کیا۔ شہر والوں نے جم کر محاصرہ کا مقابلہ کیا۔ طویل مدت یہاں بھی گزر گئی۔ آخر موسیٰ نے شہر کے قریب عقب میں ایک پہاڑی میں کمین گاہ تیار کرائی اور فوج کو اس میں چھپا دیا۔ صبح ہوئی تو شہری فوج معمول کے مطابق شہر سے نکل کر صف آرا ہوئی۔ اسلامی لشکر سے مقابلہ ہو رہا تھا کہ پیچھے کمین گاہ سے چھپے ہوئے سپاہی نکل پڑے اور عقب سے حملہ کیا۔ اس لڑائی میں شہری فوج کی قوت کمزور ہوئی۔ اس کے لیے موسیٰ نے لکڑی کا دبابہ (ٹینک) بنوایا۔ چند آدمی اس میں بیٹھ کر فصیل کی دیوار میں نقب زنی کر رہے تھے کہ محصورین بڑی تعداد میں نرغہ کر کے نکل پڑے۔ یہ حملہ ایسا اچانک تھا کہ بہت سے مسلمان شہید ہو گئے۔ یہ لڑائی ایک برج کے پاس ہو رہی تھی۔ مسلمانوں میں اس کا نام برج الشہداء پڑ گیا۔ مسلمانوں نے اس جانی نقصان کے اٹھانے کے باوجود محاصرہ نہیں اُٹھایا۔ آخر شہر والوں نے صلح کا پیغام دیا اور اسلامی لشکر 94 ہجری میں عید کے دن (30 جون 713ء) شہر میں داخل ہوا۔ صلح کی شرطوں کے مطابق لڑائی میں لڑنے والوں اور جلیقیہ بھاگ جانے والے عیسائیوں اور کلیسا کا سارا مال ومتاع مسلمانوں کے قبضہ میں آیا۔ باقی دوسرے لوگوں کی دولت واملاک سے کوئی

تعرض نہیں کیا گیا۔

موسیٰ کو ماردہ میں اشبیلیہ کے گردونواح کے دوشہروں لبلہ اور باجہ کے باشندوں کے متعلق اطلاع ملی کہ وہ جمع ہوکر اشبیلیہ آئے اور یہاں کے عیسائیوں کی مدد سے اشبیلیہ میں آباد ہونے والے مسلمانوں پر حملہ آور ہوئے۔ اسی مسلمان شہید ہوگئے اور جو یہودی مسلمانوں کے ساتھ آباد کیے گئے تھے انہوں نے مسلمانوں کی کوئی مدد نہیں کی۔ یہ اندلس میں اپنی نوعیت کا پہلا واقعہ تھا۔ موسیٰ نے اپنے لڑکے عبدالعزیز کی سرکردگی میں ایک لشکر بھیجا۔ اس نے یہاں کے مجرم عیسائیوں کو پوری سزا دی، ان کی ملکیتیں ضبط کرلیں اور مسلمانوں کی بڑی جمعیت کے ساتھ وہ خود مقیم ہوگیا اور اپنی سکونت کے لیے یہاں کے ایک قدیم محل کو منتخب کیا۔

اس کے بعد لبلہ پھر باجہ پر فوج کشی کی گئی اور ان دونوں شہروں کو زیرنگیں کرلیا گیا۔ یہاں کے امراء وعمائد بھی نکال دیئے گئے اور ان کے قصور ومحلات مسلمانوں کے قبضہ میں دے دیئے گئے۔ نیز ماردہ کے گردونواح میں فوج کے دستے بھیجے گئے اور یہ پورا علاقہ مطیع ہوگیا۔

ابھی تک موسیٰ اور طارق ایک دوسرے سے نہیں ملے تھے۔ موسیٰ نے ماردہ سے طلیطلہ کی جانب ماہ شوال 94ہجری کے خاتمہ پر رخ کیا۔ طارق نے طلیطلہ سے نکل کر طلبیرہ میں اس کا استقبال کیا۔ موسیٰ طارق کو دیکھتے ہی اس پر برس پڑا۔ کہا جاتا ہے کہ نافرمانی کی پاداش میں اس کو کوڑے بھی لگائے گئے۔

بہرحال اُندلس میں ان دونوں کی یہ پہلی ملاقات ناخوشگوار رہی۔ تاہم موسیٰ نے زجرو توبیخ کرکے معاملہ کو ختم کردیا، طارق کو اپنے منصب پر قائم رکھا اور اُندلس کے ہراول دستوں کا قائد بنادیا۔ اس طرح وہ اپنے عہدہ سپہ سالاری پر مامور رہا۔

بعض عیسائی مؤرخین نے طارق کے قید کیے جانے، اس کے قتل کا ارادہ کرنے اور دارالخلافت سے اس کی رہائی کا پروانہ آجانے کا تذکرہ کیا ہے مگر عربی تاریخوں سے اس کی تائید نہیں ہوتی بلکہ مقری نے ابن حیان کا یہ بیان نقل کیا ہے:

''پھر موسیٰ نے طارق سے صفائی کرلی اور اس سے اپنی خوشنودی ظاہر کی۔''

ابن اثیر لکھتا ہے:

''موسیٰ طارق کے پاس گئے۔ طارق نے ان کو راضی کیا۔ وہ راضی ہوگئے اور طارق کے عذر کو قبول کیا۔''

بلاذری کا بھی یہی بیان ہے کہ طارق نے اس کو راضی کرلیا اور موسیٰ کی خوشنودی اس کو حاصل ہوگئی۔

اس کے باوجود ان دونوں قائدوں کے باہمی اختلاف کے افسانہ کو بڑی شہرت دی گئی ہے۔ اس سلسلہ میں ایک افسانہ بھی گڑھا گیا ہے کہ طارق کے شیشہ دل پر بال آگیا تھا اور اس نے موسیٰ کو زک دینے کے لیے مائدہ سلیمانی کا ایک پایہ گم کردیا۔ پھر دربار خلافت میں اس کی خیانت کی شہادت دی مگر ابن خلدون اور دوسرے مؤرخین اس واقعہ کے ذکر سے خاموش ہیں۔ اس لیے یہ سراسر افسانہ ہی افسانہ معلوم ہوتا ہے۔

موسیٰ نے مال غنیمت کا جائزہ لینے کے بعد نئی مہموں کا آغاز کیا۔ طارق مقدمۃ الجیش کا افسر بنایا گیا تھا۔ وہ متعین مقامات پر فوج لے کر جاتا تھا، موسیٰ پورا اسلامی لشکر اس کے پیچھے پیچھے لے کر جاتا اور نئے نئے مقامات اسلامی فتوحات کے دائرہ میں داخل ہوتے جاتے۔

ان مہموں میں اسلامی لشکر کا رخ اُندلس کے شمالی حصہ کی طرف تھا۔ اس وقت تک دارالخلافت سے موسیٰ کی اس تجویز کی منظوری نہیں آئی تھی۔ تاہم اس نے ان مہموں میں اس تجویز کو اپنی نگاہ میں رکھا۔ وہ اندلس سے مشرق کی طرف (موجودہ نقشہ کے مطابق) یورپ کے جنوبی ساحلی مقامات اُندلس، فرانس، اطالیہ، یوگوسلاویہ اور بلغاریہ سے گزر کر قسطنطنیہ میں داخل ہونا چاہتا تھا۔ پھر یہاں سے اناطولیہ کو طے کرکے شام میں آنا چاہتا تھا۔ چنانچہ مقری لکھتا ہے:

''اور اس نے یہ قصد کیا کہ قسطنطنیہ کی طرف سے مشرق میں آئے اور دربِ شام اور دربِ اندلس کی طرف بڑھے اور ان دونوں درب کے درمیان جو عجمی نصرانی قومیں ہیں ان میں گھس کر ان سے جہاد کرے اور ان کو شکار بنائے یہاں تک کہ دارالخلافت سے مل جائے۔''

ایک دوسری جگہ ہے:

''اور یہ وہ امید رکھتا تھا کہ فرنگیوں کے جو شہر باقی رہ گئے ہیں ان کو چیر کر ارض کبیرہ میں

گھس جائے۔ یہاں تک کہ شام تک لوگوں سے مل جائے۔ اس کا قصد یہ تھا کہ اس سرزمین میں اس نے چیر کر جو شگاف پیدا کر دیا ہے اس کو ایک وسیع راستہ بنا دے جس پر اہل اُندلس مشرق کی طرف آمد و رفت کرنے میں خشکی میں چل سکیں اور سمندر میں ہو کر نہ گزریں۔"

موسیٰ نے یہ مہم اپنے اسی مطمع نظر کے مطابق شروع کی تھی۔ اس لیے وہ ان مفتوحہ علاقوں کے باشندوں سے غیر معمولی نرمی اور حسن سلوک سے پیش آنا چاہتا تھا تا کہ رعایا کے دلوں میں مسلمانوں سے نفرت پیدا نہ ہو اور حسن معاملت سے ان کا ایسا اعتماد حاصل ہو کہ ان کے لیے اسلامی قبضہ واقتدار بار نہ ہو جائے۔ ان مفتوحہ ممالک میں امن و امان قائم رہے اور اسپین سے شام تک کے علاقہ کے ایک سلسلہ میں منسلک ہو جانے سے غیر معمولی تمدنی، اقتصادی اور رفاہی فوائد حاصل ہو سکیں۔ چنانچہ اس نے مہم کے روانہ ہونے سے پہلے فوج کو جن چند امور کی تلقین خاص طور پر کی اور ان کی خلاف ورزی کے جرم کی سنگین سزا مقرر کی وہ حسب ذیل ہے:

1: ملک کو تاخت وتاراج نہ کیا جائے۔
2: حملے فوجی طریقہ کے مطابق صرف ملک گیری کے لیے ہوں۔
3: رعایا کے مذہبی جذبات کا پورا احترام کیا جائے۔
4: لوٹ مار اور جور وظلم کے طریقوں سے باز رہا جائے۔
5: مسلمان سپاہیوں کو عدول حکمی کی صورت میں موت کی سزا دی جائے۔

ان ہی احکام کے ساتھ اسلامی لشکر نے مزید فتوحات کے لیے طلیطلہ سے باہر قدم نکالے اور کم از کم اُندلس کی سرزمین میں غیر معمولی آسانی سے انہیں فتوحات حاصل ہوتی گئیں۔ ان مہموں میں طارق مقدمتہ الجیش کے طور پر آگے آگے اور موسیٰ قلب وفوج کو ساتھ لیے پیچھے پیچھے رہتے تھے۔ شمالی اُندلس میں کسی جگہ کسی منظم جماعت نے کوئی قابل ذکر مقابلہ نہیں کیا یہاں تک کہ اس صوبہ کے صدر مقام سرقسطہ تک مسلمان آسانی سے پہنچ گئے اور شہر کا محاصرہ کر کے اس کو فتح کر لیا۔ شہر کا فتح ہونا تھا کہ گویا پورا شمالی اُندلس زیر اقتدار آگیا۔ یہاں سے گرد و نواح کے ملحق قلعوں پر فوجی دستے بھیجے گئے اور ان کے دروازے کھلتے گئے۔ پھر آس پاس کے شہروں اور چھوٹی

بڑی آبادیوں کی طرف فوج کشی کی گئی اور جہاں جہاں مسلمان گئے وہ مقامات فتح ہوتے گئے بلکہ زیادہ موقعوں پر موسیٰ کی فوج کی ضرورت نہیں پڑی طارق اپنے مختصر دستہ ہی سے ان مقامات کو زیر نگیں کرتا گیا۔ بعض مقاموں کے باشندے خود دوڑ کر آئے اور امان طلب کر کے واپس گئے۔ ان مقاموں پر معقول شرطوں پر انہیں امان دی گئی۔ طارق جہاں جہاں جو شرطیں منظور کرتا تھا موسیٰ وہاں پہنچ کر ان کی تصدیق کر دیتا تھا۔ اسی طریقہ سے شمال مشرقی اُندلس کا یہ پورا علاقہ زیر نگیں ہو گیا۔

اس کے بعد اس صوبہ میں اسلامی حکومت کی تاسیس عمل میں آئی۔ سرقسطہ (Saracossa) اس صوبہ کا دارالحکومت قرار دیا گیا۔ افریقی مسلمان یہاں آباد کئے گئے اور عبداللہ بن حنش یہاں کا پہلا گورنر بنایا گیا۔ زمانہ فتح سے حکومت امویہ کے قیام تک چھیالیس برس تک مختلف ولاۃ یہاں وقتاً فوقتاً بھیجے گئے۔ ولاۃ والی اُندلس کے ماتحت ہوتے تھے لیکن ہر زمانہ میں مختلف صوبوں کے والیوں میں یہاں کے والی کو امتیازی حیثیت حاصل رہی۔

اُندلس کے شمال مشرقی حصہ کی طرف مہم بھیجی گئی۔ چنانچہ اس علاقہ کے مشہور ساحلی شہر برشلونہ، نشرید، ابراد اور جرندہ اسلامی اقتدار میں داخل ہوئے۔ ان مقامات میں بھی اسی زمانہ میں یا آگے چل کر مسلمانوں نے اقامت اختیار کی اور ابتداءً یہ علاقہ بھی والی سرقسطہ کی نگرانی میں رکھا گیا اور جب تک ان شہروں پر قبضہ رہا یہ صوبہ سرقسطہ کے حدود میں داخل رہے۔

اُندلس کے شمالی حصہ کے زیر نگیں ہو جانے کے بعد فوجی مہموں کے لیے قدرۃً فرانس کی حدود پر نگاہ اٹھی۔ چنانچہ موسیٰ نے جنوبی فرانس کی طرف اپنی فوجی پیش قدمی جاری کی۔ اس سلسلہ میں سب سے پہلا حملہ جنوبی فرانس کے مشہور ساحلی شہر اربونہ (ناربون) پر کیا گیا اور وہ زیر اقتدار آیا۔ پھر اس شہر کو فوجی چھاؤنی بنا کر فرانس کے مختلف شہروں پر تاخت کی گئی۔ چنانچہ مسلمان اس تاخت میں جنوب مشرقی فرانس کے مشہور شہر حصن لوڈون پہنچے۔ پھر یہاں سے ادینوں کا رخ کیا لیکن مسلمان ابھی اثنائے راہ میں تھے کہ عیسائیوں کے ایک عظیم الشان لشکر کے اجتماع کی خبر ملی۔ مگر انہوں نے اپنی پیش قدمی جاری رکھی اور ادینوں میں داخل ہو گئے۔ اس طرح جنوب

مشرقی فرانس کے تین اہم شہر اربونہ، لوذون اور ادینوں مسلمانوں کے قبضہ میں آ گئے۔

مسلمانوں کے فرانس کی حدود میں داخل ہو جانے سے یہاں کے عیسائی حکمرانوں میں ہلچل مچ گئی۔ اس زمانہ میں فرانس میں نوابوں (اکاؤنٹس) اور فوجی افسروں کی چھوٹی چھوٹی خود مختار ریاستیں قائم تھیں۔ ان میں سے پیپن آف ہرسٹل (Pepin of Herstal) 49 تا 96 ہجری بمطابق 669 تا 714ء امتیاز حاصل کر کے مرکزی فرانس کے تخت پر قابض ہو چکا تھا اور وہی فرانس کے فرماں روا خاندان کا رالنگین (Caralingion) کا بانی تھا۔ اس کو عرب مورخین "قارلہ" کے لقب سے یاد کرتے ہیں۔

قارلہ یعنی پیپن آف ہرسٹل نے فرانس کو مسلمانوں کے سیلاب کی زد سے محفوظ رکھنے کے لیے عظیم الشان لشکر کے ساتھ فوج کشی کی۔ ادینوں کی قلعہ بندی ایسی نہ تھی کہ وہاں بیٹھ کر مسلمان اس کا مقابلہ کر سکتے۔ اس لیے وہ اربونہ کی قلعہ بندی سے فائدہ اٹھانے کے لیے اسی سمت لوٹ آئے۔ یہاں پہنچے تو پیپن کے لشکر کو شہر کا محاصرہ کیے ہوئے پایا۔ اس لیے ادینوں سے واپس آنے والے اسلامی لشکر کے لیے شہر میں داخل ہونے کا راستہ بند ہو چکا تھا۔ مسلمانوں نے اربونہ کے سامنے ایک پہاڑی کے دامن میں اپنے مورچے جما لیے۔ پیپن دفعتاً حملہ آور ہوا اس وقت طارق اور موسیٰ کی فوجیں ایک دوسرے سے علیحدہ تھیں۔ پہاڑی پر مسلمانوں کا جنگی موقع بھی اچھا نہ تھا۔ ہر طرف سے نرغہ میں آ گئے اور بہت سے مسلمان شہید ہو گئے۔ آخر بڑی قربانیوں کے بعد لڑتے بھڑتے کسی طرح شہر میں داخل ہونے میں کامیاب ہو سکے۔

پیپن نے بڑی سختی سے ناربون کا محاصرہ کر لیا۔ مسلمان بھی ناربون میں جم کر محاصرہ کو توڑنے کی کوششیں کرتے رہے اور کبھی کبھی شہر سے نکل کر عیسائیوں پر حملہ آور ہو کر انہیں تہ تیغ کرتے رہے۔ جب محاصرہ طول پکڑ گیا تو پیپن کو مسلمانوں کی کمک پہنچنے کا اندیشہ ہوا اس لیے وہ محاصرہ اٹھا کر واپس چلا گیا۔

پیپن نے واپس جا کر یورپ پر اسلامی حملہ اور اس سے آئندہ ہونے والے حالات پر غور کرنے کے لیے یورپ کے حکمرانوں کا ایک اجتماع اپنی سرکردگی میں کیا۔ یورپ

کے حکمرانوں کو اگر عربوں کے یورپ پر حملہ آور ہونے کا کوئی خطرہ تھا تو وہ اس کو مغرب کے بجائے مشرق کی سمت سے سمجھتے تھے لیکن ان چند ہزار بے سروسامان سپاہیوں کا مغرب کے دور دراز راستہ سے قلب یورپ میں سیلاب کی مانند گھستے چلے جانا عیسائی حکمرانوں کو محوِ حیرت بنائے ہوئے تھا لیکن انہوں نے اس مجلس مشاورت میں کسی اعلیٰ پیمانہ پر مدافعانہ مزاحمت نہ کرنے کا فیصلہ کیا کیونکہ ان کے خیال میں مسلمان جس عزم و حوصلہ اور جوش و خروش سے بڑھ رہے تھے ان کا مقابلہ کر کے ان کی راہ روکنا کوئی آسان کام نہ تھا۔ اس لیے انہیں اسی حال پر چھوڑ دینے کا فیصلہ کیا گیا۔ خصوصاً اس لیے کہ ان کے خیال میں جب ان کے دامن مالِ غنیمت سے بھر جائیں گے اور دولت و ثروت کا نشہ چڑھے گا تو ان میں ایک دوسرے پر مسابقت کرنے کا جذبہ پیدا ہو گا اور اس باہمی آویزش سے سلطنت کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گے۔ اس وقت ان میں سے ایک ایک سلطنت کو ختم کرنا آسان ہو گا اور رفتہ رفتہ عیسائی دنیا خصوصاً یورپ کی سرزمین سے ان کے نام و نشان کو مٹا دینا آسان ہو گا۔

سلاطین یورپ نے اس مجلس مشاورت میں یورپ میں مسلمانوں کے بڑھتے ہوئے اثر و اقتدار کے متعلق یہ بنیادی فیصلہ کیا اور اسی حکمت عملی کے بموجب ان کی آئندہ کارروائیاں جاری رہیں۔ چنانچہ اس فیصلہ کے بعد پیپن آف ہرسٹل نے مسلمانوں پر عیسائی سلطنتوں کے متحدہ جارحانہ حملہ کا ارادہ ترک کر دیا اور صرف اپنی حدود حکومت میں دریائے رون کے کنارے کنارے مستحکم فوجی چوکیاں تعمیر کر لیں یعنی دوسرے لفظوں میں اس نے مسلمانوں کے مفتوحہ علاقہ کو ان کی حکومت کی حدود میں تسلیم کر لیا۔ آگے چل کر ایسے حالات پیش آئے کہ پیپن نے سرحد کے تعین کے لیے جو فوجی چوکیاں تعمیر کیں وہی سرزمین فرانس میں مسلمانوں کا آخری مستقر قرار پایا اور مسلمانوں کو اس سے آگے بڑھنے کی ضرورت پیش نہیں آئی کیونکہ دارالخلافت سے موسیٰ کی تجویز کی منظوری حاصل نہیں ہو سکی۔

موسیٰ کی تجویز کے مسترد ہونے کی ایک بڑی وجہ اربونہ میں مسلمانوں کی ناکامی بھی تھی۔ یہاں مسلمانوں کے شہید ہونے اور غیر معمولی مصائب اٹھانے کی تفصیلات دارالخلافت میں پہنچیں اس لیے خلیفہ ولید نے اندلس کی سفارت کے لیے مغیث کو

منتخب کیا جو فتح قرطبہ کی مہم انجام دے کر اُندلس سے دمشق چلا گیا تھا۔

خلیفہ نے ہدایت کی کہ موسیٰ اپنی تجویز پر عمل کرنے سے باز رہے اور نہ صرف یہ کہ وہ اپنی مزید پیش قدمیوں کو روک دے بلکہ اُندلس کی حکومت کا انتظام کر کے وہ بلا تاخیر دمشق چلا آئے۔ خلیفہ کو یہ بھی شبہ ہوا کہ شاید موسیٰ اس فرمان کی تعمیل میں لیت ولعل سے کام لے اس لیے اس نے قاصد کو در پردہ ہدایت کر دی کہ اگر موسیٰ کی طرف سے کوئی تذبذب ظاہر ہو تو وہ عام سپاہیوں کو پیش قدمی کرنے سے روک دے اور اپنی حدود میں واپس چلے آنے کی تلقین کرے۔

چنانچہ مفیث اُندلس واپس آیا لیکن ابھی موسیٰ سے اس کی ملاقات بھی نہ ہو پائی تھی کہ فرانس کے میدان میں مسلمانوں کو عربی زبان میں ایک حیرت میں ڈالنے والا کتبہ نصب کیا ہوا دکھائی دیا جس میں حسب ذیل عبارت کندہ تھی:

''بنو اسماعیل! یہ تمہاری آخری سرحد ہے۔ اس سے آگے بڑھنے کی کوشش نہ کرنا۔''

یہ کتبہ ضعیف الاعتقاد بربری قبائل کے ارادوں کو متزلزل کر دینے میں کامیاب ہوا۔ موسیٰ نے حالات کا اندازہ لگا کر اسی مقام کو اپنی پیش قدمی کی آخری سرحد قرار دیا اور اسلامی لشکر کا رخ اُندلس کے غیر مفتوحہ علاقہ صوبہ جلیقیہ کی طرف پھیر دیا۔

اس کتبہ کا تذکرہ مستند عرب مورخین نے کیا ہے جو ہمارے خیال میں دو میں سے کسی ایک کی سازش کا نتیجہ معلوم ہوتا ہے یا تو شاہ فرانس نے سرحدی قلعوں کی تعمیر کے وقت مسلمانوں کے عزم کو متزلزل کرنے کے لیے کسی پادری سے اس کو تیار کرا کے نصب کرایا ہو یا خلیفہ ولید کے قاصد مفیث نے ولید کے خفیہ اشارہ کی تعمیل کے لئے یہ کارروائی کی ہو کہ قائد لشکر کی مرضی کے خلاف فوج کو واپس لے جانے کے لیے لشکر کی ضعیف الاعتقادی سے فائدہ اٹھایا جا سکے۔

موسیٰ کی پیش قدمی جلیقیہ کی سمت جاری تھی کہ اثنائے راہ میں خلیفہ ولید کا قاصد مفیث اس سے آ کر ملا۔ موسیٰ نے اس کو نشیب و فراز سمجھا کر آمادہ کر لیا کہ وہ کچھ دنوں کے لیے ٹھہر کر جلیقیہ کی مہم کے خاتمہ کا انتظار کرے۔ اس اثناء میں غرناطہ کے علاقہ میں کسی عیسائی قائد کے سر اٹھانے کی اطلاع ملی۔ موسیٰ نے اپنے لڑکے عبدالاعلیٰ کو اس کے سر کرنے کے لیے بھیجا۔ اس نے اس کو شکست دی اور گرفتار کر کے اپنے ساتھ لایا۔

اب موسیٰ کی یہ مہم شمالی اُندلس کے اس آخری نقطہ پر تھی جہاں خلیج بسکے شرقاً غرباً پھیلی ہوئی ہے۔ موسیٰ فرانس سے بخط مستقیم مغرب میں چلے تھے۔ پہلے انہیں سرزمین بشگنس ملی۔ یہاں سے وہ صوبہ استوارس پہنچے۔ پھر صوبہ جلیقیہ میں داخل ہوئے اور شہر لک میں قیام کر کے مختلف سمتوں میں فوجی دستے بھیجے اور وہ جہاں جہاں پہنچے وہاں انہیں کامیابی حاصل ہوتی گئی۔ چنانچہ مفتوح مقامات میں سے لک کے شمال میں خلیج بسکے کے کنارے صخرہ بلائی اور اس سے جنوبی گوشہ پر پرتگال کے مشہور شہر بیزو یا بازو کو عرب مورخین نے مفتوح مقامات میں دکھایا ہے۔ ان کے علاوہ اور بہت سے شہروں پر حملے کیے گئے لیکن ان کے ناموں کی تصریح نہیں کی گئی ہے۔ صرف اجمالاً یہ کہا گیا ہے کہ موسیٰ کا یہ لشکر جہاں جہاں پہنچا عیسائیوں نے اطاعت قبول کی۔ جن شہروں کو عیسائیوں نے خالی کر دیا وہاں عرب و بربر آباد کئے گئے اور بے شمار مال غنیمت حاصل ہوا۔ شہروں کے باشندوں نے جزیہ کی ادائیگی پر صلح کر لی اور اس طرح اُندلس کے شمال مغربی علاقہ کا ایک بڑا حصہ زیر نگیں ہوا اور وہاں مسلمانوں کے اثرات قائم ہو گئے۔

لیکن ابھی اس علاقہ میں اسلامی فتوحات کی تکمیل نہ ہونے پائی تھی کہ دربار خلافت سے ایک دوسرا قاصد ابونصر اُندلس آیا اور موسیٰ سے ملنے کے لیے لک پہنچا۔ اتفاق سے اس وقت موسیٰ ایک خچر پر سوار تھے۔ ابونصر نے آ کر خچر کی لگام پکڑ لی اور فوری واپسی کا فرمان پیش کیا۔ اب تاخیر کا کوئی موقع باقی نہیں رہا تھا۔ موسیٰ نے لشکر کو واپسی کا حکم دیا اور شمال مغربی اُندلس کی مہم کو نا تمام چھوڑ کر دمشق جانے کے لیے جنوب کی سمت روانہ ہو گئے۔

ادھر طارق شمال مشرقی علاقہ کی مہم پر بھیجا گیا تھا وہ اس علاقہ کو فتح کر کے واپس آ رہا تھا کہ ادھر موسیٰ پہاڑی سلسلہ کے ایک درے سے گزرا اور یہیں طارق کا لشکر اس سے آ ملا اور اس درہ کا نام فج موسیٰ قرار پایا جس کے متعلق گمان ہے کہ وہ کوہ وادی رملہ میں واقع ہے۔ پھر موسیٰ اور طارق دونوں مل کر جنوبی اُندلس کی سمت روانہ ہو گئے۔

موسیٰ اُندلس کی فتح کو مکمل کر لینے کی بڑی تمنا رکھتے تھے۔ اس لیے انہیں اس کے نا تمام چھوڑنے پر سخت قلق ہوا۔ خلیفہ ولید کو موسیٰ کی اس تجویز سے گر اتفاق نہ تھا تو کم

ازکم اس کو اتنا موقع تو دینا تھا کہ اُندلس کے چپہ چپہ پر وہ اسلامی پرچم لہرا دے کہ اس زمانہ میں پورے ملک کو زیرِ نگیں کر لینے کے جیسے مواقع حاصل تھے وہ بعد میں موجود نہ رہے۔ چنانچہ آگے چل کر اُندلس کے عیسائیوں نے اپنی قوت فراہم کر لی، متحدہ اور اجتماعی طاقت بنا کر اسلامی حکومت کے مقابلہ کے لیے تیار ہو گئے اور اُندلس میں عیسائیوں اور مسلمانوں کی متوازی حکومتیں قائم رہیں۔ ان دونوں حکومتوں کی قوتیں گھٹتی بڑھتی رہیں بالآخر چند صدیوں کے بعد عیسائی حکومت اسلامی حکومت کے ختم کرنے میں کامیاب ہوگئی۔

اگر اس زمانہ میں جب کہ اندلس کے عیسائیوں کی اجتماعی طاقت کا شیرازہ بکھر چکا تھا اُندلس کے گوشہ گوشہ پر قبضہ کر لیا جاتا تو شاید اُندلس کی آئندہ تاریخ کسی دوسرے طور پر لکھی جاتی لیکن اندلس دمشق سے اس قدر بے تعلق اور دور دراز تھا کہ خلیفہ ولید کو یہاں کے حالات کا صحیح اندازہ نہ ہو سکا۔ نیز قائدین لشکر کی باہمی مسابقت اور ایک دوسرے کے خلاف ریشہ دوانیوں سے بھی اُندلس کی فتح کی تکمیل نہ ہو سکی لیکن اس ناکامی کی ساری ذمہ داری یہاں کے جنرلوں طارق و موسیٰ کے بجائے مرکزی حکومت دمشق پر عائد ہوتی ہے۔ اگر طارق موسیٰ کی غیر دانشمندانہ مداخلت سے آزاد رہتا اور موسیٰ کو ولید کے احکام کی پابندی نہ ہوتی تو نہ صرف اُندلس کی تاریخ کچھ اور ہوتی بلکہ یورپ کی سلطنتوں کا نقشہ کچھ اور ہی دکھائی دیتا۔ بہر حال موسیٰ طلیطلہ واپس آئے۔ یہاں مال غنیمت کا انبار یک جا کیا پھر یہاں سے سب لوگ اشبیلیہ روانہ ہوئے اور واپسی کے انتظام میں مصروف ہو گئے۔

موسیٰ کا بڑا لڑکا عبدالعزیز صوبہ اشبیلیہ کا حکمران تھا۔ اشبیلیہ سمندر کے قریب کے شہروں میں زیادہ قلعہ بند تھا۔ یہاں سے افریقہ سے رسل و رسائل کی آسانیاں بھی حاصل تھیں۔ اس لیے اس کو اُندلس کا دارالسلطنت قرار دیا گیا۔ موسیٰ کی معیت میں طارق بھی دمشق واپس جانے کا قصد کر چکا تھا۔ اس لیے موسیٰ نے اُندلس کی ولایت پر اپنے بڑے لڑکے عبدالعزیز کو مامور کیا اور اب وہی اُندلس میں سیاہ و سپید کا مالک تھا۔

موسیٰ اور طارق ماہ ذی الحجہ 95ہجری میں اندلس سے روانہ ہوئے۔ اندلس میں طارق کا قیام تین سال چار مہینے اور موسیٰ کا دو سال چار مہینے رہا۔ اس تھوڑی مدت میں

یہاں ایک وسیع رقبہ میں اسلامی حکومت قائم ہوگئی جس کے لئے امراء وقتاً فوقتاً کبھی افریقہ اور کبھی دارالخلافت دمشق سے نامزد ہو کر آتے اور کبھی ضرورت کے لحاظ سے یہیں منتخب کر لیے جاتے اور ان کی امارت کی تصدیق افریقہ یا دمشق سے آ جاتی۔ چالیس، بیالیس برس تک یہاں یہی سلسلہ جاری رہا۔ یہاں کے امراء حکومت افریقہ وخلافت دمشق کی نگرانی میں یہاں کی حکومت کا نظم و نسق سنبھالتے رہے، ملک کی فلاح وترقی میں مصروف رہے اور فتوحات کا دائرہ وسیع کرتے رہے۔

موسیٰ نے اپنی روانگی سے پہلے کاؤنٹ جولین کی خدمات کے صلہ میں اس کو صوبہ سبتہ اور اس کے آس پاس کے علاقہ کا حکمران بنا دیا۔ وہ عیسائی مذہب پر قائم رہا اور اسلامی حکومت کی نگرانی میں حکمرانی کرتا رہا۔ بعض عیسائی مورخین نے کاؤنٹ جولین پر عیسائیت سے غداری کرنے اور اس کے صلہ میں اس حکومت کے حاصل کرنے کا الزام لگایا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس کی خدمات نے مسلمانوں کو جو کچھ فائدہ پہنچایا اس نے اندلس پر حملہ آور ہونے کی جو ترغیب دی وہ نہ تو مسلمانوں کو فائدہ پہنچانے کی غرض سے تھی اور نہ اس میں اس کی طمع یا ذاتی نفع اندوزی کا جذبہ شامل تھا بلکہ اس نے تو اپنی اس آتش انتقام کو ٹھنڈا کیا تھا جو راڈرک کی انسانیت سوز حرکت سے اس کے دل میں بھڑک اٹھی تھی۔ ورنہ جہاں تک عیسائیت کی فلاح اور اُندلس کی عیسائی سلطنت کی خیر خواہی کا تعلق تھا وہ اس کا بہتر ثبوت اس وقت دے چکا تھا جب اس نے پچھلے موقعوں پر اسلامی حملوں کی مدافعت کی تھی۔ جس وقت عقبہ نے اندلس پر حملہ کا قصد کیا تھا اس وقت اس کو اس سے باز رکھ کر بربر قبائل کی طرف پیش قدمی کا مشورہ دے دیا تھا لیکن راڈرک کے برسر حکومت آ جانے اور شاہی محل میں مذکورہ بالا واقعہ کے پیش آ جانے سے وہ ایسے سخت مقام پر اتر آیا اور مسلمانوں کی شجاعت و بسالت سے اس میں اس کو پوری کامیابی حاصل ہوئی۔ بایں ہمہ اس کے توسط سے مسلمانوں کو فائدہ پہنچا مگر اس کی اولاد نسلاً بعد نسلٍ اس صوبہ کی حکمران رہی اور وہ لوگ بھی اپنے آبائی دین مسیحیت پر قائم رہے۔ یہاں تک کہ کاؤنٹ جولین کے پوتوں یا پڑپوتوں نے خود سے اسلام قبول کیا۔ چنانچہ ابو سلیمان ایوب چوتھی صدی ہجری میں اس خاندان کے ذی علم فقیہ گزرے ہیں۔ اصول فقہ میں ان کا پایہ بلند تھا۔

دربارِ خلافت سے موسیٰ کی طلبی کا ایک بڑا سبب یہ بھی تھا کہ یہاں کے مالِ غنیمت کو دمشق منگایا جائے کیونکہ یہاں کے مالِ غنیمت کے متعلق دمشق میں مختلف افواہیں پہنچی تھیں جن کی وجہ سے خلیفہ ولید نے موسیٰ کو اصرار سے دمشق طلب کیا۔

یہاں دولت وثروت کا جو انبار مسلمانوں کے ہاتھ آیا تھا اس کی مثال اس سے پہلے کہیں اور دکھائی نہیں دی تھی۔ مالِ غنیمت شرعی حکم کے بموجب لڑنے والے مسلمان سپاہیوں اور حکومتِ وقت میں بحصہ رسدی تقسیم ہوتا تھا۔ اس اصول کے مطابق عام ناخواندہ سپاہیوں کو جو دولت وثروت ہاتھ لگی تھی اس سے اندلس کے عام شہر و دیہی مسلمان باشندے معاشی حیثیت سے نہایت فارغ البال ہو گئے۔ بلکہ انہوں نے اپنی اسی دولت کے حصہ سے اندلس کے یہودیوں کو بھی مالا مال کر دیا۔ انہوں نے کلیسا کے قیمتی ظروف وزیورات یہودیوں کے ہاتھ فروخت کئے۔ جس سے یہود ایسے مرفہ الحال ہوئے کہ وہ بقول بعض عیسائی مورخین اپنی اسی دولت وثروت کے اثر سے یورپ کے سیاسی و مالی معاملات پر اپنا اثر و اقتدار قائم رکھنے میں کامیاب ہو گئے جن کے مٹانے کی کوششیں آج تک جاری ہیں۔

دوسری طرف مالِ غنیمت کا وہ حصہ جو حکومت کے حصہ میں آیا موسیٰ کے ساتھ دمشق لے جایا گیا۔ مؤرخین کا بیان ہے کہ اس کی قیمت کا اندازہ لگانا اور اس کی نوعیت کی تفصیل بتانا دشوار ہے۔ بایں ہمہ یہ معلوم ہو سکا ہے کہ جنگی قیدی جو غلام اور باندیاں بنا کر لے جائے گئے بیس ہزار تھے، جن میں ہزاروں بے ماں باپ کی کنواری لڑکیاں بھی تھیں، زر و جواہرات وسامان تعیش کی کثرت اتنی تھی کہ عرب مورخین نے ان کی قیمت کا اندازہ لگانے سے انکار کر دیا۔ صرف طلیطلہ اور اس کے گردونواح سے ستر طلائی مرصع بجواہر تاج اور زر و جواہر سے مرصع ایک ہزار شمشیریں ملی تھیں۔ اسی طرح یاقوت، موتی، سونے کے ڈلے اور چاندی کی اینٹوں کا تو کوئی شمار ہی نہ تھا۔ ظروف و سامان تعیش میں ایسے بے شمار نوادر تھے جو اپنی صنعت کے لحاظ سے اس زمانے کے تمدن کا اعلیٰ نمونہ تھے۔

ایک وسیع مرصع فرش اپنی ندرت میں اپنی آپ مثال تھا۔ اس کا تانا بانا چاندی اور سونے کے تاروں کا تھا اور زبرجد، یاقوت اور دوسرے قیمتی جواہرات سے اس پر

گلکاریاں کی گئی تھیں۔ اسی طرح اس زمرہ میں مائدہ سلیمانی کی قیمت کا اندازہ بھی نہیں لگایا جا سکتا۔ اندلس کے سلاطین بڑے مذہبی عیسائی تھے۔ وہ مرنے کے وقت اپنے زر و جواہر کلیسا پر وقف کر جاتے تھے اور ان جواہرات سے کوئی نہ کوئی استعمال کی چیز تیار کی جاتی تھی۔ یہ میز ابتداء کسی فرماں روا کی طرف سے بنائی گئی۔ پھر ہر نیا آنے والا نیا فرماں روا اس میں اپنے عہد حکومت میں کوئی نہ کوئی اضافہ کرتا گیا اور قیمتی جواہرات اس میں بڑھتے گئے۔ یہاں تک کہ رفتہ رفتہ یہ اتنی قیمتی ہو گئی کہ اس کی قیمت کا اندازہ لگانا بھی امکان میں نہیں رہا۔

اس میں خاص سونے کے تین سو پینسٹھ ٹھوس پائے تھے۔ میز کی پٹیاں اور اوپر کا تختہ خالص زبرجد کا تھا اور اس میں موتی، یاقوت اور زمرد کے الگ الگ تین حلقے بنائے گئے تھے۔ یہ میز طلیطلہ کے کلیسا کی قربان گاہ پر رکھی ہوئی تھی۔ بڑی تقریبوں اور تہواروں کے موقعوں پر اس پر انجیل کو رکھ کر تلاوت کرتے تھے۔ مسلمانوں کے قبضہ میں آنے کے بعد ایک زمانہ دراز تک اس میز کا چرچا لوگوں کی زبانوں پر باقی رہا۔ اسی طرح طلیطلہ کے غنائم میں زبور کا ایک نادر الوجود نسخہ ذکر کے قابل ہے۔ یہ سونے کے ورقوں پر یاقوت کے پانی سے لکھا گیا تھا۔ ابن عذاری کا بیان ہے کہ یہ روشنائی ایسے طریقہ سے بنائی گئی تھی کہ اب اس کا تیار کرنا ممکن نہیں ہے۔ نیز اکسیر کیمیا سے بھری ہوئی ایک بڑی دیگ بھی ملی تھی۔

یہ مالِ غنیمت اندلس سے جہازوں پر لاد کر طنجہ لایا گیا۔ پھر ذی الحجہ کی آخری تاریخوں میں قیروان پہنچا۔ موسیٰ اپنی جمعیت کے ساتھ شہر سے باہر قصر الماس میں فروکش ہوئے اور اسی قصر میں جشن مسرت منایا۔ افریقہ کے اعیان و امراء اور ممتاز عہدہ دار اس میں شرکت کے لیے بلائے گئے۔ موسیٰ کا لڑکا مروان مغرب اقصیٰ کا والی تھا۔ وہ بھی آ کر شریک ہوا۔ موسیٰ نے اس مجلس میں تحدیثِ نعمت کے طور پر ایک تقریر کی، جس میں انہوں نے کہا:

''آج اللہ تعالیٰ کی تین بڑی نعمتیں حاصل ہیں۔ ایک امیر المومنین کا مکتوب گرامی ہے جس میں میری خدمات کی تحسین کر کے میرا شکریہ ادا کیا گیا ہے۔ دوسرے میرے بیٹے عبدالعزیز کا تازہ خط ہے جس میں ان مزید فتوحات کا ذکر ہے جو اندلس میں اس

نے حاصل کیں۔ ان دونوں نعمتوں پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں۔"

یہ سن کر حاضرین مجلس نے کھڑے ہو کر موسیٰ کی خدمت میں مبارک باد پیش کی۔ موسیٰ نے سلسلہ کلام کو جاری رکھتے ہوئے کہا:

"اور تیسری نعمت کو میں تمہیں ابھی دکھاتا ہوں۔"

یہ کہہ کر کھڑے ہوئے اور پردہ اٹھانے کا حکم دیا۔ پردہ کا اٹھنا تھا کہ پیکران حسن و جمال کا ایک جھرمٹ دکھائی دیا۔ جو بیش قیمت لباسوں میں ملبوس اور زیورات و جواہرات سے آراستہ و پیراستہ پرا جمائے سامنے کھڑا تھا۔ اس نظارے سے لوگوں کی نگاہیں خیرہ ہو گئیں۔ لیث بن سعد کا قول ہے:

"موسیٰ بن نصیر کو قیدیوں کی جتنی تعداد حاصل ہوئی اس کی نظیر اسلام میں کہیں نہیں ملتی۔"

پھر موسیٰ نے افریقہ سے روانہ ہونے سے پہلے یہاں کے امراء و شرفاء کے درمیان ہدایہ و تحائف تقسیم کیے۔

اس کے بعد یہ قافلہ خشکی کی راہ سے مصر ہو کر دمشق کے لیے روانہ ہوا۔ مال غنیمت ایک سو چودہ بیلوں اور ایک سو تیس عجلہ پر لادا گیا۔ موسیٰ کا گزر جس راہ سے ہوتا لوگ عقیدت و تعظیم کے لیے اپنی آنکھیں بچھاتے اور موسیٰ بھی جا بجا اپنی فیاضی سے لوگوں کو انعام و اکرام و عطایا سے سرفراز کرتے جاتے۔ موسیٰ کی معیت میں عرب و بربر کے ممتاز شرفاء و عمائد، عیاض ابن عقبہ، عبدالجبار بن ابی سلمہ بن عبدالرحمٰن بن عوث، مغیرہ بن ابی بروہ، زرعہ بن ابی مدرک، سلیمان بن نجد اور بربر قبائل بنو کیسلہ و بنو قصدر کے ممتاز قائدین اور جزائر بحر روم، مغرب اقصیٰ اور اُندلس کے مختلف خود مختار حکمران شریک سفر تھے۔

موسیٰ مصر میں پہنچ کر سب سے پہلے مسجد میں داخل ہوئے اور دوگانہ شکر ادا کیا۔ پھر منیۃ عمرو بن مردان میں فروکش ہوئے اور اشراف مصر کے درمیان بخشش اور عطایا تقسیم کیے۔ مصر سے روانہ ہو کر فلسطین پہنچے، یہاں آل روح بن زنباع کے مہمان ہوئے اور پھر یہاں سے دمشق روانہ ہو گئے۔

ادھر دارالخلافت دمشق میں ایک نئی صورت حال پیدا ہو گئی تھی۔ خلیفہ ولید بن

عبدالملک بستر مرگ پر لیٹا تھا اور سلیمان بن عبدالملک سریر آرائے سلطنت ہونے کی تیاریاں کر رہا تھا۔ سلیمان نے ایک تیز رو قاصد موسیٰ کے پاس بھیجا کہ وہ اپنے سفر کی رفتار کو سست کر دے۔ خلیفہ ولید ایسے مرض میں مبتلا ہے جس سے جانبر نہ ہو سکے گا۔ اس لیے وہ سلیمان کی تخت نشینی کے بعد دمشق میں داخل ہو۔ دوسری طرف خلیفہ ولید کا پیغام موسیٰ کو ملا کہ وہ سفر کی منزلیں عجلت سے طے کرے کہ امیر المومنین کی زیارت سے محروم نہ رہ جائے۔

موسیٰ کو ان دونوں پیاموں میں سے کسی ایک پر بالقصد عمل کرنا بڑا دشوار تھا۔ انہوں نے نہ بالقصد عجلت کرنے اور نہ عمداً تاخیر کرنے کا فیصلہ کیا بلکہ اپنے سفر کی وہی رفتار قائم رکھی جس سے وہ آرہے تھے۔ تاہم ان کی دلی تمنا تھی کہ وہ اپنے آقائے ولی نعمت کی زیارت سے محروم نہ رہ جائیں اور ان کی دلی خدمات کے ثمرات اس کی نگاہوں سے گزر سکیں۔ چنانچہ وہ ولید کی زندگی ہی میں دمشق میں داخل ہو گئے اور ولید نے بڑے تزک واحتشام سے ان کا خیر مقدم کیا۔ اُندلس کے وہ غنائم جن کے خیرہ کن نظارے سے سلیمان اپنے دربار کی رونق بڑھانا چاہتا تھا، ولید ہی کے سامنے پیش کیے گئے۔ اس نے ان غنائم کے متعلق اپنی منشاء کے مطابق احکام صادر کیے اور جس طور پر تقسیم کرنا چاہا تقسیم کر دیا۔

چنانچہ اُندلس کی اس بے کراں دولت کی نمائش دمشق کی جامع مسجد میں کی گئی۔ موسیٰ نے اس کی نمائش کا خاص اہتمام کیا تھا۔ انہوں نے قیدیوں میں سے تیس نوجوانوں کو شاہی حلوں سے آراستہ کر کے ان کے سروں پر شاہی تاج رکھے۔ اس طرح بربری قبائل کے امراء جزائر بحر روم کے حکمرانوں کے لڑکوں اور دوسرے ممتاز مغربیوں کو مرصع لباس پہنائے اور ان لوگوں کو جواہرات، یاقوت، موتی، زردوزی کے ملبوسات، مرصع زیورات، زرنگار فرش اور تاریخی مائدہ سلیمانی کو لے کر جلوس کی شکل میں ولید کے محل کے سامنے کھڑا کر دیا۔ پھر خود موسیٰ زرق برق لباسوں میں ملبوس تاج پوش نوجوانوں کے جلو میں مسجد میں داخل ہوئے۔ خلیفہ ولید فطرت مسرت سے اپنی شدید علالت کے باوجود موسیٰ کے استقبال کے لیے جامع مسجد میں چلا آیا تھا۔ ولید خطبہ کے لیے منبر پر بیٹھ چکا تھا کہ موسیٰ اپنی جماعت کے ساتھ داخل ہوئے۔ حاضرین مسجد

اس نظارہ کو دیکھ کر حیرت میں ڈوب گئے۔ موسیٰ کی تحسین و آفرین سے مسجد کی فضا گونج اُٹھی۔ موسیٰ خلیفہ کے سامنے آئے اور سلام کیا اور وہ تیس نوجوان جو سلاطین وقت کی ہیئت کذائی میں تھے ولید کے منبر کے دائیں بائیں ادب سے سر جھکائے کھڑے ہو گئے۔ یہ منظر ایسا دلکش تھا کہ مسلمانوں کی عظمت و شان کی ایک یادگار بن گیا۔ ولید حمد و ثنا کے بعد فتح و کامرانی پر اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت کے حاصل ہونے پر شکر بجالایا۔ پھر اس نے دفور جوش و مسرت میں ایسی تقریر کی جو اس سے پہلے کبھی اس کی زبان سے سنی نہیں گئی تھی۔ جمعہ کا یہ خطبہ اتنا طویل ہو گیا کہ ڈر پیدا ہو گیا کہ کہیں نماز کا وقت نہ فوت ہو جائے۔ جمعہ کی نماز کے بعد موسیٰ کو اپنے سامنے بلا کر بٹھایا اور تین تین مرتبہ شاہانہ خلعت سے سرفراز کیا۔

اس کے بعد غنائم کا انبار ولید کے قدموں پر رکھا گیا۔ اہل دمشق اس نظارہ سے محو حیرت تھے۔ زرنگار فرش اور مائدہ سلیمانی کو ادھیڑ کر لعل و جواہرا کٹھے کیے گئے۔ مختلف نوعیت کا سامان جب علیحدہ علیحدہ ہو گیا تو اس کی تقسیم کی باری آئی۔ ولید نے اس کا بڑا حصہ بیت اللہ پر وقف کیا۔ پھر اپنی مرضی سے جیسے جیسے جس کو دینا چاہا دے دیا۔ اس موقع پر بھی ولید نے موسیٰ کی غیر معمولی قدر افزائی کی۔ ان کو پچاس ہزار اشرفیاں انعام میں دیں اور خلعت سے دوبارہ سرفراز کیا۔ ان کے لڑکوں کے وظیفے مقرر کیے۔ اسی طرح ان کے پانچ سو موالی کے وظائف علیحدہ مقرر کیے۔ اس کے بعد موسیٰ نے ان بربر، رومی، اسپینی قائدین اور حکمران خاندان کے افراد کو ولید کی خدمت میں پیش کیا۔ ولید نے ان کے مراتب کے لحاظ سے ان کی قدر و منزلت کی خلعتوں سے نوازا، انعامات دیئے اور مستقل وظائف جاری کر دیئے۔ ان مراسم کے بعد یہ مجلس برخاست ہو گئی۔

یہ مجلس گویا موسیٰ ہی کی قدر افزائی کے لیے منعقد ہوئی تھی۔ کسی سلطنت وقت کے دربار میں کسی ممتاز سے ممتاز رکن حکومت کی بڑی سے بڑی جو قدر افزائی ہو سکتی تھی وہ اس مجلس میں موسیٰ کی کی گئی لیکن اس پر موسیٰ کے عروج و ترقی کا خاتمہ بھی ہو گیا۔ موسیٰ کو دمشق آئے ہوئے چالیس دن گزرے تھے کہ اس کے ولی نعمت خلیفہ ولید کا سانحہ ارتحال پیش آیا۔ موسیٰ کے سر سے ولید کی سرپرستی کا سایہ اٹھنا تھا کہ اس کی تباہی و

بربادی اور ادبار و تنزل کے دن شروع ہو گئے۔ ولید کا جانشین اس کا بھائی سلیمان بن عبدالملک ہوا۔ وہ موسیٰ سے خار کھائے بیٹھا تھا۔ جس وقت سلیمان کا قاصد موسیٰ کے پاس سے مایوس کن جواب لے کر لوٹا تھا سلیمان نے اسی وقت موسیٰ کو سنگین سے سنگین سزا دینے کی قسم کھالی تھی۔ پھر ولید نے مسجد دمشق میں موسیٰ کی جس قدر عزت افزائی کی اور جس طور پر مال غنیمت تقسیم کیا سلیمان کی برہمی کے لیے یہ بھی کچھ کم نہ تھا۔ چنانچہ اس نے تخت خلافت پر بیٹھنے کے بعد موسیٰ کو دربار میں طلب کیا اور سر دربار ان دونوں میں بڑی تلخ گفتگو ہوئی۔ سلیمان نے برہمی سے خطاب کیا:

"تمہیں مجھ پر جرأت ہو گئی۔؟ تم میرے حکم کی خلاف ورزی سے باز نہ آئے۔؟ اللہ کی قسم! تمہاری تعداد کم کر دوں گا۔ جمعیت بکھیر دوں گا اور تمہاری ساری دولت و املاک کو برباد کر دوں گا۔"

موسیٰ اپنے عہد کے محترم شیوخ میں سے تھے۔ وہ دلائل کے ساتھ عذر خواہ ہوئے:

"امیر المومنین! میری خطا سوا اس کے کوئی اور نہیں کہ آپ کے پیشرو خلیفہ کے حکم کی تعمیل کی۔ باقی رہا مجھے ذلیل و رسوا کرنا، جمعیت کو تباہ و برباد کرنا، دولت کا چھین لیا جانا تو یہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے اور اسی کی طرف لوٹتا ہے۔ وہی ہے جس نے مجھ پر اپنی نعمتوں کا احسان فرمایا۔ میں اسی سے استعانت کرتا ہوں اور امیر المومنین کے عتاب سے بچنے کے لیے اس کی پناہ ڈھونڈتا ہوں۔"

ظاہر ہے کہ موسیٰ کا یہ جواب سلیمان کے غصہ کو فرد کرنے کے بجائے بڑھانے والا تھا۔ اس کے بعد ایک دوسری تیز و تند گفتگو ان دونوں میں ہوئی۔ سلیمان نے افریقہ، مغرب و اُندلس کے نظم و نسق کے متعلق موسیٰ سے دریافت کیا تو انہوں نے جواب میں کہا کہ ان کا ایک لڑکا عبداللہ شمالی افریقہ کا والی ہے۔ دوسرا مروان طنجہ و مغرب اقصیٰ کا اور تیسرا عبدالعزیز اُندلس کی ولایت پر مامور ہے۔ اس پر سلیمان نے طنز سے کہا:

"اب تو تم بہت معزز ہو گئے۔؟"

موسیٰ کو یہ طنز بھی ناگوار گزری۔ اسی انداز میں انہوں نے جواب دیا:

"ان ہی لڑکوں نے ان مقامات کو اپنی قوت و بازو سے زیر نگیں کیا ہے یہ کچھ کم باعث اعزاز نہیں۔ پھر امیر المومنین! مجھ سے زیادہ کون معزز ہے۔؟"

سلیمان اس حواب سے برافروختہ ہوا اور غضب آلود لہجہ میں پوچھا.

''اور نہ امیر المومنین تم سے زیادہ معزز ہیں۔؟''

اب موسیٰ کو ہوش آیا۔انہوں نے عاجزی سے کہا:

''امیر المومنین کی وہ شان ہے جس سے بلند کوئی دوسری شان نہیں۔ارکان حکومت کی سب شاخیں خواہ کتنی بھی بلند ہو جائیں امیر المومنین ہی کے توسط اور فرمان خلافت سے حاصل ہو سکتی ہیں۔''

لیکن اس عاجزانہ جواب سے سلیمان کا دل نرم نہیں ہوا۔اس نے فرط غضب میں موسیٰ کو چلچلاتی دھوپ میں کھڑا کر دیا۔ان کے جسم کا بال بال عرق آلود ہو گیا۔جب تپش برداشت نہ کر سکے تو بیہوش ہو کر گر پڑے۔یہ تھا اس جلیل القدر قائد اسلام کا حشر جس نے افریقہ سے فرانس کی سرحد تک کے علاقہ کو اسلام کے زیر نگیں کر دیا تھا اور ایسے کارنامے انجام دیئے تھے جو اسلام کی تاریخ میں کبھی فراموش نہ ہوں گے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ اس مجلس میں تشریف فرما تھے۔وہ موسیٰ کی جلالت قدر سے آگاہ تھے۔سلیمان کی غضب آلود نگاہیں اب تک ان سے چار نہیں ہوئی تھیں۔وہ کرب اور بے چینی میں مبتلا رہے۔فرماتے ہیں:

''مجھ پر اس سے زیادہ سخت دن کوئی نہیں گزرا اور نہ اس سے زیادہ کرب میں نے کسی دن اٹھایا۔''

جب سلیمان ان کی طرف متوجہ ہوا تو انہیں لب کشائی کی جرأت ہوئی۔سلیمان کا غصہ کچھ ٹھنڈا ہو چکا تھا۔ضمانت پر رہا کرنا چاہا۔یزید بن مہلب نے ان کی ضمانت قبول کر لی اور اسی وقت تمام ولایتوں سے معزولی کا فرمان سنا دیا گیا۔

موسیٰ کی قسمت انہیں تنزل کی طرف تیزی سے لیے جا رہی تھی۔اس آفت زدہ کو اب کوئی نہیں بچا سکتا تھا۔وہ جاہ وحشم میں ممتاز ترین امرائے دولت میں رہے تھے۔سلیمان کے دور خلافت میں ان کی دولت وحشمت کا باقی رہنا اب ناممکنات میں سے تھا اور نہ اب افریقہ سے اسپین تک کا علاقہ ان کے خاندان کے زیر حکومت رہ سکتا تھا۔

چنانچہ موسیٰ پر خیانت کا فرضی الزام لگا کر مقدمہ چلایا گیا۔موسیٰ مجرم قرار پائے اور تین لاکھ دینار ان پر جرمانہ کیا گیا۔موسیٰ نے اپنی ساری املاک کو جدا کر کے ایک لاکھ دینار

ادا کئے اور نوبت یہاں تک آئی کہ بقیہ رقم کے لیے بنو تمیم اور دمشق کے دوسرے معززین کے سامنے دست سوال پھیلا دیا لیکن پھر سلیمان نے یزید بن مہلب کی سفارش سے باقی ماندہ جرمانہ معاف کر دیا۔

اب وہ ایک ستم زدہ مفلس شہری تھے۔خدم وحشم اور موالی سب رخصت ہو چکے تھے۔صرف ایک غلام نے اپنے آقا کا ساتھ نہ چھوڑا۔موسیٰ کی زندگی کے جو چند دن باقی رہ گئے تھے ان میں وہ ان کے ساتھ رہا۔سلیمان نے موسیٰ سے انتقام لینے کے بعد ان کے صاحبزادوں کو بھی تمام ولایتوں سے معزول کر دیا۔اُندلس کے والی عبدالعزیز بن موسیٰ کا حادثہ قتل پیش آیا۔

موسیٰ 97ہجری میں حج کا فریضہ ادا کرنے جا رہے تھے کہ اثنائے راہ میں وادی القریٰ میں بیمار پڑے۔سلیمان بھی اپنے خدم وحشم کے ساتھ حج کے لیے دمشق سے نکلا تھا بلکہ کہا جاتا ہے کہ موسیٰ بھی اسی قافلہ کے ساتھ تھے۔انہوں نے قافلہ والوں کو سنا کر اپنی وفات سے ایک دن پہلے کہا:

''کل ایک ایسا شخص اس دنیا سے کوچ کرے گا جس کا نام اور کارنامہ مشرق ومغرب میں گونج رہا ہے۔''

یہ سلیمان کی عقل کے لیے موسیٰ کا آخری معنی خیز جواب تھا۔چنانچہ یہ بیماری مرض الموت ثابت ہوئی۔دوسرے دن اٹھہتر (78) برس کی عمر میں ماہ ذی الحجہ 97ہجری میں انہوں نے اس دنیا کو الوداع کہا۔

موسیٰ اکابر صحابہ کی صحبت کا فیض اٹھائے ہوئے تھے۔زہد وورع اور فضل وکمال سے متصف تھے۔حدیث کی روایت کا سلسلہ بھی جاری تھا۔بلاشبہ آج بھی ان کے کارناموں کو مشرق ومغرب کی تاریخ کے صفحات میں نمایاں امتیاز حاصل ہے۔

موسیٰ کے عتاب میں آ جانے کے بعد اُندلس کی ولایت کے لیے سلیمان کی توجہ طارق کی طرف مبذول ہوئی۔سلیمان نے مغیث سے رائے لی۔مغیث کو طارق سے جداگانہ شکر رنجی تھی۔اس نے ذو معنی جملہ میں کہا:

''طارق کو اُندلس میں ایسی مقبولیت حاصل ہے کہ اگر وہ قبلہ رخ کر چھوڑ کر کسی اور سمت کی طرف نماز پڑھنے کا حکم دے تو لوگ امتثال امر کے لیے تیار ہو جائیں گے۔''

سلیمان نے طارق کی محبوبیت کا حال سن کر اپنا خیال بدل دیا۔ پھر طارق کی پوری زندگی گمنامی میں گزر گئی۔ یہاں تک کہ اس کی وفات کا سال بھی مؤرخین کو معلوم نہ ہو سکا۔ طارق اگرچہ اُندلس میں دوبارہ نہیں آیا، لیکن طارق اور مغیث دونوں کی اولادیں اندلس میں پھلی پھولیں اور یہاں کے ذی حیثیت معززین میں شمار کی گئیں۔

اسی دوران اذان فجر کی صدا گونجتی ہے۔ زین العابدین کہتے ہیں:

''بھائی فیضان! انہی تاریخی اور مجاہدانہ باتوں میں رات بسر ہوگئی۔''

محمد فیضان:

''اللہ کی قسم! مجھے تو رات گزرتے محسوس بھی نہیں ہوئی اور ہوتی بھی کیسے، باتیں جو آپ کے منہ سے سن رہے تھے اور وہ بھی اسلامی تاریخ کی۔''

یہ کہہ کر دونوں دوست مسکراتے ہوئے جامع مسجد قرطبہ میں فجر کی نماز باجماعت پڑھنے کے لیے چلے جاتے ہیں۔

☆☆☆

کئی روز کے بعد شام کے وقت مارگریٹ اپنی چند ہم سبق سہیلیوں کے ہمراہ پھر اس باغ میں تفریح کیلئے گئی۔ وہاں پہنچ کر وہ خاموشی سے بیٹھ گئی۔ اتنے میں زین العابدین اور محمد فیضان آگئے اور مختلف موضوع پر گفتگو کرنے لگے۔

زین العابدین:

''آج میں نے ایک عجیب خبر سنی ہے۔''

محمد فیضان چونک کر کہنے لگا:

''وہ کیا۔؟''

زین العابدین:

''اس روز جو تم نے پولوس رسول کے خط کی ایک عبارت پر اعتراض کیا تھا وہ کسی طرح قرطبہ کے اسقف اعظم کے کانوں میں بھی پہنچا دیا گیا جس کے باعث پادریوں میں ایک کھلبلی سی مچ گئی ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ بعض سعادت مند روحیں کچھ متذبذب بھی ہوگئی ہیں۔''

محمد فیضان:

''جی! یہ تو کوئی گپ معلوم ہوتی ہے۔ ہماری گفتگو اس وقت کس نے سنی۔؟''

زین العابدین:

'' ہماری گفتگو کس نے سنی؟ کیا بغیر ہماری گفتگو سے پادریوں میں یونہی ہلچل مچ گئی۔؟''

محمد فیضان:

''آخر ہلچل مچنے کی کوئی وجہ؟ کیا ہمارے اعتراض کو پادریوں نے پہلی بار سنا۔؟'

زین العابدین:

''وجہ تو میں بھی نہیں بتا سکتا۔ البتہ! کل جو کچھ سنا اور جس چیز نے عیسائی حلقوں میں ایک ہلچل سی مچا دی ہے وہ ہمارا ہی اعتراض تھا، کیونکہ پادریوں میں اس مسئلہ کو حل کرنے کیلئے متعدد مجلسیں ہو چکی ہیں۔ اس واقعہ کی خبر مجھے عیسائیوں کے ذریعہ پہنچی ہے۔''

محمد فیضان:

''صرف ایک ہی اعتراض پر عیسائیوں میں ہلچل مچ گئی؟ حالانکہ عیسائیوں کے تمام عقائد خندہ آفرینی کی آپ ہی مثال ہیں۔ کیا یہ مسئلہ کہ گناہ کیا آدم نے اور سزا ملی سب کو اور ان کی وجہ سے تمام انسان گنہگار ہو گئے کچھ کم مضحکہ خیز ہے؟ کیا یہ مسئلہ بھی اپنے اندر کچھ معقولیت رکھتا ہے کہ گنہگاروں کے بدلہ میں ایک بے گناہ انسان کو سزا دی جائے؟ اور ان گناہوں کو اٹھانے کیلئے خدا کا بیٹا دنیا میں آئے اور صلیبی موت مرے۔ کیا ایک کمزور اور ضعیف انسان کو خدا بنا دینا بھی کچھ کم کمال ہے؟ اگر ان تمام اعتراضوں کا جواب عیسائیوں کے پاس ہے تو وہ آئیں اور ہم کو یہ نامعقول باتیں سمجھائیں۔''

زین العابدین قہقہہ لگا کر کہنے لگا:

''اگر یہ نامعقول باتیں عیسائی ایجاد نہ کریں تو ان کا کمال کس طرح ظاہر ہو۔؟ معقول باتیں تو سب ہی کہتے ہیں، مگر نامعقول اور بے سروپا باتیں کہنے اور ایجاد کرنے والا بھی تو کوئی ہو۔!!!

میرے خیال میں ہم کو اس ہلچل سے فائدہ اٹھانا چاہیے اور اعلان کر دینا چاہیے کہ جو عیسائی شریعت اور لعنت کے باہمی تعلق کو سمجھا دے گا ہم اس کے ہاتھ پر بپتسمہ لے لیں گے۔''

زین العابدین:

''تجویز بہت معقول ہے، مگر اس کے ساتھ ہی ہمیں وہ تمام نامعقول باتیں بھی لکھ دینی چاہئیں جو عقل و نقل اور فطرت انسانی کے خلاف ہیں۔''

محمد فیضان:

''بہت ٹھیک۔! میرے خیال میں یہ طریقہ تمام اندلس کے عیسائیوں میں کھلبلی مچا دے گا۔''

باغ کے ایک گوشہ میں قریب ہی مارگریٹ اور اس کی دو سہیلیاں اس گفتگو کو بڑے غور سے سن رہی تھیں اور مارے غصہ کے دانت پیس کر رہ جاتی تھیں۔ آخر مارگریٹ نے محمد فیضان کی گفتگو کو سن کر اپنی ایک ہم سبق سہیلی سے کہا:

''اگر شریعت اور لعنت کے باہمی تعلق کو سمجھنے کے بعد یہ لوگ عیسائی ہو سکتے ہیں تو ضرور ان کو سمجھانے کی کوشش کرنی چاہیے۔! شاید! خداوند یسوع مسیح ان کو اپنی طرف کھینچ لیں اور روح القدس ان کی دستگیری فرمائے۔ اگر یہ لوگ اس مسئلہ کو سمجھ کر عیسائی ہو گئے تو اندلس کے عیسائیوں کی یہ ایسی زبردست فتح ہوگی کہ پھر مسلمان سر نہ اٹھا سکیں گے۔''

پھر مارگریٹ نے آسمان کی طرف دیکھ کر کہا:

''اے خداوند! ان کافروں اور دین مسیحی کے دشمنوں کو اپنی طرف کھینچ کہ تیری بزرگی دنیا پر ظاہر ہو۔!!!''

سہیلی:

''اجی! یہ کافر بڑے سخت ہیں۔ بھلا یہ لوگ شیطان کو چھوڑ کر خداوند یسوع مسیح کا دامن کس طرح پکڑ سکتے ہیں، مگر خرابی یہ ہے کہ ہمارے پادری بھی ان لوگوں سے ڈرتے ہیں۔ کل ہی کی بات ہے کہ میں نے تمہاری تشویش کو دیکھ کر شریعت اور لعنت کے اعتراض کو اپنے حلقہ کے پادری صاحب کے سامنے پیش کیا تو انہوں نے کہا: ''ہم کو ان کافروں کی باتوں پر ہرگز توجہ نہیں کرنی چاہیے۔ ان کا علاج بحث و مباحثہ نہیں، بلکہ تلوار ہے۔'' بھلا جب ہمارے پادریوں کا یہ حال ہو تو پھر یہ مسلمان ہم پر کیوں شیر نہ ہوں۔؟''

مارگریٹ:

''بات یہ ہے کہ ہمارے پادری ان کافروں کے منہ لگنا نہیں چاہتے اور خاموش ہو جاتے ہیں۔ ان کی خاموشی کا مطلب یہ نہیں کہ وہ ان دشمنانِ دین کے سوالات کو حل

نہیں کر سکتے۔ البتہ! جب انہیں یہ معلوم ہوگا کہ اس سوال کے حل کرنے کے بعد بہت سے مسلمان عیسائی ہونے کیلئے تیار ہیں تو وہ بڑی خوشی سے ان کے سوالات کا جواب دیں گے۔"

سہیلی:

"اچھا تو پھر ان مسلمانوں سے ایک تحریر لے کر ان کی اپنے پادریوں سے دوبدو گفتگو کرادینی چاہیے، تاکہ ایک طرف مسیحی علماء جواب دینے پر مجبور ہو جائیں تو دوسری طرف یہ کافر ہمارا مذہب قبول کرلیں۔!!!"

مارگریٹ:

"بہت خوب! اگر ایسا ہو جائے تو کیا کہنا۔ مگر یہ مسلمان اس پر تیار ہو سکیں گے۔؟"

سہیلی:

"کیوں نہیں، ابھی تم نے ان کی زبان سے کیا سنا۔؟"

مارگریٹ:

"تو پھر تاخیر مناسب نہیں! ان کو یہیں مطلع کردو کہ ہمارے پادریوں سے گفتگو کرنے کیلئے تیار ہو جائیں تو میں ایک تحریر لکھ دیتی ہوں۔ تم جا کر ان کو دیدو! دیکھو وہ کیا جواب دیتے ہیں۔!"

سہیلی:

"پہلے اپنے علماء سے تو دریافت کرلو۔ ایسا نہ ہو کہ یہ کافر تو تیار ہو جائیں اور ہمارے پادری تیار نہ ہوں۔!"

مارگریٹ:

"اگر یہ لوگ تحریر دے دیں گے کہ ہم جواب ملنے پر عیسائی ہو جائیں گے تو ہمارے علماء ضرور ان سے بحث کریں گے۔"

اس کے بعد مارگریٹ نے ذیل کی تحریر لکھی جو سہیلی نے جا کر زین العابدین کو دے دی:

"معاف فرمایئے! آپ کی پرائیویٹ گفتگو ہم نے سنا، مگر چونکہ ہم کو بھی مذہبی مسائل سے دلچسپی ہے، اس لئے آپ کو ہماری مداخلت بیجا معلوم نہ ہوگی۔ آپ نے ابھی اپنے ساتھی سے فرمایا ہے کہ اگر عیسائی پادری شریعت اور لعنت کے تعلق کو سمجھا دیں گے تو ہم عیسائی ہو جائیں گے، جس کیلئے آپ چیلنج بھی دینا چاہتے تھے۔ لہٰذا ہم جو خداوند یسوع مسیح کی خادمہ ہیں آپ کے اس چیلنج کو قبول کرتی ہیں، بشرطیکہ آپ بھی اس امر کا تحریری وعدہ فرمائیں۔"

مسیحی دین کی ایک خادمہ!

سہیلی نے جا کر اس تحریر کو زین العابدین کے حوالہ کیا۔ زین العابدین نے فوراً یہ پرچہ محمد فیضان کو دکھایا اور خوش ہو کر ذیل کا جواب دیا:

"آپ کی تکلیف فرمائی کا شکریہ۔ میں اقرار کرتا ہوں کہ اگر آپ کے بزرگوں نے شریعت اور لعنت کے گورکھ دھندے کو سلجھا دیا تو میں بمعہ اپنے ساتھیوں کے عیسائی ہو جاؤں گا۔ فرمایئے کہ ہم کہاں اور کس وقت گفتگو کیلئے حاضر ہوں۔؟"

اسلام کا ایک ادنیٰ خادم: زین العابدین، محلہ قصر الملوک

مارگریٹ نے اس تحریر کو پڑھ کر جواب دیا:

"وقت اور مقام کے متعلق کل میں خود حاضر ہو کر اطلاع دوں گی۔"

قرطبہ کے باغ سے نکلنے کے بعد مارگریٹ کو پہلی فکر یہ پڑی کہ وہ مسلمانوں سے گفتگو کیلئے کسی مسیحی عالم کو تیار کرے، کیوں کہ اگر اس موقع پر عیسائیوں کی طرف سے انکار کر دیا گیا تو پھر بڑی ندامت اور خجالت اٹھانی پڑے گی۔ آخر وہ گھر جانے سے پہلے اپنے شفیق استاذ کے پاس گئی اور اس کو تمام ماجرا سنایا۔ استاد نے لڑکی کی پریشانی دیکھ کر اس کو بہت برا بھلا کہا اور کہا:

"یہ مسئلہ بھی کوئی ایسا مسئلہ ہے جس کے لئے اس قدر اضطراب کی ضرورت ہو۔"

لڑکی نے زین العابدین کی وہ تحریر بھی دکھادی جو اس نے آج ہی شام کو باغ میں لکھ کر اس کے حوالہ کی تھی اور جس میں وعدہ کیا گیا تھا کہ اگر اس سوال کو حل کر دیا گیا تو وہ معہ اپنے

ساتھیوں کے عیسائی ہو جائے گا۔ اس پر لڑکی کے استاد نے معاملہ کو آگے بڑھانا چاہا اور چند شہرہ آفاق مسیحی علماء کی امداد کی ضرورت محسوس کی، چنانچہ انہوں نے لڑکی کو تسلی دے کر رخصت کیا اور کہا:

"کل دوپہر تک ہم گفتگو کے لئے وقت مقرر کر دیں گے۔"

آج کی رات مارگریٹ نے بڑی بے چینی سے گزاری، ہر وقت اس کے دماغ میں یہی سوال گھومتا اور رہ رہ کر خیال آتا تھا کہ اگر ہمارے علماء سے اس سوال کا جواب نہ بن پڑا تو تمام اندلس کے عیسائیوں کی ناک کٹ جائے گی اور پھر ایسی صورت میں کہ شہر کے ذی علم طبقہ میں اس کا چرچہ بھی ہو گیا۔

خدا خدا کر کے سپیدہ صبح نمودار ہوا اور لڑکی معمولات سے فارغ ہو کر انجیل مقدس کا مطالعہ کرنے لگی۔ عین دوپہر کے وقت اپنی دو سہیلیوں کے ساتھ مارگریٹ نے پادری صاحب کے گھر کا رخ کیا اور وہاں جا کر دیکھا کہ بڑے بڑے پادری جمع ہیں اور کسی کے پہنچنے کا انتظار کر رہے ہیں۔ اتنے میں ایک اور پادری صاحب آئے جن کو صدر نشین بنایا گیا۔ اس کے بعد لڑکی کے استاد نے کھڑے ہو کر پہلے تو "خداوند یسوع مسیح" کی حمد و ثنا کی اور پھر اس اجتماع کی غرض و غایت بتائی۔ اس نے تمام مسیحی علماء سے مطالبہ کیا کہ وہ ہمت سے کام لے کر مقابلہ کیلئے تیار ہو جائیں اور کافروں کو مسیحی بنانے میں ان کی امداد کریں۔

ایک پادری:

"میں تو خیال کر رہا تھا کہ کیا خبر ہم کو کس لئے طلب کیا گیا ہے۔ کوئی اہم معاملہ ہو گا، مگر یہاں آ کر معلوم ہوا کہ معاملہ نہایت معمولی ہے۔ اجی اسی وقت "کافروں" کو بلا لیجئے۔! ہم میں سے کوئی شخص ان کی تسلی کر دے گا۔"

دوسرا پادری:

"بات یہ ہے کہ معاملہ تو کچھ زیادہ اہم نہیں ہے، کیونکہ مسلمانوں سے ہمارے ہمیشہ مناظرے ہوتے ہی رہتے ہیں، مگر چونکہ یہ چیز مشہور کر دی گئی ہے کہ عیسائیوں کے پاس مسلمانوں کے اس اعتراض کا کوئی جواب نہیں، اس لئے معاملہ اہم ہو گیا ہے۔"

پادری:

"اچھا! تو گفتگو کیلئے کوئی وقت مقرر کر دیجئے۔!"

ایک شخص:

"کل اتوار ہے اور بڑے گرجا میں تمام مسیحی جمع ہوں گے، اس لئے مسلمانوں کو چرچ ہی میں صبح کے وقت بلا لیا جائے۔ شاید روح القدس ان کی رہنمائی کریں۔"

ایک پادری:

"تجویز تو معقول ہے۔"

پھر مارگریٹ کی طرف دیکھ کر کہا:

"مگر صاحبزادی کے والد بزرگوار جو اسی بڑے گرجا میں عبادت کرواتے ہیں موجود ہوں گے، شاید! وہاں کسی بات کے دریافت کرنے میں ہم کو وقت پیش آئے کہ ہمارے اور مسلمانوں کے درمیان گفتگو کا واسطہ آپ ہی ہیں۔"

دوسرا پادری:

"صاحبزادی کے والد تمام اندلس کے اسقف اعظم ہیں اور ہر شخص جانتا ہے کہ آج ان سے بڑھ کر کوئی شخص بھی مسیح دین کے اسرار و رموز کا شناسا نہیں ہے، اس لئے اس موقعہ پر ان کو ضرور شامل رہنا چاہیے۔"

مارگریٹ کے استاذ میکائیل نے کہا:

"بے شک! بے شک۔!!"

غرض تمام لوگوں نے اس تجویز کو منظور کیا اور گفتگو کیلئے اتوار کا روز مقرر ہوا۔ مارگریٹ کے کہنے سے میکائیل نے ایک رقعہ بھی زین العابدین کے نام لکھ کر دے دیا تا کہ وہ بلا تذبذب گرجا میں آسکیں۔

☆☆☆

آفتاب غروب ہونے میں ڈیڑھ گھنٹہ باقی ہے۔ مارگریٹ باغ جانے سے پہلے ضروری کاموں سے فارغ ہو رہی ہے۔ اتنے میں اس کی دونوں سہیلیاں بھی آ پہنچیں اور وہ ان کو ساتھ لے کر باغ کی طرف خوشی خوشی روانہ ہوئی۔ باغ میں پہنچ کر جہاں زین العابدین اور محمد فیضان بیٹھے ہوئے ہیں اور آج غیر معمولی طور پر کچھ اور لوگ بھی ان کے ساتھ ہیں۔

مارگریٹ نے خود اپنے ہاتھ سے پادری میکائیل کا رقعہ محمد فیضان کو دیا اور سب نے اس کو کھول کر پڑھا۔

معاذ نے مارگریٹ کی طرف دیکھ کر کہا:

"آپ کی تکلیف فرمائی کا بہت بہت شکریہ! اگر جانبین میں سے کسی کو بھی ہدایت ہو گئی تو اس کا اجر سب سے پہلے تم ہی کو ملے گا۔"

زین العابدین:

"یہ خاتون مسیحی فلسفہ کی ماہرہ اور علم الٰہیات کی فاضلہ ہیں۔ دیکھو! کتنا اچھا شوق ہے اور کیسا اچھا جذبہ ہے کہ ہم کو کفر کی تاریکی سے نکالنے کی کوشش کر رہی ہیں۔"

مارگریٹ:

"میں اپنے خداوند یسوع مسیح کی ایک ادنیٰ خادمہ ہوں اور اس پر آپ سب کی شکر گزار ہوں کہ آپ نے ہماری دعوت کو قبول کر لیا۔

ایک مسلمان خداوند یسوع مسیح کے الفاظ سن کر کہنے لگا:

"استغفر اللہ! دیکھو عیسائی کیسے مشرک ہیں! حضرت مسیح علیہ السلام کو خدا کہتے ہیں۔؟ یقیناً ان کی عقل ماری گئی ہے، ورنہ چلتا پھرتا انسان......"

زین العابدین:

"آپ نے تو یہیں بحث چھیڑ دی۔ اس کا فیصلہ تو کل بڑے چرچ میں ہو جائے گا۔"

پھر زین العابدین نے مارگریٹ سے مخاطب ہو کر کہا:

"آپ ہماری طرف سے پادری صاحب کو اطمینان دلا دیں کہ ہم صبح کے ناشتہ سے فارغ ہو کر بڑے گرجا میں حاضر ہو جائیں گے۔"

یہ سن کر مارگریٹ اپنی سہیلیوں کے ساتھ روانہ ہو گئی اور حسب معمول آج باغ میں نہیں بیٹھی، کیونکہ اس کو گھر جا کر کل کی مجلس کے لئے بہت سے انتظامات اور مشورے کرنے ہیں۔

ادھر تو مارگریٹ اپنے مکان پر پہنچی اور دوسری طرف زین العابدین اور محمد فیضان نے گھر جا کر انجیل مقدس اور قرآن حکیم کا مطالعہ کیا اور جن ضروری امور پر اظہار خیال کرنا تھا ان کو یادداشت کی کتاب میں لکھ لیا۔ صبح اتوار کو معلوم ہوا کہ اس گفتگو کی شہرت تمام شہر میں پھیل گئی ہے اور عیسائیوں نے انتظام کیا ہے کہ سوائے چند مسلمانوں کے اور کسی کو گرجا میں داخل ہونے کی اجازت نہ دی جائے۔ چنانچہ صبح کو ایسا ہی ہوا اور تمام مسلمانوں کو گرجا سے واپس آ جانا پڑا۔

زین العابدین، محمد فیضان اور قرطبہ کے چند علماء اسلام گرجا گھر پہنچے اور اجازت ملنے پر اندر داخل ہوئے۔ اندر جا کر معلوم ہوا کہ قرطبہ کے بڑے بڑے پادری جمع ہیں اور مسلمانوں کی ہدایت کیلئے دعا مانگ رہے ہیں۔ آخر تھوڑی دیر کے بعد گفتگو شروع ہوئی۔ مارگریٹ بھی دیگر خواتین کے ساتھ اس مجلس میں شریک ہے۔

میکائیل:

"معلوم ہوا ہے کہ آپ کو عیسائیت کے متعلق چند شکوک ہیں جن کے ازالہ کیلئے آپ تشریف لائے ہیں اور آپ نے وعدہ بھی فرما لیا ہے کہ شافی جواب ملنے پر آپ اسلام کو ترک کر کے مسیحی مذہب اختیار کر لیں گے۔؟"

زین العابدین:

"ہمیں عیسائی عقائد و تعلیم کے متعلق کوئی شک نہیں، بلکہ کامل یقین ہے کہ وہ سراسر بے بنیاد ہیں۔ اگر آپ ہماری تسلی کر دیں اور عقائد سمجھا دیں تو بے شک ہم سب

عیسائی ہو جائیں گے۔"

اس کے بعد میکائیل نے پادریوں میں سے ایک معمر شخص کو گفتگو میں حصہ لینے کا اشارہ کیا۔ وہ اشارہ پاتے ہی زین العابدین کے قریب آ بیٹھے۔ ان کا نام پطرس تھا۔ عربی علوم اور اسلامی کتب کے خاص ماہر سمجھے جاتے تھے۔ اسلام کے خلاف متعدد کتابیں لکھنے کا بھی آپ کو فخر حاصل تھا۔ غرض تمام اندلس میں مسلمانوں کے مقابلہ میں آپ ہی کو قابل ترین متکلم سمجھا جاتا تھا۔ آپ نے زین العابدین سے ذیل کے الفاظ میں خطاب کیا:

"میں نے سنا ہے کہ آپ کو اس بات پر بڑا اعتراض ہے کہ پولوس رسول نے شریعت کو لعنت کیوں کہا۔؟ خیر یہ تو ایک ضمنی اور فروعی مسئلہ ہے۔ پہلے بنیادی اور اصولی مسائل پر گفتگو ہونی چاہیے۔ آپ مسلمان ہیں اور قرآن پر آپ کا ایمان ہے۔ بس خداوند یسوع مسیح اور دین مسیح کا آخری فیصلہ اسی قرآن پر ہونا چاہیے۔"

زین العابدین:

"میں نے تو اپنے پرچہ میں بحث کو متعین کر دیا تھا، جیسا کہ آپ کو بھی اقرار ہے، لیکن اب آپ دوسرے مباحث میں پڑنا چاہتے ہیں۔ جب میں نے لکھ دیا کہ صرف اسی مسئلہ کے حل ہونے پر میں بپتسمہ لے لوں گا تو پھر آپ کیلئے کیا عذر باقی رہ گیا۔؟"

پطرس:

"ہم آپ کے اصل سوال کا جواب بھی دیں گے، مگر پہلے اصلی بات تو طے ہو جائے اور پھر وہ بھی آپ کے مسلمات سے۔ کیا قرآن میں ہمارے خداوند یسوع کو روح اللہ اور کلمۃ اللہ نہیں لکھا۔؟ کیا ان کے متعلق یہ نہیں آیا کہ وہ خالق تھے اور طیور تخلیق کیا کرتے تھے۔؟ کیا انہوں نے مردوں کو زندہ نہیں کیا؟ پس اگر آپ کا ایمان قرآن پر ہے تو آپ کو خداوند یسوع مسیح کے ابن اللہ ہونے میں کیا شبہ رہ گیا ہے۔؟"

زین العابدین:

"آپ نے تو ایک علیحدہ بحث چھیڑ دی ہے جس کا میرے مقصد سے کوئی بھی تعلق نہیں۔ میں تو شریعت اور لعنت کے مفہوم کو سمجھنا چاہتا ہوں۔ اگر آپ اس کے لئے تیار ہوں تو بحث کیجئے! ورنہ ہمیں رخصت دیجئے۔!"

پطرس:

"میں تو قرآن کو آپ کے سامنے پیش کر رہا ہوں اور چاہتا ہوں کہ پہلے اصولی بحث طے ہو جائے، لیکن آپ اصول سے گریز کر کے فروعات میں پڑنا چاہتے ہیں۔ بات یہ ہے کہ قرآن کی ان باتوں کا آپ کے پاس کوئی جواب نہیں۔"

زین العابدین:

"بہت خوب! آپ اصولی بحث بھی کرنا چاہتے ہیں، مگر اپنے مذہب سے ہٹ کر اور قرآن کریم کی پناہ لے کر! لہٰذا یہ کام اور انبیاء نے بھی کیا۔ اس کا ثبوت قرآن مجید میں موجود ہے۔ تو آیئے! پہلے ہم اس امر پر بحث کریں کہ آدم نے گناہ کیا تھا یا نہیں۔ اگر ان کا گناہ ثابت ہو جائے تو پھر اس پر بحث ہوگی کہ وہ گناہ نسلاً بعد نسل انسانوں میں ہوا یا نہیں۔ آدم کے گناہ کرنے سے تمام انسان فطرتاً گناہ گار ہوئے یا نہیں۔ اگر گنہگار ہو گئے تو پھر اس پر گفتگو ہوگی کہ ان کے گناہوں کو کس طرح دور کیا جا سکتا ہے۔؟ پھر حضرت مسیح کی عصمت (از روئے اناجیل) پر بحث ہوگی۔ اس کے بعد آپ کو یہ ثابت کرنا ہوگا کہ مسیح خدا تھا اور خدا ہی انسان کے گناہ اٹھا سکتا ہے۔ جب یہ تمام امور ثابت ہو جائیں تو پھر آپ کو ثابت کرنا ہوگا کہ مسیح مصلوب ہوئے اور تمام بے گناہوں کے بدلہ میں تین دن جہنم میں رہے نہ یہ کہ قرآن حضرت مسیح کے بارے میں یہ کہتا ہے۔"

پطرس:

"یہ تمام باتیں فضول ہیں۔ ہم قرآن سے ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ مسیح روح اللہ کلمۃ اللہ تھے اور آپ نے مردوں کو زندہ کیا۔ پس مسیحی مذہب حق ہے۔"

زین العابدین مارگریٹ کی طرف اشارہ کر کے کہنے لگے:

"اچھا! میں اس معاملہ میں آپ کو حکم تسلیم کرتا ہوں اور آپ سے دریافت کرتا ہوں کہ ہم کو یہاں کس لئے بلایا گیا ہے۔؟ بہن! اس وقت تم کو فیصلہ کرنا ہوگا کہ میں نے اپنے پرچہ میں کیا لکھا تھا اور تم کس لئے ہم کو یہاں لائی ہو۔؟"

مارگریٹ:

"اصل گفتگو تو اسی بات پر ہے کہ شریعت لعنت ہے یا نہیں۔ اگر ہے تو عیسائی اس کو

اختیار کر کے ملعون کیوں بنتے ہیں، مگر مقدس باپ (پطرس) کا بھی اعتراض بجا ہے، لیکن اس میں میرا فیصلہ یہ ہے کہ آپ کے اعتراض کو اٹھایا جائے اور اس کے بعد مقدس باپ آپ سے قرآن کی رو سے کچھ سوالات کریں۔"

زین العابدین:

"یہ میری مرضی پر موقوف ہے کہ میں آپ کیلئے وسیع میدان چھوڑ دوں۔ اچھا میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ جس وقت آپ نے میرے سوال کو حل کر دیا اسی وقت میں آپ کو عام سوالات کی اجازت دے دوں گا۔ ہاں! حسب وعدہ تو میں عیسائی ہو جاؤں گا، پھر مزید گفتگو کی کیا ضرورت۔؟"

پطرس:

"اچھا! جناب!! اپنے سوال کو ذرا وضاحت سے بیان کیجئے کہ اس سے آپ کا مطلب کیا ہے۔؟"

زین العابدین:

"آپ میری ایک ایک بات کا جواب دیتے جائیے۔ اس طرح مطلب خوب واضح ہو جائے گا۔ بتائیے تورات کا یہ حکم کہ تو زنا نہ کر، چوری نہ کر، قتل نہ کر، اپنے پڑوسی کو نہ ستا وغیرہ شرعی احکام ہیں؟ اور کیا ان کا شریعت سے تعلق ہے۔؟"

پطرس:

"ضرور! تمام احکام کا شریعت ہی سے تعلق ہے۔؟"

زین العابدین:

"اور شریعت کے متعلق پولوس رسول کا کیا فتویٰ ہے۔؟"

پطرس:

"کیا فتویٰ ہے۔؟ میں نہیں سمجھا۔!"

زین العابدین:

"آپ خوب سمجھ گئے ہیں، مگر جواب دینے سے گریز کرتے ہیں۔ یہ بتائیے کہ کیا پولوس نے شریعت کو لعنت کہا ہے۔؟"

پطرس:

"پولوس رسول نے اس لحاظ سے شریعت کو لعنت کہا ہے کہ شریعت کا مغز خود خداوند یسوع مسیح کی صورت میں آ گیا۔ مغز کو چھوڑ کر چھلکے پر منہ مارنا حماقت نہیں تو اور کیا ہے۔؟"

زین العابدین:

"میرا بھی یہی مطلب ہے کہ پولوس نے حضرت مسیح کو روح اور شریعت کو جسم قرار دے کر شریعت کو لعنت کہا ہے اور چونکہ بقول آپ کے تورات کے اس حکم کا تعلق شریعت سے ہے، لہٰذا قتل اور زنا سے پرہیز کرنا بھی لعنت ہوا۔"

پطرس:

"اصل بات یہ ہے کہ آپ بغیر روح القدس کی تائید کے ان اسرار کو سمجھ نہیں سکتے اور کچھ ضروری نہیں کہ جس مسئلہ کو آپ نہ سمجھ سکیں وہ فی نفسہ غلط بھی ہو۔ پولوس رسول نے جسمانی شریعت کو لعنت کہا ہے، نہ کہ ہر قسم کی شریعت کو۔"

زین العابدین:

"تسلیم! بے شک پولوس نے جسمانی شریعت کو لعنت کہا ہے، اب آپ فرمائیے کہ زنا کرنا، چوری سے پرہیز کرنا، ماں باپ کو نہ ستانا وغیرہ جسمانی شریعت کے احکام ہیں یا باطنی، روحانی اور اخلاقی شریعت کے۔؟"

پطرس:

"آپ تو ایک بات پر اڑ گئے ہیں۔ سنو! پولوس کے مقابلہ میں خداوند یسوع مسیح کا قول مقدم ہے اور خداوند نے فرمایا ہے: تم تورات کے احکام پر عمل کرو۔"

زین العابدین:

"گویا حصول نجات کیلئے تورات پر عمل کرنا ضروری ہے۔ اگر یہ بات سچ ہے تو پھر آپ نے خدا کے بیٹے کو صلیب پر مار کر کفارہ کا مسئلہ کیوں گھڑا۔؟ جب تورات پر عمل کرنا ہی ضروری ٹھہرا تو پھر کفارہ کا یہ طوفان کیوں کھڑا کیا گیا۔؟ کیا مسیح کے کفارہ کے بعد بھی تورات کے احکام پر عمل کرنا ضروری ہے۔؟"

پطرس:

"ہم کچھ نہیں جانتے، سوائے اس کے کہ ہمارے خداوند نے تورات پر عمل کرنے کی ہدایت فرمائی ہے۔ البتہ! بغیر کفارہ کے محض شریعت پر عمل کرنے سے نجات نہیں مل سکتی۔"

زین العابدین:

"تو موسیٰ، داؤد، سلیمان، ایوب، یوسف، نوح اور تمام انبیاء کرام علیہم السلام نجات سے محروم رہ گئے ہوں گے، کیونکہ ان کے پاس نجات کا ذریعہ صرف شریعت کی تعمیل تھی۔ نیز ان انبیاء کی امتیں بھی نجات سے محروم ہو گئی ہوں گی۔"

پطرس:

"مسیح سے پہلے نجات کا ذریعہ تو شریعت ہی تھی، لیکن خداوند کے کفارہ نے اس طریق کو بدل دیا اور اس کے بجائے کفارہ نجات کا ذریعہ ٹھہرا۔"

زین العابدین:

"پہلے آپ نے پولوس رسول کے قول سے انکار کیا کہ شریعت لعنت نہیں اور پھر شریعت کے مدارِ نجات ہونے کا انکار کر دیا، کیا آپ اپنے اس قول کے ثبوت میں کہ پولوس نے جو شریعت کو لعنت کہا ہے ٹھیک نہیں ہے، کسی بزرگ کا قول پیش کر سکتے ہیں۔؟"

ایک شخص:

"حضرات! اصل بات یہ ہے کہ ان مسائل پر گفتگو کرنا سراسر الحاد اور کفر ہے۔ یہ تمام باتیں اسرارِ الٰہیہ سے تعلق رکھتی ہیں۔ پولوس رسول نے بے شک شریعت کو لعنت کہا اور ہے بھی شریعت لعنت، لیکن آپ ان بھیدوں کو سمجھنے کی قابلیت نہیں رکھتے۔ ہماری نجات کا ذریعہ خداوند یسوع مسیح کی الوہیت اور کفارہ ہے، کیونکہ آپ گناہوں سے پاک اور خدائے مجسم تھے، جنہوں نے اپنے فضل و کرم سے ہمارے بدلہ میں صلیب کے مصائب اٹھائے اور ہم کو نجات دے گئے۔"

دوسرا شخص:

"آپس میں تو نہ لڑو! آپ نے مقدس پطرس کی تردید کرنی شروع کر دی۔"

زین العابدین:

"غلط اور بے بنیاد باتوں کا حشر یہی ہوا کرتا ہے، اب دوسرے صاحب نے کفارہ اور الوہیت کا مسئلہ چھیڑ دیا۔ پہلے شریعت اور لعنت کی بحث تو ختم ہو جائے۔"

پطرس:

"آپ کو شافی جواب دے دیا گیا، آپ کو آٹھ روز کی مہلت دی جاتی ہے۔ اگر اس کے اندر بھی آپ کے شکوک زائل نہ ہوں تو آپ پھر یہاں آ سکتے ہیں۔؟"

زین العابدین:

"آپ شریعت کو لعنت نہیں سمجھتے اور آپ کے بھائی نے بیان کیا کہ شریعت لعنت ہے اور پولوس نے سچ لکھا ہے۔ بتایئے! دونوں میں سچا کون ہے۔؟"

پطرس:

"یہ ابھی مدرسہ الٰہیات کا ایک طالب علم ہے، اس کو مسیحی دین کے اسرار کا علم نہیں ہے، اس لئے آپ اس کی باتوں کی طرف کوئی توجہ نہ دیں۔"

زین العابدین نے مارگریٹ کو مخاطب کر کے کہا:

"آپ فرمایئے! ان دونوں میں سچا کون ہے؟ اور پولوس رسول نے شریعت کو لعنت لکھنے میں کوئی غلطی کی ہے۔؟"

مارگریٹ:

"میں تو آپ کی گفتگو سننے کیلئے یہاں آئی ہوں، اس لئے میں کسی کے معاملہ میں دخل نہیں دے سکتی۔ البتہ! اپنے استاذ میکائیل سے درخواست کرتی ہوں کہ آپ اپنی علمی قابلیت سے اس مسئلہ کو سلجھانے کی کوشش کریں، کیوں کہ ہمارے معزز مہمان تو کیا میں خود بھی اس کو اب تک نہیں سمجھ سکی۔!"

مارگریٹ کے ان الفاظ نے تمام مجلس میں ایک حیرت کی لہر دوڑا دی اور ہر شخص ایک دوسرے کی صورت دیکھنے لگا۔ اتنے میں میکائیل اٹھے اور مجمع کو مخاطب کر کے یوں گویا ہوئے:

"بھائیو! یہاں ہم ایمان کی چھان بین کیلئے جمع ہوئے ہیں اور بے شک یہ بڑا مبارک کام ہے، مگر شرط یہ ہے کہ دل میں خلوص اور سچائی کو قبول کرنے کی تڑپ موجود ہو۔

ایمان کا معاملہ ایسا ہے کہ جس میں انسان اپنی کوشش سے کامیاب نہیں ہو سکتا، جب تک خدا اس کی دستگیری نہ کرے۔ پس چاہیے کہ ہم اور آپ خدا کے حضور میں عاجزی کے ساتھ دعا کریں کہ وہ روح القدس کی تائید سے ہم پر اصل حقیقت منکشف کر دے اور دین مسیحی کے اسرار ہم کو سمجھا دے۔"

تمام عیسائیوں نے آواز بلند سے آمین کہا۔

میکائیل پھر گویا ہوئے:

"بزرگو! شریعت لعنت ہے یا نہیں؟ یہ ایک بیکار سی بات ہے۔ اصل میں بات یہ ہے کہ ہمارے محمدی بھائیوں کو عیسائیت کے اصول وعقائد کا علم نہیں ہے، اس لئے وہ بہکی بہکی باتیں کرتے ہیں۔ ہمارے مذہب کا خلاصہ دو لفظوں میں آ جاتا ہے: خداوند یسوع مسیح کی الوہیت اور کفارہ۔ جس نے ان دو باتوں کو سمجھ لیا وہ گویا دین مسیحی کے کل اسرار سمجھ گیا۔ خدا باپ کی یہ کتنی بڑی مہربانی ہے کہ اس نے ہماری نجات کیلئے اپنے اکلوتے بیٹے کو بھیجا۔ جس نے دنیا میں آکر ہماری خاطر تکلیفیں اٹھائیں۔ اب میں مہمانوں سے درخواست کروں گا کہ وہ شریعت اور لعنت کی فضول بحث کو چھوڑ کر خداوند یسوع کی ذات مقدس اور ان کے بے مثل کفارہ پر غور کریں اور دین مسیحی پر ایمان لائیں۔"

زین العابدین:

"یہاں ہم باتیں بنانے کیلئے نہیں آئے۔ ہم ایک اصول کے پابند ہیں اور اصولی گفتگو کرنا چاہتے ہیں۔ ہم نے پہلے ہی اپنے پرچہ میں "موضوع بحث" کو متعین کر دیا تھا، جس کی شاہد ہماری بہن مارگریٹ ہیں۔ اب آپ چاہتے ہیں کہ اصل موضوع بحث کو چھوڑ کر مسیح کی الوہیت اور کفارہ پر تبادلہ خیالات کروں۔؟ میں تو اس کیلئے بھی تیار ہوں، بشرطیکہ آپ یہ لکھ دیں کہ شریعت کی بحث کو چھوڑ کر مسیح کی الوہیت اور کفارہ پر گفتگو کی جائے۔"

پطرس:

"ہمارا یہ مطلب نہیں کہ آپ ان مسائل پر گفتگو نہ کریں، بلکہ مقصد یہ ہے کہ ان اصولی باتوں پر آپ غور کریں۔"

زین العابدین:

"پھر ہم کو آپ نے یہاں کیوں بلایا ہے؟ غور کرنے کیلئے گرجا اور مسجد کی ضرورت نہیں۔ اگر آپ گفتگو کرنا نہیں چاہتے تو صاف صاف فرما دیجئے تا کہ ہمارا وقت ضائع نہ ہو۔"

میکائیل:

"آپ کو مقدس پطرس کی تقریر سے غلط فہمی ہو گئی، ورنہ ان کا یہ مطلب نہیں کہ گفتگو کا سلسلہ بالکل منقطع کر دیا جائے۔ مطلب صرف یہ ہے کہ آپ اصولی باتوں پر غور کر کے سوالات کر سکتے ہیں۔ اچھا اب دوپہر ہو گئی ہے۔ آپ کو کھانا بھی تناول کرنا ہو گا، اس لئے فرمائیے کہ دوبارہ کب تشریف لائیں گے۔؟"

زین العابدین:

"بس یہی وقت بہت موزوں ہے۔ کیا معلوم آئندہ یہ مبارک موقع ملے یا نہیں۔"

میکائیل:

"آپ کو نماز بھی تو پڑھنی ہو گی۔؟"

زین العابدین:

"نماز ہم اسی گرجا میں ادا کر لیں گے۔ اسلام میں نماز کیلئے مسجد کا ہونا شرط نہیں ہے۔"

پطرس:

"میرے خیال میں آئندہ اتوار کو بحث پھر شروع کی جائے۔"

زین العابدین:

"میرا خیال تو یہ ہے کہ اس بحث کو ہرگز منقطع نہ کیا جائے، شاید اللہ تعالیٰ ہم کو ہدایت دیدے۔"

میکائیل:

"اچھا! کل اسی وقت پھر بحث شروع ہو اور دوپہر تک ختم کر دی جائے۔"

مارگریٹ:

"اگر بحث کو کل پر ملتوی کیا جاتا ہے تو دوپہر تک نہیں، بلکہ شام تک اس کو جاری رہنا

"چاہیے، تا کہ کوئی نتیجہ تو نکلے۔"

میکائیل:

"ہرگز نہیں! کیا ہمیں اور کوئی کام کرنا نہیں ہے۔؟"

مارگریٹ:

"میرے خیال میں اس کام سے زیادہ ضروری اور کوئی کام نہیں ہو سکتا۔!"

غرض طے پایا کہ کل صبح سے لے کر دوپہر تک پھر یہ اجتماع ہو۔ یہاں یہ پہلی مجلس ختم ہو جاتی ہے اور زین العابدین تمام عیسائیوں کا شکریہ ادا کر کے اپنے گھر چلے جاتے ہیں۔

☆☆☆

پادری اور مارگریٹ ابھی تک گرجا ہی میں بیٹھے ہوئے ہیں۔

ایک پادری:

"افسوس ہے! کہ آپ حضرات نے ان کافروں کو معترض بننے کا موقع دیدیا اور دین مسیحی کا مذاق اڑایا۔ ان ملحدوں کا علاج صرف یہ ہے کہ ان کے سامنے قرآن کو پیش کیا جائے۔ مقدس پطرس نے ابتداء میں یہی طریقہ اختیار کیا تھا، مگر افسوس کہ وہ اپنی چالاکیوں سے نکل گئے اور شریعت کی بحث لے بیٹھے۔ اگر کل بھی یہی طریقہ جاری رہا تو ہم کو سخت زک اٹھانی پڑے گی، کیونکہ جو چیز وہ دریافت کرتے ہیں وہ اسرار الٰہیہ میں سے ہے جس کو سوائے راہبوں کے اور کوئی نہیں سمجھ سکتا۔"

میکائیل:

"اصل میں بحث کی ابتداء ہی خراب ہو گئی، ورنہ قرآن سے ہی ان پر الزام دیا جاتا کہ کیا قرآن میں مسیح خداوند کو خالق اور زندہ کرنے والا نہیں لکھا۔؟ کیا اسی قرآن نے ان کو روح اللہ اور کلمۃ اللہ نہیں کہا۔؟"

پطرس:

"مگر اب تو کل کیلئے بحث بھی متعین ہو گئی ہے کہ الوہیت اور کفارہ پر بحث ہو گی اور دیکھو میں نہایت خوبی سے اس سے ان کو ہٹانا چاہتا تھا، مگر میکائیل نے ان کو جما دیا۔"

میکائیل:

"آپ مجھ پر الزام نہ لگایئے! یہ سب کچھ کیا کرایا آپ ہی کا ہے۔!"

ایک پادری:

"آپس میں لڑنے سے کیا فائدہ؟ کل اگر خداوند کی الوہیت پر بحث ہو گی تو دیکھا جائے گا۔ یہ مسیحی دین کوئی کچا دھاگہ تو نہیں ہے کہ ہاتھ لگایا اور ٹوٹ گیا۔؟"

غرض آپس کی ان گفتگو کے بعد یہ تمام عیسائی مجمع چرچ سے نکلتے ہی چاروں طرف پھیل گیا۔ ان ہی کیساتھ مارگریٹ اپنی سہیلیوں اور ہم سبق لڑکیوں کے ساتھ چرچ سے نکل کر چلی اور راستہ میں اپنی ایک سہیلی سے یوں گویا ہوئی:

''دیکھا! مسلمانوں کی غیبت میں تو کہا جاتا ہے کہ وہ ہمارا مقابلہ کر ہی نہیں سکتے، مگر سامنے سب کی حقیقت ظاہر ہوگئی۔ افسوس! میرے والد عبادت کرتے ہی ایک ضروری کام کیلئے گھر تشریف لے گئے، کیونکہ ان کو میکائیل اور پطرس کی علمی قابلیتوں پر اعتماد تھا، ورنہ وہ ان کافروں کو چھٹی کا دودھ یاد دلا دیتے۔''

سہیلی:

''بات اصل یہ ہے کہ سوال ہی بڑا سخت ہے۔ اس میں آپ کے والد صاحب ہی بھلا کیا کر لیتے۔؟''

دوسری سہیلی:

''میرے خیال میں تو ہمارے عقائد و اصول ہی کچے ہیں، ورنہ ہمارے تمام پادریوں کو اس قدر ذلت کیوں اٹھانی پڑتی۔؟''

مارگریٹ:

''توبہ! توبہ!! تم تو صرف ایک ہی بحث میں مذبذب ہوگئیں۔؟ اجی! ہمارے عقائد تو بڑے پکے ہیں، مگر ان کو کوئی سمجھانے والا بھی تو ہو۔ اچھا! کل خداوند یسوع مسیح کی الوہیت پر گفتگو ہوگی۔ اس میں دیکھنا ان کافروں کی کیا گت بنتی ہے۔''

اتنے میں یہ تمام لڑکیاں ایک چوراہے پر پہنچ گئیں اور وہاں سے اپنے اپنے گھروں کو روانہ ہوگئیں۔

☆☆☆

پیر کے روز گرجا میں پادریوں کی پھر آمد و رفت شروع ہوگئی۔ آج مارگریٹ کے ساتھ بہت سی مسیحی خواتین تشریف لے آئیں، تاکہ وہ بھی اس بحث کو سن کر لطف اندوز ہوں۔ تھوڑی دیر کے بعد زین العابدین، محمد فیضان اور دیگر علماء اسلام بھی آ پہنچے۔ ان کے آتے ہی پادریوں کے چہرے متغیر سے ہو گئے اور وہ ایک دوسرے سے نہایت خاموشی کے ساتھ باتیں کرنے لگے۔ اتنے میں زین العابدین نے مجمع کو مخاطب کر کے فرمایا:

''جیسا کہ کل طے ہو چکا ہے کہ آج مسیح کی الوہیت اور کفارہ پر بحث ہوگی، چونکہ بیک وقت ان مسائل پر پوری بحث نہیں ہو سکتی، اس لئے ان دونوں میں سے پہلے کسی ایک مسئلہ کو منتخب کر لیا جائے۔''

پطرس:

''دونوں مسئلے درحقیقت ایک ہی ہیں اور دونوں کا آپس میں شدید تعلق ہے۔ آپ جس مسئلہ پر چاہیں تقریر کریں۔''

زین العابدین نے پہلے قرآن مجید کی سورۂ فرقان کی چند آیات تلاوت کیں جن کے اثر سے مارگریٹ کے چہرے پر تغیر کے آثار نمایاں ہو گئے اور آخر میں تو اس پر اس قدر رقت طاری ہوئی کہ وہ بے ہوش ہو کر گر پڑی۔ فوراً تمام سہیلیوں نے اسے پکڑ کر اٹھایا۔ پطرس اور میکائیل نے بیہوشی کی وجہ دریافت کی، مگر مارگریٹ بجائے جواب دینے کے اپنے سرخ رخساروں پر آنسوؤں کی گرم گرم بوندیں ٹپکا رہی تھی۔

بڑی مشکل سے مارگریٹ کو ہوش آیا۔ دریافت کرنے پر اس نے کہا:

''مجھ پر ایک ماہ سے غشی اور بیہوشی کے دورے پڑ رہے ہیں۔ آپ فکر نہ کیجئے اور بحث و نظر کی کارروائی کو جاری رکھئے۔''

بعض پادریوں کو شبہ ہو گیا تھا کہ شاید مارگریٹ پر اسلام کا کچھ اثر پڑ گیا ہے، مگر مارگریٹ کی اس تصنع آمیز گفتگو سے یہ شبہ چند روز کے لئے زائل ہو گیا اور اب مجلس کی کارروائی پھر شروع ہوئی۔ زین العابدین پھر کھڑے ہوئے کہا:

''صاحبان! ہم سے کہا گیا ہے کہ مسیحی عقائد کا اصل اصول مسیح کی الوہیت اور کفارہ ہیں۔ اس وقت میں صرف کفارہ کے متعلق ایک بات دریافت کرنا چاہتا ہوں۔ اسی میں مسیح کی الوہیت کا مسئلہ بھی حل ہو جائے گا۔ وہ بات یہ ہے کہ کفارہ کیلئے خدا کے بیٹے کی کیا ضرورت تھی؟ اس مقصد کیلئے کسی نیک انسان کو منتخب کر لیا جاتا جو تمام گنہگاروں کے بدلہ میں صلیب پر چڑھ کر جان دیدیتا۔؟ آخر خدا کے بیٹے کو ہی کیوں مصلوب کیا گیا۔؟''

اس سوال کا جواب دینے کیلئے مقدس پطرس کو پھر منتخب کیا گیا، مگر ان کی حالت سخت زبوں تھی۔ انتہائی تذبذب کے عالم میں کھڑے ہوئے اور یوں ارشاد فرمایا:

''کفارہ کیلئے خدا کے بیٹے ہی کی ضرورت تھی، کیونکہ تمام انسان خواہ وہ نبی ہوں یا رسول گنہگار ہیں اور ظاہر ہے کہ گنہگار گنہگاروں کا شفیع نہیں بن سکتا، چونکہ خداوند یسوع مسیح خدا کے اکلوتے بیٹے اور گناہوں سے پاک تھے۔ اس لئے ان ہی کو گناہگاروں کی خاطر مصلوب کیا گیا۔''

زین العابدین:

''بہت خوب! مگر یہ فرما دیجئے کہ مصلوب کیا چیز ہوئی یعنی مسیح کی الوہیت مصلوب ہوئی یا مسیح کی انسانیت۔؟ اگر مسیح کی خدائی مصلوب ہوئی تو معلوم ہوا کہ خدا کی ذات واحد نے صلیب کی تکلیفوں کو برداشت کیا اور خدا ہی کی ذات پر موت وارد ہوئی، گویا خدا مر گیا۔ اگر کہو کہ مسیح کی انسانیت مصلوب ہوئی اور اس نے تمام تکلیفیں برداشت کیں تو پھر آپ کا جواب بیکار ہو گیا، کیونکہ اس صورت میں کسی انسان ہی کو صلیب پر چڑھانا مناسب تھا نہ کہ خدا کو۔ اس لئے کہ دونوں صورتوں میں صرف انسانیت ہی کو مصلوب ہونا تھا نہ کہ خدائی کو۔''

پطرس:

''بے شک خداوند یسوع مسیح کامل خدا اور کامل انسان تھا، اس میں دونوں چیزیں بوجہ

کمال موجود تھیں، لیکن اس کی انسانیت بھی اس کی الوہیت کی طرح گناہوں سے پاک تھی۔ اس لئے ان کا کفارہ ہونا ضروری تھا، چونکہ دوسرے انسان سب کے سب گنہگار ہیں، اس لئے وہ کفارہ نہیں ہو سکتے۔''

زین العابدین:

''معذرت! انجیل موجودہ میں لکھا ہے کہ حضرت مسیح بھی گناہوں سے پاک نہیں تھے۔ پھر یہ کفارہ گناہوں سے پاک فرد کا نہ ہوا۔ آپ کے بیان کے مطابق صرف اس لئے کہ دنیا میں کوئی بے گناہ انسان موجود نہ تھا جو کفارہ ہوتا آسمان سے خدا ہی کو نیچے آنا پڑا اور یہاں آ کر بھی اس کی خدائی مصلوب نہ ہوئی۔ اگر کفارہ کیلئے کسی بے گناہ انسان کی تلاش تھی تو خدا نے خود آنے کے بجائے ایک ایسا انسان پیدا کیوں نہ کر دیا جو بے گناہ ہوتا اور بجائے خدا کے خود صلیب پر مر کر کفارہ ہو جاتا۔؟''

پطرس:

''خدا کے بھید خدا ہی جانتا ہے۔ ہم کچھ نہیں بتا سکتے کہ اس نے ایسا کیوں نہ کیا اور خود کیوں اس کام کیلئے دنیا میں آ گیا۔ البتہ ایک بات معلوم ہوتی ہے یعنی خدا کا کفارہ کے لئے دنیا میں آنا اس کے کمال محبت وشفقت پر دلالت کرتا ہے۔ گویا خدا نے اپنے بندوں سے ایسا پیار کیا کہ اس نے اپنا اکلوتا بیٹا بھیج دیا جو دوسروں کے بدلہ میں اپنی جان فدیہ میں دے گیا۔ خدا کے بجائے کسی انسان کے بھیجنے سے یہ مقصد ہرگز پورا نہ ہو سکتا تھا۔''

زین العابدین:

''اگر خدا کو اپنے بندوں سے ایسا ہی پیار کرنا تھا تو اس نے دنیا کے آغاز میں ہی اپنے بیٹے کو کیوں نہ بھیج کر سولی پر مار دیا، کیا حضرت عیسیٰ سے پہلے کی مخلوق سے خدا کا کوئی تعلق نہ تھا؟ پھر اس نے اپنی محبت کا اظہار ہزاروں برس بعد کیوں کیا۔؟''

پطرس:

''اس راز کا ہم کو علم نہیں۔ خدا کے بھید خدا ہی جانتا ہے۔!!''

زین العابدین:

''میرا سوال بدستور باقی ہے۔ خدا کا بھید، بھید کہنے سے کچھ نہیں بنتا فرمائیے کہ جب

مصلوب انسانیت ہی ہوئی تو خدا کا خود آنا بیکار ثابت ہوا۔ کسی اور ہی انسان کو بھینٹ چڑھا دیا جاتا۔"

پطرس:

"میں جواب دے چکا کہ انسان گنہگار ہونے کی وجہ سے کفارہ نہیں ہو سکتے تھے۔ مسیح کی انسانیت اس لئے کفارہ ہوئی کہ وہ بے گناہ اور معصومیت کا پیکر تھی۔"

زین العابدین:

"یہ آپ کو معلوم ہے کہ حضرت مسیح حضرت مریم صدیقہ کے پیٹ سے پیدا ہوئے تو اس پیدائش کا تعلق انسان سے تھا یا خدا سے یعنی خدا پیدا ہوا یا انسان۔؟"

پطرس:

"خدا تو پیدائش سے پاک ہے۔ مسیح کے اندر جو انسانیت تھی اس کی پیدائش ہوئی۔"

زین العابدین:

"اور صلیب پر کون مرا؟ خدا یا انسان۔؟"

پطرس:

"خدا مرنے سے بھی پاک ہے۔ صلیب پر انسان ہی مرا یعنی مسیح کی انسانیت۔"

زین العابدین:

"گویا پیدائش اور موت کا تعلق مسیح کی انسانیت سے ہے، نہ کہ الوہیت سے۔"

پطرس:

"بے شک!! بے شک!!!"

زین العابدین بائبل کی کتاب ایوب کو ہاتھ میں لے کر کہتے ہیں:

"دیکھئے! ایوب کی کتاب ۱۴/۱۵ میں لکھا ہے کہ جو عورت سے پیدا ہوا وہ گنہگار ہے۔ چونکہ بقول آپ کے پیدائش الوہیت کی نہیں ہوئی، بلکہ انسانیت کی ہوئی تھی۔ اس لئے حضرت ایوب کے فیصلہ کے مطابق مسیح کی انسانیت بھی گناہگار ہوئی اور دیکھیے رومیوں ۲۳/۶ میں لکھا ہے کہ گناہ کی مزدوری موت ہے۔ موت اس بات کا ثبوت ہے کہ مرنے والا گناہگار ہے اور چونکہ بقول آپ کے حضرت مسیح کی الوہیت یا خدائی

مصلوب نہیں ہوئی، بلکہ مسیح کی انسانیت مصلوب ہوئی تھی اس لئے وہی انسانیت گناہگار بھی ثابت ہوئی۔ پس آپ کا یہ فرمانا کہ مسیح کی انسانیت مصلوب ہو کر کفارہ ہوئی تھی جو گناہگار تھی۔ اس لئے پھر وہی سوال پیدا ہوتا ہے کہ خدا نے کسی اور گناہگار انسان کو مصلوب کیوں نہ کیا، تا کہ خدا کی خدائی تو محفوظ رہتی۔ دوسرا بقول آپ کے گناہگار انسان گناہگاروں کا کفارہ نہیں ہو سکتا۔ اس لئے مسیح بھی کفارہ نہ ہوئے۔"

پطرس گھبرا کر اور پسینہ پسینہ ہو کر کہنے لگے:

"ہم کہہ چکے ہیں کہ یہ سب خدا کے بھید ہیں۔ خدا نے جس طرح چاہا کیا۔ ہم یا آپ اعتراض کرنے والے کون۔؟"

زین العابدین:

"اگر خدا کے بھید پر ہی آپ کے مذہب کا دارومدار ہے تو ہم کو آپ نے یہاں کیوں بلایا اور دو ہفتوں سے ہمارا اور اپنا قیمتی وقت کیوں ضائع کیا۔؟"

چونکہ مارگریٹ الٰہیات کے مسائل سے خاص دلچسپی رکھتی تھی۔ اس لئے اس نے تمام گفتگو کو بڑے غور سے سنا اور دل ہی دل میں پادریوں پر دانت پیستی رہی کہ جب ان سے جواب نہیں بن پڑتا تو خدا کے بھیدوں میں پناہ لینے لگتے ہیں۔ اتنے میں پادری میکائیل اٹھے اور یوں گویا ہوئے:

"صاحبو! آج دین مسیحی اور دین محمدی کا مقابلہ ہے، مگر تم جانتے ہو کہ دین محمدی کیا ہے؟ دین محمدی نے چار چار عورتوں سے نکاح ضروری قرار دیا۔ اس نے غیر مسلموں کے عام طور پر قتل کرنے کا حکم دیا۔ اسلام کے پیغمبر نے گیارہ گیارہ عورتوں سے شادیاں کیں اور............"

زین العابدین:

"اگر آپ کو ہمارے سوالات کا جواب بن نہیں پڑتا تو صاف صاف فرمائیے! پھر اسلام کے متعلق جو کچھ آپ کو اعتراضات ہوں پیش کیجئے۔! ہم سب کا جواب دینے کیلئے تیار ہیں۔ کیا آپ کے یہی اخلاق ہیں کہ گھر پر بلا کر جواب دینے کے بجائے دل آزار تقریریں کرتے ہیں۔؟"

پھر زین العابدین نے مارگریٹ کی طرف اشارہ کر کے کہا:

"آپ ہی فرمائیے کہ کیا پادری صاحبان کا یہ طریقہ مناسب ہے۔؟"

یہ سنتے ہی مارگریٹ سے نہ رہا گیا۔ فوراً کھڑی ہوگئی اور اس نے بھرائی ہوئی اور مرعوب آواز میں چند الفاظ کہے:

"میں نے اول سے لے کر آخر تک اس گفتگو کو سنا اور مجھے افسوس ہے کہ نہ تو مقدس پطرس نے ان سوالات کا کوئی جواب دیا اور نہ میکائیل نے۔ زین العابدین کا مطالبہ بالکل صحیح ہے یا تو ان کے سوال کا جواب دیا جائے یا اپنی شکست کا اقرار کرلیا جائے، مگر میرے خیال میں آپ سے نہ تو اقرار ہوگا نہ انکار۔ اس لئے اس بحث کو یہیں ختم کردیا جائے گا، تاکہ عیسائی مذہب کی ہنسی نہ اڑے اور آپ حضرات کی رہی سہی علیت کا پردہ بھی فاش نہ ہونے پائے۔ حیرت کی بات ہے کہ......"

پطرس:

"مارگریٹ! تمہارا دماغ تو خراب نہیں ہوگیا ہے۔؟ تم اس قدر بیہودہ سرائی پر کیوں اتر آئی ہو۔"

پھر لوگوں کی طرف مخاطب ہوکر کہا:

"اس لڑکی کے سر پر شیطان سوار ہوگیا ہے۔ وہ خداوند یسوع مسیح سے دور جا پڑی ہے اور تعجب نہیں کہ یہ پاگل ہوگئی ہو۔"

مارگریٹ:

"مجھ غریب پر غصہ اتارنے کے بجائے بہتر یہ ہے کہ آپ یا تو مسلمانوں کے سوالات کا جواب دیں یا گفتگو بند کردیں۔ مجھ پر جتنے الزام لگائے گئے ہیں میں ان کا یہاں جواب دینا نہیں چاہتی، لیکن اگر میری حق گوئی کا یہی صلہ ہے تو چلو تم مجھے پاگل تصور کرلو۔"

میکائیل:

"لڑکی! خاموش نہیں رہتی۔ بک بک کئے جاتی ہے؟ ہم نے مسلمانوں کے جملہ سوالات کے جواب دیدیئے۔ تجھ کو ہمت ہے تو میدان میں آکر جواب دے لے۔!"

ایک پادری:

"اجی! معلوم ہوتا ہے کہ اندر ہی اندر کافرہ ہوگئی ہے۔ بھلا یہ مسلمانوں کے سوالات کا کیا جواب دے گی۔؟ اس گستاخ لڑکی کے والد محترم کو کل واقعات کی اطلاع کردینی چاہیے۔ اس کو اس کے کیفر کردار تک پہنچانا چاہیے۔"

مارگریٹ کی سہیلی جیولی نے کہا:

"افسوس ہے کہ تم لوگوں نے انصاف سے کام نہیں لیا۔ بچاری مارگریٹ پر سب ٹوٹ پڑے۔ کوئی اس کو پاگل ثابت کررہا ہے اور کوئی اس کو دھمکی دے رہا ہے، مگر اصل بات پر کوئی توجہ نہیں کرتا۔ اجی! مارگریٹ بالکل ٹھیک کہتی ہے کہ تم لوگوں سے زین العابدین کے سوالات حل نہیں ہوسکے، مگر اس کا مطلب یہ تو نہیں ہے کہ مسیحی دین جھوٹا ہے، بلکہ تم لوگ ناقابل ہو اور اپنی ناقابلیت سے مسیحی دین کو بدنام کرنا چاہتے ہو۔"

پطرس:

"ان لڑکیوں کو یہاں سے باہر نکال دو! ان کم بختوں کو کس نے کہا ہے کہ ہماری باتوں میں دخل دیں۔"

زین العابدین:

"اگر آپ مجھے بولنے کی اجازت دیں تو میں آپ حضرات کو مارگریٹ کا مطلب سمجھا دوں۔؟"

میکائیل:

"آپ ہماری باتوں میں دخل نہ دیجئے! یہ ہمارے گھر کا معاملہ ہے۔!!!"

دوسرا پادری:

"اگر مارگریٹ اور جیولی دونوں کافرہ ہوگئی ہوں تو۔؟"

میکائیل:

"خیر ابھی ہم یہ نہیں کہہ سکتے، میرے خیال میں یہ لڑکیاں نادان ہیں، چاہتی ہیں کہ گفتگو کا جلد فیصلہ ہوجائے، حالانکہ ان معاملات کے تصفیہ کیلئے مہینوں، بلکہ برسوں کی ضرورت ہے۔"

غرض مجلس میں ان دو لڑکیوں پر طرح طرح کی چہ میگوئیاں ہونے لگیں اور ان پر

الزامات تراشے جانے لگے۔ اس ہنگامہ کو دیکھ کر زین العابدین نے اپنی سریلی آواز میں سورۃ مریم کی چند آیات تلاوت کیں جن کو سن کر تمام مجلس میں سناٹا چھا گیا۔ بڑے بڑے پادریوں نے اپنے کانوں میں انگلیاں دے لیں کہ کہیں قرآن حکیم کا دل پر اثر نہ ہو جائے۔ چونکہ سورۃ مریم میں سیدنا مسیح اور ان کی والدہ مطہرہ کی تعریف کی گئی ہے اور ان الزامات سے ان کو بری قرار دیا گیا، جو ان پر یہودی عائد کرتے تھے، اس لئے تمام عیسائیوں پر اس کے سننے سے خاص اثر پڑا۔ خصوصیت سے مارگریٹ کا چہرہ تمتما اٹھا، لیکن اس نے اس دفعہ ضبط سے کام لیا اور استقلال کے ساتھ بیٹھی رہی۔ تلاوت قرآن کریم کے بعد مارگریٹ اٹھی اور یوں گویا ہوئی:

''حضرات آپ گواہ رہیں کہ میں مسیحی دین پر قائم ہوں۔ میں پکی مسیح ہوں، اس لئے نہیں چاہتی کہ مسیحی ذلیل ہوں۔ میرا یہ مطلب نہیں کہ مسلمانوں کے سوالات کا ہمارے پاس کوئی حل نہیں ہے، بلکہ ہمارے مقدس پادری جواب دینے کی طرف توجہ نہیں فرماتے، کیونکہ ان کا خیال ہے کہ مسیحی عقائد کے سمجھنے والے کیلئے روح القدس کی تائید کی ضرورت ہے، حالانکہ مسلمان اس بات کو کمزوری پر محمول کرتے ہیں۔ امید ہے کہ ان الفاظ سے میری نسبت غلط فہمیاں دور ہو جائیں گی۔ اب میری درخواست ہے کہ گفتگو کا یہ سلسلہ جاری کیا جائے۔''

ایک پادری:

''ہم کو ہرگز ہرگز ان کافروں سے گفتگو کی ضرورت نہیں ہے۔ موجودہ گفتگو سے ہی ہمارے ایمان میں خرابی پیدا ہوگئی ہے۔ میری منشاء تو یہ ہے کہ ان کافروں کو چرچ سے فوراً نکال دیا جائے۔''

دوسرا پادری:

''ہوش میں گفتگو کیجئے! غور وفکر کے ساتھ معاملہ کو طے کیجئے! میری بھی یہی رائے ہے کہ گفتگو کو ختم کیا جائے، کیونکہ اس سے کوئی فائدہ نہیں۔''

زین العابدین:

''اے میرے بزرگو! تم کو اپنے خداوند کی تعلیم پر بڑا ناز تھا کہ گال پر طمانچہ مارنے

والوں کے سامنے دوسرا گال بھی پھیر دیا جائے۔ یہ کیا ہے جو میں دیکھ رہا ہوں۔؟ کیا ہم زبردستی یہاں آئے ہیں؟ کیا آپ نے ہم کو یہاں نہیں بلایا؟ اب بھی اگر آپ صفائی سے کہہ دیں کہ آپ گفتگو کرنا نہیں چاہتے تو ہم فوراً یہاں سے چلے جائیں گے، لیکن میں آپ کو بتا دوں کہ ہم اتمامِ حجت کر چکے ہیں اور خدا ہماری کوششوں کو ضائع نہیں فرمائے گا۔ اب بتایئے! ہم جائیں یا آپ گفتگو کرنا چاہتے ہیں۔؟''

پطرس:

''مولوی صاحب! بات یہ ہے کہ آپ مسیحی دین کی حقیقتوں کو سمجھنے والے نہیں ہیں، نہ آپ اس غرض سے یہاں آئے ہیں۔ اگر آپ کو گفتگو کا سلسلہ جاری رکھنا ہے تو اب آپ کو ہمارے سوالات کا جواب دینا پڑے گا۔''

زین العابدین:

''بہت اچھا! میں آپ کو پوری آزادی کے ساتھ اجازت دیتا ہوں کہ آپ جو چاہیں سوال کریں۔ ہم ٹھنڈے دل سے جواب دیں گے۔''

پطرس:

''کیا قرآن میں انجیل کی تعریف بیان ہوئی ہے۔؟ کیا آپ کا ایمان انجیل مقدس پر ہے۔؟''

زین العابدین:

''بے شک انجیلِ عیسیٰ کی تعریف قرآن شریف میں آئی ہے اور ہم سب مسلمانوں کا انجیل، تورات، زبور اور قرآن مجید پر ایمان ہے۔''

پطرس:

''پھر آپ ہماری انجیلوں کو تسلیم کیوں نہیں کرتے۔؟''

زین العابدین:

''اس لئے کہ یہ وہ انجیل نہیں ہیں۔ اگر کوئی شخص کسی افسانہ کا نام انجیل رکھ دے تو اس کا ماننا اس لئے لازم نہیں آتا کہ اس کا نام انجیل ہے۔ قرآن حکیم نے جس انجیل کی تعریف کی ہے اس کو ہمارے سامنے پیش کرو۔''

پطرس:

"کیا قرآن کی انجیل اور ہے اور ہماری انجیل اور۔؟ اس کا ثبوت کیا ہے۔؟"

زین العابدین:

"اس لئے کہ قرآن حکیم نے اصل انجیل کی تعریف کی ہے اور اس انجیل کی تکذیب کی ہے اور اس کی غلط بیانیوں کی اصلاح فرمائی ہے۔

"Wisdoms of Living Religion" میں لکھا ہے:

"مسیحیت کی ابتدائی دو صدیوں میں بے شمار کتابیں لکھی گئیں، جن میں چرچ کے اختلافات کے باوجود حیات مسیح کو محفوظ کرنے کی کوشش کی گئی۔ حیات مسیح کے بارے میں لکھی گئی ان کتابوں کو گوسپلز (Gospels) کہتے ہیں۔ ایسے شواہد موجود ہیں جن سے بلاواسطہ یہ پتہ چلتا ہے کہ بالکل ابتدائی دور مسیحیت میں اناجیل کی کافی تعداد موجود تھی جن کے اب صرف اجزاء باقی رہ گئے ہیں۔"

بائبل یا کتاب مقدس کے دونوں حصوں کو مسیحی پیروکار اگرچہ تسلیم کرتے ہیں، لیکن عہد نامہ جدید (New Testament) ان کے نزدیک زیادہ قابل احترام ہے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اور طریق استدلال میں اختلاف کی وجہ سے مسیحیوں میں کئی فرقہ ورانہ اختلافات پیدا ہوئے اور آج بھی تقریباً ۲۵۰ فرقے موجود ہیں جن کے عقائد یا تو بالکل جدا ہیں یا اس کی توجیہات مختلف انداز میں کرتے ہیں، لیکن ایک بات مشترک کی حیثیت رکھتی ہے کہ عہد نامہ جدید کو حجت تسلیم کرتے ہیں۔

مسیحیت کی عقل و دانش کا جوہر اور تعلیمات پہلی تین اناجیل کی تمثیلات میں بڑی کثرت سے موجود ہیں۔ فراسٹ (Frost) نے اپنی کتاب مقدس کتب "Sacred Books of the Religion" میں لکھا ہے:

"اگرچہ عہد نامہ جدید کو ایک کتاب کہا جاتا ہے تاہم اس میں ۲۷ تحریریں موجود ہیں۔ یہ ستائیس اصفاران بے شمار مسودات میں سے منتخب کئے گئے جو ابتدائی دور کے مسیحی چرچ میں موجود تھے۔ سب سے پہلے ان کا یونانی زبان سے ترجمہ کیا گیا۔ انگریزی زبان میں جو شکل مستور ہے وہ سترہویں صدی عیسوی کے شاہ حسین کے حکم سے ترجمہ شدہ ہے۔ اس کو King G. Janels Bible بھی کہتے ہیں

عہد نامہ جدید کے تین حصے ہیں:

1: تاریخی کتابیں (Historical Books)

2: تعلیمی کتابیں (Didactic Books)

3: کتاب کشف یا مکاشفہ (Revelation Books)

تاریخی کتب کے پانچ حصے ہیں:

1: انجیل متی۔

2: انجیل مرقس۔

3: انجیل لوقا۔

4: انجیل یوحنا۔

5: رسالہ اعمال الرسل (Apostles)

ان اسفار خمسہ کو تاریخی قرار دینے کی وجہ یہ ہے کہ ان میں تفصیلات اور معجزات وغیرہ کا بیان ہے جبکہ اعمال الرسل میں مسیحیت کی دعوت دینے والوں خصوصاً سینٹ پال کے واقعات مذکور ہیں۔

پہلی تینوں اناجیل بیانیہ انداز کی حامل ہیں اور تفصیلات پر مشتمل ہیں۔ جبکہ انجیل یوحنا میں عقیدۂ الوہیتِ مسیحی اور کفارۂ انسانیت جو بعد میں منظر عام پر آئے ان کو ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

عہد نامہ جدید کا دوسرا حصہ ان خطوط پر مشتمل ہے جو مسیحی مبلغین نے مختلف علاقوں کے سرکردہ لوگوں یا عمومی طور پر اس علاقہ کے رہنے والوں کے نام لکھے۔

ان خطوط کو "Piostles" یا الرسل بھی کہا جاتا ہے۔

ان خطوط کی تعداد 21 ہے۔

چودہ خطوط سینٹ پال (Saint Paul) سے تعلق رکھتے ہیں۔ تین خطوط سینٹ یوحنا (Johan) سے متعلق ہیں۔ دو خطوط پیٹر (Saint Peter)، ایک خط یعقوب (Jacob) اور ایک خط یہوداہ (Saint Jude) سے منسوب ہے۔

اکثر خطوط رومیوں، فلپیوں، تمتاؤس اور ططس کے نام ہیں۔

اس کتاب کا مؤلف وہی ہے۔جس کی طرف انجیل یوحنا منسوب ہے۔اس کتاب میں صوفیانہ انداز میں مسیحیت کے آنے والے غلبہ کی پیش گوئی موجود ہے اور ان تمام عقائد کی تلقین ہے۔جس کو رومن کیتھولک چرچ نے اپنایا۔

اس کا زمانہ تالیف ۶۸ء یا ۹۵ء بیان کیا جاتا ہے۔اس کا انداز بیان ایسا ہے۔جس کی بہت سی تاویلات کی جاسکتی ہیں۔

عہد نامہ جدید کی یہ کل 27 کتابیں ہیں جن کو ۳۲۵ء میں نیقیہ کی کونسل میں مستند قرار دیا گیا۔جن کتابوں کو مسترد کر دیا گیا وہ بھی بے شمار ہیں اور ان میں انجیل عیسیٰ ،انجیل سبعین،انجیل تذکرہ اور انجیل برناباس بہت مشہور ہیں۔تقریباً چالیس یا پچاس اناجیل کو مستند قرار دیا گیا اور اکیس خطوط کا انتخاب تو سینکڑوں کی تعداد میں سے کیا گیا ہے۔

جہاں تک بائبل کے حصہ عہد نامہ کا تعلق ہے تو عہد نامہ قدیم کی طرح اس کی افادیت کو جانچنے کے لئے اولین کسوٹی اور معیار بھی یہی ہے کہ آیا وہ تحریف وترمیم اور تغیر سے محفوظ رہا ہے۔؟

الہامی کتب کو انسانی اذہان کی تخلیق کردہ کتابوں پر اس لئے فوقیت حاصل ہوتی ہے کہ الہامی کتب ہر قسم کی بشری لغزشوں اور غلطیوں سے پاک ہوتی ہیں۔اللہ تعالیٰ کی ذات راہنمائے حقیقی ہے،اس لئے جو کلام اور قوانین اسکی طرف سے نازل ہوں ان میں نوع انسانی کے لئے صداقت اور نور ہدایت مضمر ہوتا ہے۔اس کلام میں نہ تو جہالت کی تاریکی ہوتی ہے اور نہ ہی لاعلمی کا جواز باقی رہتا ہے۔

اگر انسان ایمان کی استعداد سے محروم اور یقین کی دولت سے تہی دامن ہو تو پھر اللہ تعالیٰ کے کلام (جو ہر خطا اور ہر لغزش سے مبرا ہے) کی اس انسان کے لئے کوئی قدر و قیمت نہیں ہوسکتی۔

اسی طرح خدا کے نازل کردہ کلام میں انسانی مداخلت سے تبدیلی کردی جائے تو حذف اور اضافے کا عمل اپنا رنگ دکھا جائے گا،جس سے اس کلام کی حیثیت بھی مشتبہ ہو جاتی ہے۔

عہد نامہ جدید میں شامل اناجیل اربعہ اور دیگر صحف کے معاملے میں غیر عیسائیوں کے

برعکس خود مسیحی پیرو کار اس حقیقت سے انکار نہیں کر سکتے کہ انجیل کی سند کے بارے میں کافی اختلاف موجود رہا ہے اور کوئی عیسائی بھی یہ شہادت نہیں پیش کر سکتا کہ عہد نامہ جدید کے تمام صحف مسیح کی موجودگی میں ضبط تحریر میں لائے گئے یا یہ کہ موجود حصہ وہی صحیفہ ہے جو مسیح پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے لوگوں کی راہنمائی کے لئے نازل فرمایا گیا۔

جبکہ اس کے برعکس ایسی متعدد شہادتیں موجود ہیں کہ اصل الہامی کلام ضائع ہو گیا اور بعد میں لوگوں نے جو کچھ بھی مرتب کیا وہ محض اپنی یادداشت کے بل بوتے پر کیا۔

اس امر کی بھی کوئی دلیل موجود نہیں کہ کلام الٰہی کو اسی کی صحت کے مطابق حفظ کرنے کا کوئی باقاعدہ اہتمام موجود تھا جس کی وجہ سے کسی ترتیب و نوع پر اعتماد اور بھروسہ کیا جا سکے۔

تنقیدی تجزیئے کے بعد اس امر پر یقین کرنے کی کافی گنجائش موجود ہے کہ ہمارے سامنے جو عہد نامہ جدید موجود ہے اس کا مسیح پر نازل شدہ انجیل سے کوئی تعلق نہیں اور حقیقت یہ بھی ہے کہ مسیحیت کی عمارت جن عقائد اور مذہبی نظریات پر قائم ہے وہ قرآن حکیم کی الہامی شہادت کے مطابق ان کی حقیقی تعلیمات نہیں ہیں جن کی تلقین انہوں نے اپنے دور نبوت میں کی تھی۔ابنیت،تجسیم،مصلوبیت،حیات ثانیہ اور کفارہ وغیرہ جیسے تمام عقائد سینٹ پال کی ذہنی اختراعات تھیں۔

اناجیل اربعہ میں سے انجیل متی،انجیل مرقس اور انجیل لوقا کی ترتیب یکساں ہے اور ان میں بیشتر باتیں مشترک ہیں۔البتہ یوحنا انجیل میں ان سے کچھ باتیں ہیں اور مسیح کی الوہیت کا عقیدہ سب سے پہلے اسی کتاب میں بیان کیا گیا۔

انجیل یوحنا کے زمانہ تالیف کے بارے میں اختلاف رائے موجود ہے۔بعض کے مطابق یہ ۸۰ء اور ۹۵ء کے دوران تالیف کی گئی اور کچھ کا یہ کہنا ہے کہ اس کا زمانہ تالیف مسیح کے ۱۱۰ یا ۱۱۵ سال بعد کا ہے اور اسے یونانی زبان میں تحریر کیا گیا تھا۔

مختلف روایات کی وجہ سے خود عیسائی علماء کو بائبل کے درست ہونے کا شبہ ہے،کیونکہ اسی انجیل میں یسوع مسیح سے منسوب تقریریں باقی تین اناجیل سے مختلف ہیں،لیکن سینٹ جان (یوحنا) کے اپنے دعوے سے ہم آہنگ ہیں اور انجیل یوحنا اور باقی تینوں

انا جیل میں منقول مسیح کے اقوال کو یکساں طور پر معتبر اور مستند تسلیم کرنا ممکن نہیں ہے، کیونکہ قدیم زمانے میں ادبی خیال آرائی اس طرح ممنوع اور نا قابل تصور نہ تھی جس طرح آج تاریخی کرداروں سے فرضی باتیں منسوب کر دینا معیوب اور مکروہ سمجھا جاتا ہے۔

عہد نامہ جدید کے تنقیدی جائزے اور اس کی صحت کو پرکھنے کے لئے مندرجہ ذیل امور قابل توجہ ہیں:

قرآن حکیم کی شہادت کے مطابق تورات اور زبور کے ناموں سے اکثر حصے ان میں شامل کئے گئے ہیں۔ اس طرح انجیل کی جگہ چار صحف اس نام سے شامل کئے گئے اور ان کی نسبت بھی حضرت مسیح کی طرف نہیں، بلکہ ان کے مولفین کی طرف ہے۔

تاریخی شواہد یہ وضاحت کرتے ہیں کہ مسیح کے اقوال یا الہامی کلام کو ان کی زندگی میں مرتب کرنے کا کوئی اہتمام نہیں کیا گیا تھا۔

مسیح کے اقوال کو ان کے رفع آسمانی کے بعد مرتب کیا گیا۔ ان کے اولین نسخے بھی ضائع ہو گئے جن کا اب تک کوئی سراغ نہیں ملتا۔ ۷۰ء سے ۱۱۵ء کے درمیانی عرصہ میں مرتب کئے جانے والے صحائف کی بنیاد ان ہی نسخوں کو بنایا گیا ہے، لیکن مرتبین نے جہاں حضرت مسیح کی عظمت اور شان کو بڑھانا چاہا وہاں اپنے مخصوص فرقوں کے نظریات کے مطابق ان میں ترامیم اور اضافہ بھی کر دیا۔

بائبل کے جدید ناقدین کا یہ بھی دعویٰ ہے کہ متی اور یوحنا کے مطابق جو انجیلیں موجود ہیں انہوں نے سرے سے ان کو مرتب ہی نہ کیا تھا۔ ان مرتبین میں سے ایک شخص بھی ایسا نہیں جس نے حضرت مسیح کو خود دیکھا ہے یا ان کے ارشادات اپنے کانوں سے سنے ہوں۔ لکھنے والی شخصیات کوئی اور تھیں اور جن سے منسوب کر دی گئیں وہ کوئی اور۔

ان صحائف کی ترتیب کا سبب ہی کچھ اور تھا کہ اپنے مخصوص نقطہ ہائے نظر اور اپنے موقف کی ترجمانی کی جائے اور پھر لکھی جانے والی کتابوں میں سے چند کے انتخاب کا عمل بھی اسی بنیاد پر مبنی تھا۔

ان صحائف کو یونانی زبان میں مرتب کیا گیا تھا جبکہ حضرت مسیح کی زبان آرامی تھی۔

جب یہ صحائف مرتب ہو گئے تو اس کے ایک صدی بعد تک ان میں سے کسی ایک کو بھی سند اور اعتبار کا حتمی مقام حاصل نہ ہوا۔ ان کو نقل کرنے والے پوری آزادی کے ساتھ اپنے فرقوں کے عقائد سے مطابقت قائم کرنے کے لئے ان اقوال میں ترمیم کرتے رہے۔

انجیل کے قدیم ترین نسخے کی (جن میں ویٹی کن (Vetican) کا قدیم نسخہ اور اسکندریہ کا قلمی نسخہ شامل ہیں جو چوتھی پانچویں صدی عیسوی سے تعلق رکھتے ہیں) تحریر و ترتیب انجیل کی اولین ترتیب کے تقریباً تین سو سال بعد عمل میں آئی۔

ان نادر قلمی نسخوں میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے۔

انا جیل اربعہ اور دیگر صحیفوں میں بیشمار تضادات و اختلافات نظر آتے ہیں۔

خود عیسائی علماء اس بات کا کھلم کھلا اعتراف کرتے ہیں کہ دوسری صدی سے پہلے ان انجیلوں کا وجود نہیں ملتا۔ C-D-Codays اپنی کتاب "Life of Jesas" میں یہ اعتراف کیا:

"انا جیل اربعہ جن کی مدد سے عیسائی عقائد اور تعلیمات کے اس خاکہ میں رنگ بھرا جاتا ہے جو دوسرے سے ہمیں حاصل ہوتا ہے، ان کا مواد سند اور اعتبار کے لحاظ سے مختلف اور مشتبہ ہے۔ ان میں بے یقینی کی کیفیت اس طرح رچی بسی ہے کہ اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ تجسس ترک کر کے یہ اعتراف کر لیا جائے کہ انجیل کو کلام الٰہی ثابت کرنے کا یہ کام ناممکن ہے۔"

ایک عیسائی عالم و مورخ لکھتا ہے:

"یہ انا جیل کھلے طور پر ایک دوسرے کی تردید کرتی ہیں۔"

ایک عیسائی عالم و پادری کا کہنا ہے:

"انا جیل کے باہمی تضاد نے مجھے پریشان کر دیا ہے۔"

انا جیل اربعہ میں موجود مختلف تضادات، فروگزاشتیں اور بے دلیل قیاس آرائیاں اپنی جگہ نہایت سنگین ہیں اور اسی بنیاد پر متعدد روشن خیال علماء جو مسیح کی بعثت پر قطعاً شبہ نہیں رکھتے، وہ عہد نامہ جدید کے بارے میں ایسی کوشش کو لاحاصل قرار دینے پر مجبور ہو گئے ہیں جو اس میں سے حق و باطل کو الگ الگ چھانٹنے اور جناب عیسیٰ کے حقیقی ارشادات اور تاریخی حقائق کو مبالغہ آرائی، تحریف اور افسانہ طرازیوں سے الگ

کرنے کے لئے کی جائیں اور جس کا مقصد یہ ہو کہ اس تاریخی منصوبے میں سے حقائق کو تلاش کر کے جناب یسوع کی اصل انجیل کو یقین کے ساتھ پیش کیا جائے۔

چونکہ عیسائی علماء انجیل میں جب چاہیں ترمیم و تحریف کرنے کی قدرت رکھتے ہیں اس لئے حتمی طور پر کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ بعض تاریخی روایات میں یہ شواہد موجود ہیں کہ متی کی انجیل پہلے آرامی زبان میں غیر مربوط انداز میں لکھی گئی تھی بعد میں عبرانی زبان میں منتقل ہوئی۔ لوگوں نے اپنی صلاحیت کے مطابق اس کی تشریح و تصحیح کی اور جب ان کو منضبط کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی تو اس کے نتیجہ میں انجیل کا مستند یونانی نسخہ تیار ہوا۔ کچھ ایسا طرزِ عمل دوسری اناجیل کے متعلق بھی اختیار کیا گیا اور حتمی طور پر کچھ نہیں کہا جاسکتا۔

عہد نامہ جدید کی ان کتب کے متعلق بے شمار اندرونی، بیرونی اور تاریخی شہادتیں موجود ہیں جن کی بناء پر باآسانی کہا جاسکتا ہے کہ یہ کتب الہامی نہیں، بلکہ مصنفین کی خود ساختہ ہیں، بلکہ ان کے مصنفین کے بارے میں بھی اختلاف ہے۔

اناجیل کے مصنفین اقرار کرتے تھے کہ وہ الہام کے تحت نہیں لکھ رہے ہے۔

خود اناجیل میں باہمی اختلاف اور تضاد ہے۔ حالانکہ کلام ربانی میں اختلاف ممکن نہیں۔ قرآن مجید میں ہے:

''اگر یہ غیر اللہ کی طرف سے ہوتا تو یقیناً وہ اس میں بہت سا اختلاف پاتے۔''

اس سے معلوم ہوا کہ الہامی کتاب میں اختلاف و تضاد نہیں ہوسکتا اور بائبل میں اختلاف و تضاد ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ سارا کلام الہامی نہیں ہے۔

1: حضرت عیسیٰ علیہ السلام جو انجیل حواریوں کو دے کر گئے تھے اس کا تاریخی طور پر کوئی سراغ نہیں ملتا۔ انجیلوں کے مصنفین مجہول الحال لوگ تھے۔

2: دوسری صدی میں ۳۴ اناجیل اور ۱۱۳ خطوط رائج تھے۔ یہ سب یونانی زبان میں تھے حالانکہ عیسیٰ علیہ السلام کی زبان آرامی تھی۔ موجودہ اناجیل ایجاد بندہ ہے نہ کہ الہامی۔

3: انتخاب کا نرالا اور غیر سائنٹیفک طریقہ خود چاروں اناجیل میں باہمی تضاد ہے۔ جیسا کہ نسب نامہ، پہاڑی کے وعظ اور صلیب کے واقعات میں اختلاف ہے۔

4: یہ اناجیل حضرت مسیح کی سوانح حیات میں جن میں پیدائش سے قبل اور موت کے بعد تک

حالات درج ہیں جو قرین عقل نہیں۔

5: اناجیل میں ترجمہ در ترجمہ، تحریف اور کتمانِ حق سے کام لیا گیا ہے۔ تحریف اور جھوٹ بولنا عیسائی مذہب میں جائز ہے۔

6: یہ کتب کھلے شرک، تثلیث، الوہیت اور کفارہ کی تبلیغ ہیں جن کی کوئی نبی تبلیغ نہیں کرسکتا۔

الغرض موجودہ اناجیل کے مؤلفین مجہول الحال لوگ ہیں، زمانہ تصنیف غیر متعین ہے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اصلی زبان سریانی یا آرامی تھی جبکہ اناجیل اول یونانی میں لکھی گئی، پھر ترجمہ در ترجمہ ہوا، پھر ان اناجیل میں بے شمار اختلافات اور تضادات ہیں اور پھر ان اناجیل میں ہمیشہ تحریف و ترمیم ہوتی رہی۔ یہ سب امور اسے غیر مستند، غیر ثقہ اور غیر الہامی ٹھہراتے ہیں۔

ٹرنٹ کی کونسل عیسائیت کی تاریخ میں بڑی اہم ہے۔ یہ عقائد کے اختلافات کو ختم کرنے کے لئے ۱۵۴۶ء سے ۱۵۶۲ء تک ٹرنٹ (Trent) کے مقام پر منعقد ہوئی۔ جس میں اناجیل کے اختلافات کو زیر بحث لایا گیا۔ علاوہ ازیں ان روایات پر بھی بحث کی گئی جنہیں چوتھی صدی عیسوی میں نیقیہ کی کونسل نے وضعی قرار دے کر رد کر دیا تھا۔ ان روایات کے بارے میں ریلجن ٹریکٹ سوسائٹی آف لندن کی شائع کردہ روئیداد میں یہ عبارت مذکور ہے:

''اگرچہ اپوکریفہ (وضعی) کتابوں کو جیروم نے بائبل کے ولگیٹ ایڈیشن میں شائع کر دیا تھا، لیکن ہر شخص کو معلوم ہے کہ وہ انہیں مستند نہیں سمجھتا تھا۔ کونسل میں بحث و تمحیص کے بعد سانٹا کروس کی رائے سب پر غالب آگئی اور یہ فیصلہ کیا گیا کہ ولگیٹ ایڈیشن میں جس قدر کتابیں بھی شامل ہیں انہیں آسمانی کتابیں تصور کیا جائے۔''

گویا اس طرح وہ تمام روایات جو قبل ازیں وضعی سمجھ کر رد کر دی گئی تھیں آسمانی قرار پا گئیں۔ روایات کو وحی کا ہم پلہ قرار دیا گیا اور یہ فیصلہ کیا گیا کہ اناجیل کے مختلف نسخوں کا وجود چونکہ ان کے معانی کو غیر یقینی بنا دیتا ہے اس لئے اس کا علاج یہ ہے کہ ایک متفق علیہ نسخہ شائع کیا جائے جسے مستند سمجھا جائے۔ چنانچہ اس کام کے لئے ایک کمیٹی مقرر ہوئی جس نے بڑی محنت اور جانفشانی کے بعد ایک نسخہ مرتب کیا جو پوپ کو پسند نہ آیا۔ پوپ نے یہ کام علماء کی ایک مجلس کے سپرد کر دیا۔ پوپ

(Piousl) نے اس کام کو جاری رکھا اور ۱۵۹۰ء میں ایک نسخہ شائع کیا گیا۔ ۱۵۹۲ء اور ۱۵۹۳ء میں اسی نسخے کے تصحیح شدہ ایڈیشن شائع ہوئے، لیکن اختلافات پھر بھی رفع نہ ہو سکے۔

پادری صاحب! تم نے لوگوں کو اُلو بنا رکھا ہے، تمہارا بنایا ہوا دین تو بس اس مقصد کے لیے ہے کہ لوگوں سے پیسے بٹور سکو۔"

پطرس:

"یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔؟ کیا ثبوت ہے آپ کے پاس۔؟"

زین العابدین:

"میں بالکل درست کہہ رہا ہوں اور اس کا ثبوت یہ ہے۔؟ آپ کے مذہب عیسائیت میں کفارے کے عقیدہ کا بانی پولوس (سینٹ پال) قرار دیا جاتا ہے۔ عہد نامہ جدید میں پولوس کے خطوط میں یہ عبارت نہایت واضح ہے:

"تمہیں ایمان کے وسیلہ سے ہی نجات ملی ہے اور یہ تمہاری طرف سے نہیں، خدا کی بخشش ہے اور نہ اعمال کے سبب سے ہے۔"

(افسیوں ۲:۹-۸)

رومیوں کے نام خط میں ہے:

"چنانچہ ہم یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ انسان شریعت کے اعمال کے بغیر ایمان کے سبب سے راست باز ٹھہرتا ہے۔"

(رومیوں کے نام ۲۸-۳)

پھر پوپ کے متعلق بھی یہ طے ہوا تھا کہ اس کا فیصلہ غلط نہیں ہو سکتا۔ اس لئے اس کے کسی حکم پر بحث و تمحیص کی کوئی گنجائش نہ تھی۔ وہ خدا کا نائب تھا اور عیسیٰ مسیح کا قائم مقام۔ وہ گناہگاروں کے گناہ معاف کر سکتا تھا اور خدا کی رحمت و بخشش کے دروازے لوگوں پر کھول سکتا تھا۔ اسی عقیدے نے رفتہ رفتہ معافی ناموں (Indul Gences) کی صورت اختیار کر لی۔

معافی ناموں کی ابتدا یوں ہوئی کہ صلیبی جنگوں کے دوران میں پوپ اربن دوم نے حکم جاری کیا کہ جو لوگ بذات خود جنگ میں شریک نہیں ہو سکتے وہ اپنی طرف سے

کسی اور کو بھیج دیں اور اس کے بدلے انہیں معافی نامہ دے دیا جائے گا جو ان کی نجات کا کفیل ہوگا۔

پھر سولہویں صدی عیسوی میں جب پوپ کو سینٹ پیٹر کے نام کا گرجا بنوانے اور اپنے محل کی رونق بڑھانے کے لئے روپے کی ضرورت پیش آئی تو اس نے دستاویز مغفرت (معافی نامے) فروخت کرنا شروع کر دیئے۔

یہ صدائے عام تھی ان گنہگاروں کے لئے جو اپنے گناہ معاف کرانا چاہیں، اپنے گناہوں کی مقدار کے مطابق ان دستاویزوں میں سے ایک دستاویز خرید لے۔ ہر گناہ کی بخشش کی قیمت مقرر تھی اور ہر قیمت کی دستاویز تیار۔ کہا جاتا ہے کہ خدا کی رحمت کا خزانہ کبھی خالی نہیں ہو سکتا اور پوپ کے ہاتھ میں اس خزانے کی کنجی ہے۔ اس لئے وہ جسے چاہے رحمت و بخشش سے مالا مال کر سکتا ہے۔

معافی نامے یا دستاویز مغفرت کی عبارت یہ تھی:

"تم پر خدا یسوع مسیح کی رحمت ہو اور وہ تمہیں اپنے مقدس ترحم سے (گناہوں کی سزا سے) آزاد کرے۔ میں اس کی اور اس کے بابرکت شاگرد پولوس اور مقدس پوپ کی اس سند کی رو سے جو مجھے انہوں نے عطا فرمائی ہے، تمہیں آزاد کرتا ہوں سب سے پہلے کلیسا کی تمام علامتوں سے خواہ وہ کسی مشکل میں ہوں۔ پھر تمہارے ہر ایک گناہ، حدود شکنی اور زیادتی سے، خواہ وہ کیسے ہی مہیب اور شدید کیوں نہ ہو اور میں وہ سزا تم سے اٹھا لیتا ہوں جو تمہیں تمہارے گناہوں کی پاداش میں جہنم میں ملنے والی تھی۔ تاکہ تم جب مرو تو جہنم کے دروازے تم پر بند ہوں اور جنت کی راہیں کشادہ۔ باپ، بیٹے اور روح القدس کے نام پر۔"

اس معافی نامے میں مختلف گناہوں کی قیمتیں مختلف تھیں۔ معافی نامے کے ہر ایجنٹ کے پاس ان کی فہرست موجود تھی جس کی اصل Tax of the Sacred Roman Chanery کی کتاب میں محفوظ رکھی جاتی تھی۔

چند ایک گناہوں کی معافی کی قیمتیں ملاحظہ فرمائیے:

1: اسقاط حمل .... 3 شلنگ 6 پنس

2: چوری .... 9 شلنگ

3: عفیفہ کی عصمت دری........9 شلنگ

4: زنا کی بھیانک صورتوں میں......7 شلنگ 6 پنس

5: قتل.........7 شلنگ 6 پنس

یہ معافی نامے صرف اپنے گناہوں کی بخشش کے لئے ہی نہ تھے، بلکہ مردوں کے گناہوں کے لئے بطور کفارہ بھی خریدے جاسکتے تھے۔

چنانچہ ان معافی ناموں کے ایجنٹ کچھ اس قسم کی آوازیں لگایا کرتے تھے:

''آؤ بڑھو! جنت کے دروازے کھل رہے ہیں۔ اگر تم اب داخل نہ ہوگے تو کب داخل ہوگے۔ تم بارہ پنس کے عوض اپنے باپ کی روح کو جہنم سے نکلوا سکتے ہو۔ کیا تم ایسے ناخلف ہو کہ اپنے باپ کے لئے اس قدر سستی نجات بھی نہیں خرید سکتے؟ اگر تمہارے پاس اور کچھ نہیں ایک کوٹ ہے تو وہی اتار دو تا کہ اس متاع گراں بہا کو خرید سکو۔''

تھوڑی دیر ٹھہر کر پھر زین العابدین بولے:

جہاں تک عیسائیت اور اسلام کے اختلافات کا تعلق ہے تو ان سب کو بیان کرنا انتہائی مشکل ہے۔ ان میں سے چند ایک کو بیان کرنے کی جسارت کرتا ہوں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور آنحضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دونوں برحق اور برگزیدہ رسول ہیں۔ دونوں کی تعلیمات برحق ہیں، صداقت پر مبنی ہیں اور عقلی اور فطرت کے عین مطابق ہیں، لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد پولوس نے عیسائیت کا حلیہ بگاڑ دیا اور نئے عقائد اور باطل نظریات عیسائیت میں شامل کر دیئے، جس کی وجہ سے عیسائی مذہب مشرکانہ دین بن گیا اور موجودہ مسیحی دین حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اصل پیش کردہ دین سے بالکل مختلف ہے۔

موجودہ عیسائیت کی بنیاد مندرجہ ذیل عقائد ہیں:

تین خدا ہیں۔ خداوند خدا، خداوند یسوع اور روح القدس۔ خدا ان تین اقنوم سے مرکب ہے۔ یہ تینوں اقنوم مل کر ایک بھی ہیں یعنی تین میں ایک اور ایک میں تین۔ اس طرح یہ عقیدہ خدا کی ذات، صفات اور افعال میں شرک ہے۔ علاوہ ازیں الوہیت مسیح اور ابنیتِ مسیح کا عقیدہ پایا جاتا ہے جو مشرکانہ اقوام مثلاً: ہندوؤں کے

عقیدہ حلول و تجسیم سے مشابہ ہے۔

انجیل یوحنا کا آغاز ان الفاظ سے ہوتا ہے:

''ابتدا میں کلام تھا اور کلام خدا کے ساتھ تھا اور کلام خدا تھا۔''

اس کے برعکس اسلام خالص توحید کا علمبردار ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی ذات، صفات اور افعال میں بے مثل ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''اس جیسا کوئی نہیں۔''

اسلام اللہ کے سوا کسی کو معبود تصور نہیں کرتا۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''تمہارا معبود حقیقی صرف ایک اللہ ہے۔ اس کے سوا کوئی دوسرا معبود نہیں۔ وہ رحمٰن اور رحیم ہے۔''

اس کے علاوہ قرآن کریم کی سورۂ اخلاص اللہ تعالیٰ کی یکتائی کا اتنا خالص بیان پیش کرتی ہے کہ جس کے بعد ہر قسم کے شک کی گنجائش ختم ہو جاتی ہے۔ سورہ اخلاص تصور توحید کی بہترین ترجمان ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''اے نبی! آپ لوگوں کو بتا دیجئے کہ اللہ ایک ہے، اللہ بے نیاز ہے، نہ اس نے کسی کو جنا اور نہ اس کو کسی نے جنا اور نہ کوئی دوسرا کسی بھی طرح اس کے برابر ہے۔''

نیز فرمایا گیا:

''اے لوگو! اس رب کی اطاعت کرو جس نے تم کو اور تم سے پہلے کے لوگوں کو پیدا کیا۔''

آگے چل کر اسلام خدا کی اہم صفت کا ذکر کرتے ہوئے کہتا ہے:

''بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔''

عیسائیت میں حضرت مسیح، روح القدس اور مریم وغیرہ کو خدا کہا گیا ہے یہ کھلم کھلا شرک ہے۔ اس کے برخلاف اسلام میں ہر قسم کے شرک سے منع فرمایا گیا ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں ہے:

''تو اللہ کے ساتھ کسی کو شریک مت ٹھہرا۔ بے شک شرک ظلم عظیم ہے۔''

سورۃ المائدہ میں عقیدۂ تثلیث کی تردید کی گئی ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''تحقیق وہ لوگ کافر ہیں جو کہتے ہیں کہ اللہ تو مسیح ابن مریم ہے۔''

پھر فرمایا:

"تحقیق وہ لوگ کافر ہیں جو کہتے ہیں کہ اللہ تو مسیح ابن مریم ہے، حالانکہ حضرت مسیح ابن مریم نے تو کہا تھا کہ اے بنی اسرائیل! اللہ کی عبادت کرو! جو میرا اور تمہارا رب ہے۔ بیشک جو اس کے ساتھ شرک کرے گا تو تحقیق اللہ نے اس پر جنت حرام کر دی ہے اور اس کا ٹھکانہ جہنم ہے اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں۔ ○ تحقیق وہ لوگ کافر ہوئے جو کہتے ہیں خدا تین میں تیسرا ہے، حالانکہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔"

حضرت مسیح علیہ السلام کی بشریت بیان کرتے ہوئے فرمایا:

"مسیح ابن مریم تو فقط رسول تھے۔ تحقیق ان سے پہلے بھی رسول گزر چکے۔ اور ان کی والدہ صدیقہ تھیں۔ وہ دونوں ماں بیٹا کھانا کھاتے تھے۔ دیکھو کس طرح ہم ان کے لیے آیات بیان کرتے ہیں۔ پھر دیکھو کہ وہ کہاں اوندھے منہ جاتے ہیں۔ ○"

ابنیت کا قرآن مجید نے اس طرح انکار کیا:

"وہ اللہ بیٹے سے پاک ہے۔"

اللہ تعالیٰ نے ابنیت مسیح کا اس طرح رد فرمایا:

"پھر اس کا بیٹا کیسے ہو سکتا ہے جب کہ اس کی بیوی ہی نہیں ہے۔؟"

عقیدۂ کفارہ کی اصل یہ ہے کہ یسوع مسیح نے صلیب پر جان دے کر تمام بنی آدم کے گناہوں کو چھپا لیا ہے اور ان کے نجات کا موجب بن گئے ہیں۔ عیسائیوں کے نزدیک ہر انسان پیدائشی گناہگار ہے۔ حضرت آدم اور حوا نے جو گناہ کیا وہ وراثتاً ہر شخص کی فطرت میں چلا آ رہا ہے جس کی وجہ سے ہر شخص گناہگار ہے۔

عیسائیوں کے نزدیک نیک اعمال نجات کا موجب نہیں ہو سکتے۔ اگر اللہ تعالیٰ بندے کے گناہ توبہ اور استغفار سے معاف کر دے تو اس کا رحم اس کے عدل کے خلاف ہے۔ خدا رحیم ہے اور اس کا رحم چاہتا ہے کہ انسان سزا سے بچ جائے۔ پھر وہ عادل بھی ہے اور عدل کا یہ تقاضا ہے کہ گنہگار کو سزا ضرور دی جائے۔ اب رحم اور عدل ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے اور بندے کی نجات کا ہونا ضروری ہے۔ لہٰذا خدا نے بندوں کو نجات دلانے کے لئے ایک صورت یہ نکالی کہ اپنے بیٹے یسوع مسیح کو بھیجا۔ وہ تمام گناہوں سے پاک اور معصوم تھا۔ اس نے لوگوں کے تمام گناہوں کو اپنے اوپر لے کر جان کی

قربانی دیدی اور سارے لوگوں کے لئے نجات کا ذریعہ بنا۔

انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا میں عقیدۂ کفارہ کی تشریح ان الفاظ میں کی گئی ہے:

"عیسائی علم عقائد میں کفارہ سے مراد یسوع کی وہ قربانی ہے جس کے ذریعے ایک گناہگار انسان یک لخت خدا کی رحمت کے قریب ہو جاتا ہے۔ اس عقیدہ کی پشت پر دو مفروضے کارفرما ہیں۔ ایک یہ کہ آدم کے گناہ کی وجہ سے انسان خدا کی رحمت سے دور ہو گیا تھا۔ دوسرا یہ کہ خدا کی رحمت کلام (بیٹا) اس لئے انسانی جسم میں آئی تھی کہ وہ انسان کو دوبارہ خدا کی رحمت سے قریب کر دے۔"

مسٹر ڈینٹل ولن کہتے ہیں:

"یہ عقیدہ عیسائیت کی جان ہے۔ مگر دلچسپ بات یہ ہے کہ انجیل میں اس کا ذکر موجود نہیں ہے۔"

کفارہ کا نظریہ غیر فطری، خلافِ عقل اور خلافِ انصاف ہے، اس لئے اسلام نے اسے باطل ٹھہرایا ہے۔ اسلام کا اللہ غفور و رحیم ہے۔ وہ انسانوں کے گناہ توبہ و استغفار کرنے پر معاف کر دیتا ہے۔ چنانچہ ارشادِ الٰہی ہے:

"اللہ تعالیٰ اس شخص کو نہیں بخشتا جو اس کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہراتا ہے اور جو اس کے علاوہ گناہ ہے وہ جسے چاہتا ہے بخش دیتا ہے۔ اور جس نے اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرایا تو تحقیق اس نے بہت بڑا افترا باندھا اور گناہ کمایا۔ ○"

اسلام کا اللہ بہت وسیع رحمت والا ہے۔ وہ توبہ کرنے پر گناہ بخش دیتا ہے۔ چنانچہ ارشادِ الٰہی ہے:

"اس نے اپنے اوپر رحم کو لازم کر لیا ہے۔"

پھر فرمایا:

"اور میری رحمت سب چیزوں پر حاوی ہے۔"

اسلام کے نزدیک کسی بے گناہ کو دوسروں کے گناہوں کے بدلے سزا دینا خود صفت عدل کے خلاف ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"کوئی جان کسی دوسری جان کا بوجھ نہ اٹھائے گی۔"

عیسائی عقیدے کے مطابق انسان فطرتاً گناہگار ہونے کی وجہ سے کفارہ پر ایمان

لائے بغیر نجات حاصل نہیں کر سکتا۔ ان کے نزدیک ہر انسان پیدائشی گناہگار ہے اس لئے نیک اعمال نجات کا موجب نہیں ہو سکتے۔ نجات حاصل کرنے کے لئے کفارہ کے عقیدہ پر یقین لازمی ہے۔

اسلام میں نجات کا دارومدار اعمال صالحہ پر ہے۔ جو شخص اللہ پر ایمان لاتا ہے اور اعمال صالحہ بجالاتا ہے وہ نجات پاتا ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں ہے:

''جو اللہ پر اور آخری دن پر ایمان لایا اور نیک عمل کئے پس ان کے لئے ان کا اجر ان کے رب کے پاس ہے۔''

دوسری جگہ فرمایا:

''اور بشارت دیجئے ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور اچھے عمل کیے کہ وہ باغوں کے وارث ہوں گے جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی۔''

عیسائی عقیدے کے مطابق بنی نوع انسان گناہگار ہے۔ آدم نے جو گناہ کیا تھا اس کا اثر وراثتاً اور نسلاً ہر انسان میں چلا آرہا ہے۔ عیسائی کہتے ہیں کہ یہ اثر نطفہ کے ذریعے نسل انسانی میں منتقل ہو رہا ہے۔ مسیح اسی لئے بن باپ کے پیدا کئے گئے تھے تا کہ اس کو گناہ کے اثر سے محفوظ رکھا جائے۔ لہٰذا جمیع بنی نوع انسان گناہ میں ملوث ہیں۔

اسلامی عقیدے کے مطابق اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنا خلیفہ بنا کر بھیجا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''اور جب تیرے رب نے فرمایا کہ میں زمین میں اپنا خلیفہ بنانا چاہتا ہوں۔''

ایک اور جگہ ارشاد ہے:

''ہم نے انسان کو بڑی اچھی صورت میں پیدا کیا ہے۔''

دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

''اور ہم نے نوع انسان کو قابل تکریم بنایا۔''

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

''ہر بچہ فطرت سلیمہ (اسلام) پر پیدا ہوتا ہے۔ اس کے والدین اس کو یہودی یا عیسائی یا مجوسی بنا دیتے ہیں۔

عیسائی عقیدے کے مطابق مسیح نے گناہگار انسانوں کے گناہوں کا بوجھ اپنے کندھوں پر لے کر صلیب پر موت دے ماری، تا کہ صلیب پر ایمان لانے والے نجات پا جائیں۔ مسیح تین دن قبر میں رہے، پھر مردوں سے جی اٹھے، آسمان پر چلے گئے اور اب خدا کے داہنے ہاتھ بیٹھے ہوئے ہیں۔

بائبل میں ہی ہے:

''مسیح لعنتی کی موت مرا۔''

یہ عقیدہ بائبل کی رو سے بھی غلط ہے۔ بائبل میں صاف لکھا ہے:

''اولاد کے بدلے باپ دادا نہ مارے جائیں۔ نہ باپ دادا کے بدلے اولاد قتل کی جائے۔''

دوسری جگہ ہے:

''ہر ایک اپنے ہی گناہ کے سبب مارا جائے گا۔''

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس عقیدے کے مطابق تمام انبیاء کرام معصوم ہوتے ہیں۔ وہ ملعون نہیں ہوتے، بلکہ وہ مکرم اور منصور ہوتے ہیں۔ اس سے یہ بات بھی واضح ہوئی کہ موجودہ بائبل تضادات کا مجموعہ ہے اور جس کلام میں تضادات ہوں وہ اللہ کا کلام نہیں ہو سکتا۔ قرآن مجید میں ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام صلیب پر نہیں چڑھے بلکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں آسمانوں کی جانب اٹھا لیا۔ وہ قرب قیامت میں واپس تشریف لائیں گے۔ اسلام کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات واقع نہیں ہوئی۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''اور ان کا قول کہ ہم نے مسیح عیسیٰ ابن مریم رسول اللہ کو قتل کر دیا ہے۔ انہوں نے اسے نہ قتل کیا اور نہ صلیب دی بلکہ ان کو شبہ میں ڈال دیا گیا اور بیشک وہ لوگ جنہوں نے اختلاف کیا یقیناً وہ اس کے بارے میں شک میں ہیں۔ ان کو حقیقت کا کوئی علم نہیں مگر وہ تو فقط گمان کی پیروی کرتے ہیں۔ اور انہوں نے عیسیٰ کو یقیناً قتل نہیں کیا۔○ بلکہ اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ کو اپنی طرف اٹھا لیا اور اللہ تعالیٰ غالب حکمت والا ہے۔○ اور بیشک ضرور بالضرور اہل کتاب عیسیٰ کی موت سے پہلے اس پر ایمان لائیں گے اور عیسیٰ قیامت کے دن ان پر گواہ ہوں گے۔○''

قرآن مجید کے مطابق انبیاء کرام ''صالحین'' ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے محبوب و برگزیدہ بندے ہوتے ہیں نہ کہ لعنتی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی کیونکہ خدا کے نبی ہیں اس لیے وہ بھی برگزیدہ، مکرم اور محبوب بندے ہیں۔ چنانچہ سورۃ المریم میں ہے:

''عیسیٰ بول اٹھے کہ میں اللہ کا بندہ ہوں۔ مجھے کتاب دی گئی ہے اور مجھے نبی بنایا گیا ہے اور مجھے باعث برکت بنایا گیا ہے جہاں کہیں میں رہوں اور مجھے صلوٰۃ اور زکوٰۃ کی نصیحت کی گئی ہے جب تک زندہ رہوں۔ اور مجھے والدہ کے ساتھ نیک سلوک کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور مجھے شقی اور جبار نہیں بنایا گیا ہے۔ سلام ہو مجھ پر جس دن میں پیدا ہوا اور جس دن میں وفات پاؤں گا اور جس دن دوبارہ مجھے اٹھایا جائے گا۔''

سورۃ آل عمران میں ہے:

''عیسیٰ بنی اسرائیل کی طرف رسول بنا کر بھیجے گئے۔''

سورۃ النساء میں ہے:

''بیشک مسیح عیسیٰ بن مریم اللہ کے رسول اور اس کا کلمہ ہیں جو اس مریم کی طرف القاء فرمایا اور اس کی روح ہیں۔ پس تم اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لاؤ۔''

سورۃ الصف میں ہے:

''اور جب مریم کے بیٹے عیسیٰ نے کہا: اے بنی اسرائیل بیشک میں تمہاری طرف اللہ کا رسول بن کر آیا ہوں، جو تمہارے پاس تورات ہے اس کی تصدیق کرتا ہوں۔''

عیسائی عقیدے کے مطابق شریعت لعنت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے متعدد شرائع نازل کیں۔ سینٹ پولوس کے نزدیک انسان شریعت پر عمل نہیں کرسکتا۔ اس لئے شریعت لعنت ثابت ہوئی کیونکہ آدم کے ارتکاب گناہ کی وجہ سے انبیاء بھی بے گناہ نہ نکلے۔ جبکہ اسلام میں شریعت ذریعہ ہدایت ہے۔ اسلام شریعت کو ''ہدی للناس'' (لوگوں کے لیے ہدایت) کہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے شریعت بنی نوع انسان کے لئے ہدایت اور رحمت کے طور پر نازل فرمائی۔ اللہ تعالیٰ کا کوئی حکم حکمت کے خلاف نہیں ہوسکتا۔ اس نے کوئی ایسے احکام نازل نہیں کیئے جن پر انسان عمل نہ کرسکتا ہو۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''اللہ تعالیٰ کسی جان کو اس کی وسعت سے زیادہ مکلف نہیں کرتا۔''

اسلام کے نزدیک شریعت عین فطرت انسانی کے مطابق ہے۔ چنانچہ قرآن میں ارشاد ہے:

''پس اپنا منہ دین حنیف کی طرف کر، وہ یہ وہ فطرت اللہ ہے جس پر خدا نے انسان کو پیدا کیا۔ اللہ کی پیدا کی ہوئی حالت کو کوئی تبدیل نہیں کرسکتا۔ یہی دین قیم ہے۔ اور لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔o''

اس آیت میں دین حنیف کو فطرت اللہ قرار دیا گیا ہے اور اسی پر انسان کو پیدا کیا گیا ہے۔ گویا شریعت فطرت انسانی کے عین مطابق ہے۔

عیسائیت زندگی کے تمام شعبوں میں رہبانیت کی تعلیم دیتی ہے اور انسان کو کلیتہً تارک الدنیا بنا دینا چاہتی ہے۔ حضرت عیسیٰ کے بعد دو سو سال تک عیسائی کلیسا رہبانیت سے ناآشنا تھے۔ مگر ابتداء ہی سے مسیحیت میں اس کے جراثیم پائے جاتے تھے۔ درویشانہ زندگی کو شادی بیاہ اور دینوی کاروبار کی زندگی کے مقابلے میں اعلیٰ و افضل سمجھنا ہی رہبانیت کی بنیاد ہے۔ یہ دونوں چیزیں مسیحیت میں ابتدا سے موجود تھیں۔ خصوصیات کے ساتھ تجرد کو تقدس کا ہم معنی سمجھنے کی وجہ سے کلیسا میں مذہبی خدمات انجام دینے والوں کے لئے یہ بات ناپسندیدہ خیال کی جاتی تھی کہ وہ شادی کریں۔ اس چیز نے تیسری صدی تک پہنچتے پہنچتے ایک فتنے کی شکل اختیار کرلی اور رہبانیت ایک وباء کی طرح مسیحیت میں پھیلنی شروع ہوئی۔ چنانچہ انہوں نے رہبانیت گھڑ لی اور پھر اس کی کما حقہ رعایت نہ رکھ سکے۔ چنانچہ قرآن مجید میں ہے:

''اور رہبانیت انہوں نے خود تلاش کرلی ہے، ہم نے اسے ان پر فرض نہیں کیا، مگر انہوں نے اللہ کی رضا کو حاصل کرنے کے لئے رہبانیت نکالی۔ مگر اس کی وہ نگہداشت نہ کرسکے۔''

اسلام میں رہبانیت کا کوئی تصور نہیں ہے۔ اسلام میں اسے ناجائز قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں ہے:

''اور رہبانیت انہوں نے خود تلاش کرلی ہے، ہم نے اسے ان پر فرض نہیں کی، مگر انہوں نے اللہ کی رضا کو حاصل کرنے کے لئے رہبانیت نکالی۔ لیکن اس کی وہ نگہداشت نہ کرسکے۔''

اس آیت میں رہبانیت کو بدعت قرار دیا ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فر[مایا]

''اسلام میں رہبانیت قطعاً جائز نہیں۔''

اسلام میں عیسائیت کی طرح کسی کی مذہبی اجارہ داری نہیں ہے۔ جو بھی متقی اور پرہیزگار ہو وہ مسلمانوں کا امام ہے۔ اگر قانون اور فقہ جانتا ہے اور دین کا علم رکھتا ہے تو وہ اعلیٰ منصب پر پہنچ سکتا ہے۔

عیسائیت میں مذہبی اجارہ داری ہے۔ پوپ، پادری اور اسقف اعظم وغیرہ کے علاوہ دینی رسوم ادا نہیں ہو سکتیں۔ جبکہ اسلام میں ایسا نہیں ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی کے بارے میں مکمل اور صحیح تفصیلات عیسائیت کی کتب سے نہیں ملتیں۔ ان کی سیرت محفوظ نہیں ہے۔

رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کے متعلق تمام تفصیلات قرآن اور حدیث کے ذریعے محفوظ ہیں۔ اسوۂ حسنہ مکمل طور پر ہمارے سامنے ہے۔ کوئی بات چھپی ہوئی نہیں ہے۔ ہزاروں احادیث اور اقوال صحابہ میں سیرت نبی کا تذکرہ ہے جو کہ محفوظ ہے۔

عیسائیت کی کتب مقدسہ (اناجیل) غیر محفوظ، محرف اور تبدیل شدہ ہیں۔ کتب اپنی اصل زبان اور اصلی حالت میں دستیاب نہیں ہیں۔ تفصیل ہم نے عیسائیت کے باب میں بیان کر دی۔

اسلام کی کتاب قرآن پاک محفوظ ہے، غیر محرف ہے، قیامت تک کے لئے اصلی زبان اور اس کی تعلیمات محفوظ رہیں گی۔ اس کی حفاظت دو طریقوں سے یعنی کتابت اور حفظ کے ذریعے کی گئی۔ چنانچہ قرآن مجید میں ہے:

''ہم نے ہی یہ ذکر (قرآن مجید) نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔''

دوسری جگہ آتا ہے:

''اس کتاب کا جمع کرنا اور پڑھانا ہمارے ذمہ ہے۔''

یہ دونوں آیات ظاہر کرتی ہیں کہ قرآن مجید کی حفاظت کا ذمہ اللہ تعالیٰ نے خود لیا ہے۔ غیر مسلم بھی اس کی حقانیت کی اور محفوظ ہونے کا اعتراف کرتے ہیں۔ سر ولیم میور دیباچہ حیات محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں لکھتا ہے:

''اس بات کی تسلی بخش اور قابل اطمینان اندرونی اور بیرونی شہادتیں موجود ہیں کہ قرآن اس وقت بھی ٹھیک اسی شکل وصورت میں محفوظ و مامون ہے، جس میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے دنیا کے سامنے پیش کیا تھا۔''

موجودہ عیسائیت دین اور دنیا کی تفریق پر مبنی ہے۔ موجودہ مسیحیت (پولوسی مذہب) ناقص، محدود، خلاف فطرت، خلاف عقل اور ناقابل عمل ہے۔

عیسائیت تاریخی طور پر افراط وتفریط کا شکار رہی اور آخر کار اباحت اور لامذہبیت پھیلانے کی ذمہ دار ہے۔

تفریط کی مثال کہ جب عیسائیوں نے اس مذہب کے احکام کی پابندی کی تو توحید سے نرم پڑ گئے۔ تین سو برس تک ظلم وستم برداشت کرکے اپنے آپ کو تباہ و برباد کرتے رہے۔

افراط کی مثال کہ جب انقلاب زمانہ نے انہیں قوت وحکمرانی بخشی اور سلطنت کی ذمہ داریاں ان پر آ پڑیں تو انہیں مسیحیت کے محدود دائرے سے باہر نکلنا پڑا اور یہاں لامذہبیت کی راہنمائی میں بنی نوع انسان پر ہر قسم کا ظلم وستم شروع کر دیا۔

اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ مذہب کے نام پر جبر وظلم اور جاہلانہ تعصب کا طوفان جب حد سے گزر گیا تو انہیں خود سے نفرت ہوگئی اور وہ دنیا بھر میں لامذہبی پھیلانے کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ اس کے نتیجے میں دین ودنیا میں تفریق اور رہبانیت پیدا ہوگئی۔ موجودہ اناجیل بھی افراط وتفریط پر مبنی ہیں۔ چنانچہ انجیل لوقا میں ہے:

''جو قیصر کا ہے وہ قیصر کو دو اور جو خدا کا ہے وہ خدا کو دو۔''

انجیل متی میں ہے:

''تم خدا اور دولت دونوں کی ایک ساتھ خدمت نہیں کر سکتے۔''

اس طرح عیسائیت انسانوں کی ایک بڑی تعداد کو رہبانیت کی طرف لے گئی اور جو صلاحیتیں تعمیر وتمدن اور ارتقائے حیات کے کام میں صرف ہونی چاہئیں تھیں وہ نفس کشی، تجرد اور غیر فطری تزکیۂ اخلاق میں ضائع ہوگئیں۔

اسلام دین اور دنیا کے اتحاد کا ضامن ہے۔ مسلمانوں کو دین اور دنیا دونوں کو برابر رکھنے کا حکم دیا گیا ہے۔ کسی کو دوسرے پر کسی قسم کی فضیلت حاصل نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ

کے نزدیک بہترین شخص وہ ہے جو متقی اور پرہیزگار ہو۔ اسلام افراط وتفریط کو مٹاتا ہے۔ چنانچہ مسلمان ہر نماز میں اللہ تعالیٰ سے دعا عرض کرتے ہیں:

"اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں بھی بھلائی عطا فرما اور آخرت میں بھی بھلائی عطا فرما اور ہمیں عذاب سے بچا۔o"

عیسائیت کی تعلیمات نامکمل اور پوری زندگی پر محیط نہیں ہیں۔ صرف چند بنیادی مشرکانہ عقائد ہیں اور بعض اخلاقی احکام۔ معاشرتی ومعاشی مسائل کو تو یکسر نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ حکومت وسیاست کے بارے میں کوئی ہدایات نہیں دی گئی۔ نہ کوئی شریعت ہے، نہ کوئی مستقل ضابطہ حیات۔ نہ قوانین اخلاق ہیں، نہ حقوق و فرائض اور نہ ہی معاملات کے متعلق ہدایات ہیں۔ حتیٰ کہ عبادت کا کوئی طریقہ بھی متعین نہیں ہے۔

مقبول عیسائی عالم جوڈ (Joad) لکھتا ہے:

"سیاسی اور اقتصادی معاملات کے متعلق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیم افسوسناک حد تک مبہم ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ مسیحی علماء سرمایہ داری، استعماریت، غلامی، جنگ، قید وبند دشمنوں کو زندہ جلانا اور تکالیف دینا، غرض جو چاہیں مسیح کی تعلیم ثابت کر سکتے ہیں۔"

عیسائی دین کا اصل الاصول "محبت" ہے۔ اس کے سوا باقی جذبات باطل ہیں۔ اخلاقی تعلیمات بھی سخت اور فوق البشریٰ ہیں جن پر عمل ناممکن ہے۔ مثلاً: اس میں محبت کے دو طرفہ اصول بتائے گئے ہیں۔ معبود کے ساتھ محبت اور پھر ہم جنسوں کے ساتھ محبت۔

اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے۔ اس میں نہ صرف اخلاقی تعلیم دی گئیں ہے بلکہ دینی، دنیاوی، روحانی، معاشرتی، معاشی، سیاسی اور اخروی زندگی گزارنے کے بارے میں واضح اصول بتائے گئے ہیں۔ تمام تعلیمات سادہ اور عام فہم ہیں۔ ارشاد ربانی ہے:

"آج میں نے تمہارا دین تمہارے لیے مکمل کر دیا اور اپنی نعمت تم پر پوری کر دی اور تمہارے لیے اسلام کو بطور دین پسند کر لیا۔"

اناجیل کی رو سے یسوع مسیح کا پیغمبرانہ کلام عالمگیر نہ تھا بلکہ صرف بنی اسرائیل کے لئے تھا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے شاگردوں سے کہا:

"غیر قوموں کی طرف نہ جانا اور سامریوں کے کسی شہر میں داخل نہ ہونا، بلکہ اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے پاس جانا۔"

حضرت مسیح علیہ السلام تکمیل یہودیت کے لئے آئے تھے۔ متی اور لوقا میں ہے:

"زمین وآسمان ٹل سکتے ہیں مگر تورات کا ایک شوشہ اور ایک نقطہ بھی نہیں ٹل سکتا۔ میں (مسیح عیسیٰ) تورات منسوخ کرنے کے لیے نہیں بلکہ مکمل کرنے کے لئے آیا ہوں۔"

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق قرآن مجید میں ہے کہ آپ نے فرمایا:

"میں دین موسیٰ کی تجدید کرنے آیا ہوں۔"

سورۂ آل عمران میں ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:

"میں تورات کی تصدیق کرتا ہوں جو مجھ سے پہلے نازل ہو چکی ہے۔"

اسلام کا پیغام عالمگیر ہے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت تمام دنیا کی طرف ہوئی۔ آپ تمام شریعتوں کی تکمیل کے لئے آئے۔ چنانچہ ارشاد الٰہی ہے:

"یہ کتاب تمام جہانوں کے لئے نصیحت ہے۔"

سورۃ سبا میں فرمایا:

"اے رسول! ہم نے تجھے تمام لوگوں کے لئے بشیر اور نذیر بنا کر بھیجا ہے۔"

ایک مشہور ترین آیت مبارکہ ہے:

"اے نبی! ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔"

حدیث مبارکہ میں ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"ہر نبی اپنی خاص قوم کی طرف بھیجا گیا تھا، مگر میں تمام سرخ اور سیاہ سب قوموں کی طرف بھیجا گیا ہوں۔"

مذہب عیسائیت خاص قوم بنی اسرائیل کی طرف آیا تھا۔ اس کی اصل تعلیمات مفقود ہو چکی ہیں۔ اسلام کے آنے کے بعد اصل اور سچا دین اسلام ہی ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام شریعتوں کی تکمیل کر دی ہے اور وہ خاتم النبین ہیں۔ لہٰذا دنیا اور آخرت کی بھلائی کے لئے دین اسلام ہی اصل دین اور ذریعہ ہدایت ہے۔

پطرس صاحب! آیئے! ہم دیکھتے ہیں کہ بائبل سائنس کے بارے میں کیا کہتی ہے۔؟ آغاز ہم فلکیات سے شروع کرتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ بائبل ہمیں علم فلکیات کے بارے میں کیا بتاتی ہے۔؟ بائبل کے آغاز میں ہی تخلیق کائنات کا ذکر موجود ہے یعنی کتاب پیدائش میں بتایا گیا ہے:

''خدا نے ابتدا میں زمین و آسمان کو پیدا کیا اور زمین ویران اور سنسان تھی اور گہراؤ کے اوپر اندھیرا تھا اور خدا کی روح پانی کی سطح پر جنبش کرتی تھی اور خدا نے دیکھا کہ روشنی اچھی ہے اور خدا نے روشنی کو تو دن کہا اور تاریکی کو رات اور شام ہوئی اور صبح ہوئی سو پہلا دن ہوا۔''

بائبل ہمیں بتاتی ہے کہ خدا نے کائنات کو چھ دن میں پیدا کیا اور بائبل صبح اور شام کا بھی ذکر کرتی ہے یعنی چوبیس گھنٹے والے دن کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ سائنس دان ہمیں بتاتے ہیں کہ چوبیس گھنٹے والے چھ دنوں میں کائنات کی تشکیل ممکن ہی نہیں ہے۔

قرآن مجید بھی اس حوالے سے چھ ایام کا ذکر کرتا ہے۔ عربی لفظ ایام ہے جس کا واحد یوم ہوتا ہے۔ لفظ یوم کا مطلب چوبیس گھنٹے کا ایک دن بھی ہوتا ہے اور اس سے مراد طویل عرصہ بھی ہوسکتا ہے یعنی ''ایک زمانہ۔'' اور یہ بات تسلیم کرنے میں کسی سائنس دان کو کوئی اعتراض نہ ہوگا کہ دنیا چھ ''طویل وقفوں'' یا ''زمانوں'' میں تخلیق ہوئی ہو۔

دوسرا نکتہ یہ ہے کہ بائبل کتاب پیدائش کی بالکل ابتدائی آیات یعنی آیات 3 تا 5 میں یہ بتاتی ہے کہ روشنی پہلے دن تخلیق ہوئی جب کہ روشنی کے اسباب سورج اور ستارے وغیرہ چوتھے دن تخلیق ہو رہے ہیں۔ اب یہ کس طرح ممکن ہے کہ روشنی کے اسباب وذرائع چوتھے دن تخلیق ہوں جب کہ روشنی پہلے ہی دن تخلیق ہو چکی ہو۔؟ یہ ایک بالکل غیر سائنسی بات ہے۔

مزید برآں تیسرا نکتہ یہ ہے کہ کتاب پیدائش کی آیت نمبر 9 تا 13 میں بتایا جارہا ہے کہ زمین تخلیق ہوئی تو اگر زمین اس مرحلے میں تخلیق ہو رہی ہے تو صبح اور شام پہلے دن کس طرح تخلیق ہو گئے تھے۔؟ دن اور رات کا انحصار ہی زمین کی گردش پر ہے اور اگر زمین نہیں بنی تھی تو دن اور رات کا تصور ہی ممکن نہیں تھا۔

چوتھا نکتہ یہ کہ کتاب پیدائش، پہلے باب کی آیات 9 تا 13 ہمیں بتاتی ہیں کہ زمین کی تشکیل تیسرے دن ہوئی تھی جب کہ آیت نمبر 14 تا 19 سے پتہ چلتا ہے کہ سورج اور چاند چوتھے دن بنائے گئے لیکن جدید سائنس ہمیں بتاتی ہے کہ زمین دراصل سورج ہی کا ایک حصہ ہے، لہٰذا اس کا سورج سے پہلے تخلیق ہونا ممکن ہی نہیں ہے۔ یہ غیر سائنسی بات ہے۔

پانچواں نکتہ یہ ہے کہ کتاب پیدائش پہلے باب کی آیات نمبر 9 تا 13 ہمیں بتاتی ہیں کہ زمین پر گھاس اور بوٹیاں اور درخت تیسرے دن تخلیق ہوئے جب کہ سورج کی تشکیل چوتھے دن ہوئی جیسا کہ آیت نمبر 14 تا 19 میں درج ہے۔ سائنس کا سوال یہ ہے کہ سورج کی روشنی کے بغیر نباتات کی نشوونما اور بقا کس طرح ممکن ہے۔؟

چھٹا نکتہ یہ کہ کتاب پیدائش باب 1، آیت 17 میں کہا گیا ہے:

''سو خدا نے دو بڑے نیر بنائے۔ ایک نیر اکبر کہ دن پر حکم کرے اور ایک نیر اصغر کہ رات پر حکم کرے اور اس نے ستاروں کو بھی بنایا۔''

اس آیت اور آیات ماقبل ومابعد سے پتہ چلتا ہے کہ چاند اور سورج دونوں روشن اجسام ہیں لیکن ہم جانتے ہیں کہ یہ بات مسلمہ سائنسی حقائق کے خلاف جاتی ہے۔

کچھ لوگ مطابقت پیدا کرنے کے لئے یہ موقف اختیار کرتے ہیں کہ بائبل میں بیان کیے گئے چھ دن بھی درحقیقت چھ زمانے ہیں لیکن ان کی یہ بات بھی غیر منطقی ہے۔ کیونکہ آپ صاف دیکھ سکتے ہیں کہ بائبل میں صبح کا بھی ذکر ہو رہا ہے اور شام کا بھی جو اس بات کا ثبوت ہے کہ یہاں چوبیس گھنٹے والا دن ہی مراد ہے لیکن بالفرض یہ غیر منطقی دلیل تسلیم کر بھی لی جائے تو اس طرح زیادہ سے زیادہ پہلے دو نکات کا جواب ملتا ہے جب کہ باقی ماندہ چار سوالات پھر بھی جواب طلب ہی رہ جاتے ہیں۔

بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ اگر یہاں عام دن ہی مراد ہے تو پھر نباتات چوبیس گھنٹے روشنی کے بغیر بھی گزار سکتے ہیں۔ میں کہتا ہوں چلیئے آپ کی یہ بات تسلیم کیے لیتے ہیں لیکن اس طرح نباتات والا مسئلہ تو حل ہوتا ہے دیگر مسائل پھر جواب طلب رہ جاتے ہیں۔ آپ ''چت بھی میری اور پٹ بھی میری'' والا رویہ نہیں اپنا سکتے۔

یا تو آپ (مسیحی حضرات) یہ تسلیم کرلیں کہ دن سے مراد ایک طویل زمانہ ہے تو آپ

پہلا اور تیسرا نکتہ حل کر لیں گے لیکن دوسرا، چوتھا، پانچواں اور چھٹا نکتہ پھر بھی حل طلب رہ جائے گا۔

دوسری صورت یہ ہے کہ آپ دن کو 24 گھنٹے کا عام دن ہی فرض کریں، اس صورت میں صرف پانچویں نکتے کا جواب مہیا کر دیں گے لیکن باقی تمام نکات حل طلب رہ جائیں گے۔

اب جہاں تک زمین کا تعلق ہے تو اس بارے میں متعدد سائنسی نظریات موجود ہیں۔ یہ نظریات محض مفروضے ہیں جو درست بھی ہو سکتے ہیں اور غلط بھی، لیکن یا تو زمین بالآخر فنا ہو جائے گی اور یا ہمیشہ موجود رہے گی۔ ان میں سے کوئی ایک نظریہ ہی درست ہو سکتا ہے۔ دونوں باتیں بیک وقت درست نہیں ہو سکتیں۔ یہ ایک غیر سائنسی بات ہوگی۔ لیکن مسئلہ یہ ہے کہ بائبل یہی کہتی ہے یعنی دونوں باتوں کا ذکر کرتی ہے۔

عبرانیوں کے نام پولوس رسول کے خط کے پہلے باب کی گیارھویں اور بارھویں آیت میں کہا گیا ہے:

"اے خداوند!
تو نے ابتدا میں زمین کی نیو ڈالی۔
اور آسمان تیرے ہاتھ کی کاریگری ہیں۔
وہ نیست ہو جائیں گے مگر تو باقی رہے گا۔
اور وہ سب پوشاک کی مانند پرانے ہو جائیں گے۔"

اسی طرح کتاب زبور کے باب نمبر 102 میں کہا گیا!

"تو نے قدیم سے زمین کی بنیاد ڈالی، آسمان تیرے ہاتھ کی صنعت ہے، وہ نیست ہو جائیں گے پر تو باقی رہے گا۔"

لیکن دوسری طرف اس کے بالکل برعکس اور متضاد بیانات بھی بائبل میں موجود ہیں۔ چنانچہ لکھا ہے:

"انسان کو اس ساری محنت سے جو وہ کرتا ہے کیا حاصل ہے؟ ایک پشت جاتی ہے اور دوسری پشت آتی ہے، پر زمین ہمیشہ قائم رہتی ہے۔"

اسی طرح زبور میں کہا گیا ہے:

"اور اپنے مقدس کو پہاڑوں کی مانند تعمیر کیا اور زمین کی مانند جسے اس نے ہمیشہ کے لئے قائم کیا ہے۔"

یہ بھی ایک سائنسی غلطی ہے، کیونکہ دنیا بیک وقت فانی اور غیر فانی نہیں ہو سکتی۔

اب ہم آسمان کی طرف آتے ہیں۔ بائبل میں کہا گیا ہے:

"اور آسمان کے ستون کانپتے ہیں اور اس کی جھڑکی سے حیران ہوتے ہیں۔"

جبکہ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

"اس نے آسمانوں کو پیدا کیا بغیر ستونوں کے۔"

بائبل مقدس کہتی ہے کہ آسمان کے ستون ہیں۔ قرآن مجید کہتا ہے کہ آسمان غیر ستونوں کے ہے۔ کیا آپ خود نہیں دیکھ سکتے کہ آسمان کے ستون موجود ہیں یا نہیں۔؟

بائبل نہ صرف یہ کہتی ہے کہ آسمان کے ستون ہیں بلکہ وہ تو زمین کے بارے میں بھی یہی بات کرتی ہے۔ چنانچہ سموئیل 1 میں ہے:

"زمین کے ستون خداوند کے ہیں۔ اس نے دنیا کو اُن ہی پر قائم کیا ہے۔"

"زمین اور اس کے سب باشندے گداز ہو گئے ہیں میں نے اس کے ستونوں کو قائم کر دیا ہے۔"

"وہ زمین کو اس کی جگہ سے ہلا دیتا ہے اور اس کے ستون کانپنے لگتے ہیں۔"

چنانچہ بائبل کی ایک سائنسی غلطی یہ بھی ہے کہ اس میں زمین و آسمان کے ستون ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

اب ہم آتے ہیں غذائیات کی طرف۔ کتاب پیدائش میں کہا گیا:

"اور خدا نے کہا دیکھو میں تمام روئی، زمین کی کل بیج دار سبزی اور ہر درخت جس میں اس کا بیج دار پھل ہو تم کو دیتا ہوں۔ یہ تمہارے کھانے کو ہوں۔"

آج ایک عام آدمی بھی بخوبی جانتا ہے کہ کچھ بیج دار نباتات اس قدر زہریلی ہوتی ہیں کہ انہیں کھانے والا یقینی طور پر اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھے گا۔ جبکہ بائبل کہتی ہے کہ ایسے تمام پھل کھانے کے لئے ہیں۔ میں امید رکھتا ہوں کہ کوئی بھی مسیحی حکیم اپنے مریضوں کو یہ پھل نہیں دیتا ہوگا۔

بائبل میں ایک ایسا طریقہ کار بتایا گیا ہے۔ جس کی مدد سے معلوم کیا جا سکتا ہے کہ کون

حقیقی ایماندار ہے۔ چنانچہ لکھا ہے:

''اور ایمان لانے والوں کے درمیان یہ معجزے ہوں گے۔ وہ میرے نام سے بدروحوں کو نکال لیں گے۔ نئی نئی زبانیں بولیں گے۔ سانپوں کو اُٹھالیں گے اور اگر کوئی ہلاک کرنے والی چیز پئیں گے تو انہیں کوئی ضرر نہ پہنچے گا۔ وہ بیماروں پر ہاتھ رکھیں گے تو اچھے ہو جائیں گے۔''

یہ ایک سائنسی ٹسٹ ہے۔ جس کے ذریعے ایک حقیقی مسیحی کا پتہ چلایا جاسکتا ہے۔

اپنی زندگی کے گزشتہ دس سالوں کے دوران مجھے بلا مبالغہ ہزاروں عیسائیوں سے واسطہ پڑا ہے، جس میں عیسائیت کے مبلغین بھی شامل تھے، لیکن میں نے آج تک کوئی ایک بھی ایسا عیسائی نہیں دیکھا جو انجیل کے اس امتحان میں کامیاب ہوسکے۔ میں نے کوئی ایک بھی عیسائی نہیں دیکھا جو زہر کھائے لیکن اس پر زہر کام نہ کرے۔ سائنسی اصطلاح میں ہم اس امتحان کو "Falsification Test" بھی کہہ سکتے ہیں۔ کوئی غلط آدمی یہ امتحان دینے کی جرأت ہی نہیں کرے گا۔ اگر آپ ایک حقیقی عیسائی نہیں ہیں تو آپ کبھی یہ امتحان نہیں دیں گے۔

میں اکثر اپنے مسیحی حلیفوں کو کہا کرتا ہوں کہ میرا خیال ہے کہ آپ ایک حقیقی مسیحی ہیں اور میری خواہش ہے کہ کم ازکم آپ یہ امتحان ضرور دیں۔

اب ہم آبیات یا ''علم الآب'' (Hydrology) کا ذکر کرتے ہیں۔ بائبل میں کہا گیا ہے:

''میں اپنی کمان کو بادل میں رکھتا ہوں وہ میرے اور زمین کے درمیان عہد کا نشان ہوگی اور ایسا ہوگا کہ جب میں زمین پر بادل لاؤں گا تو میری کمان بادل میں دکھائی دے گی اور میں اپنے عہد کو جو میرے اور تمہارے اور ہر طرح کے جانداروں کے درمیان ہے، یاد کروں گا اور تمام جانداروں کی ہلاکت کے لئے پانی کا طوفان پھر نہ ہوگا اور کمان بادل میں ہوگی اور میں اس پر نگاہ کروں گا تاکہ اس ابدی عہد کو یاد کروں جو خدا کے اور زمین کے سب طرح کے جانداروں کے درمیان ہے۔ پس خدا نے نوح سے کہا کہ یہ اس عہد کا نشان ہے جو میں اپنے اور زمین کے کل جانداروں کے درمیان قائم کرتا ہوں۔''

مندرجہ بالا بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ طوفان نوح کے اترنے کے بعد یہ عہد خدا اور حضرت نوح علیہ السلام کے مابین ہوا اور اس کی نشانی کے طور پر فلک میں قوس قزح نظر آئی، یعنی اس سے پہلے قوس قزح نہیں ہوا کرتی تھی لیکن یہ ایک غیر سائنسی بیان ہے۔ یہ بات کیوں کر تسلیم کی جاسکتی ہے کہ طوفانِ نوح علیہ السلام سے قبل بادل تو ہوتے تھے اور بارش تو برستی تھی لیکن قوس قزح نہیں بنتی تھی۔ کیا اس وقت "Law of Refraction" موجود نہیں تھا؟ یقیناً حضرت نوح علیہ السلام کے دور سے پہلے بھی بے شمار مرتبہ قوس قزح بنتی رہی ہوگی۔ چنانچہ ثابت ہوا کہ بائبل کا یہ بیان بھی غیر سائنسی ہے۔

اب ہم آتے ہیں علم طب کی جانب۔ انجیل میں گھر کو کوڑھ کی وباء سے محفوظ کرنے کے لئے ایک طریقہ بتایا گیا ہے، جو کچھ یوں ہے:

''اور وہ اس گھر کو پاک قرار دینے کے لئے دو پرندے اور دیوار کی لکڑی اور سرخ کپڑا اور زوفا لے۔ اور وہ ان پرندوں میں سے ایک کو مٹی کے کسی برتن میں بہتے ہوئے پانی پر ذبح کرے پھر وہ دیوار کی لکڑی اور زوفا اور سرخ کپڑے اور اس زندہ پرندے کو لے کر ان کو اس ذبح کیے ہوئے پرندے کے خون میں اور بہتے ہوئے پانی میں غوطہ دے اور سات بار اس گھر پر چھڑکے اور اس پرندے کے خون سے اور بہتے ہوئے پانی اور زندہ پرندے، دیودار کی لکڑی اور زوفا اور سرخ کپڑے سے اس گھر کو صاف کرے اور اس زندہ پرندے کو شہر کے باہر کھلے میدان میں چھوڑ دے۔ یوں وہ گھر کے لئے کفارہ دے تو گھر پاک ٹھہرے گا۔''

بائبل کہتی ہے کہ گھر کو کوڑھ کے جراثیم سے پاک کرنے کے لئے اس میں خون چھڑکا جائے۔ آپ جانتے ہیں کہ خون جراثیم کو پھیلانے کا بہترین ذریعہ ہے نہ کہ جراثیم کو ختم کرنے کا۔ مجھے اُمید ہے کہ کوئی بھی مسیحی ڈاکٹر اس طریقہ سے اپنے آپریشن تھیٹر کی صفائی نہیں کرتا ہوگا۔

ہم سب جانتے ہیں کہ نفاس کا خون وہ خون جو بچے کی پیدائش کے دوران یا اس کے بعد آتا ہے، یہ خون ناپاک ہوتا ہے لیکن بائبل اس بارے میں کہتی ہے:

''اور خداوند نے موسیٰ سے کہا بنی اسرائیل سے کہہ کہ اگر کوئی عورت حاملہ ہو اور اس کا

لڑکا ہو تو وہ سات دن ناپاک رہے گا جیسے حیض کے ایام میں رہتی ہے اور آٹھویں دن لڑکے کا ختنہ کیا جائے۔ اس کے بعد تینتیس دن تک وہ طہارت کے خون میں رہے اور جب تک اس کی طہارت کے ایام پورے نہ ہوں تب تک نہ تو کسی مقدس چیز کو چھوئے اور نہ مقدس مقام میں داخل ہو۔ اور اگر اس کے لڑکی ہو تو وہ دو ہفتے ناپاک رہے گی جیسے حیض کے ایام میں رہتی ہے اس کے بعد چھیاسٹھ دن تک وہ طہارت کے خون میں رہے۔"

یعنی اگر وہ بیٹے کو جنم دیتی ہے تو چالیس دن ناپاک رہے گی لیکن اگر وہ بیٹی کو جنم دیتی ہے تو پورے اسی دن تک ناپاک رہے گی۔ میں مسیحی احباب سے درخواست کروں گا کہ وہ وضاحت فرمائیں کہ اس کی کیا وجہ ہے؟ سائنسی وطبی طور پر عورت بیٹی پیدا ہونے کی صورت میں دگنے عرصے تک کیوں ناپاک رہتی ہے۔؟

انجیل میں کسی عورت کی بدکرداری ثابت کرنے کے لئے بھی ایک امتحان بیان کیا گیا ہے۔ اس کی تفصیل گنتی کے باب نمبر 5 کی آیات 11 تا 31 میں موجود ہے۔ میں اس کا خلاصہ بیان کرتا ہوں۔ کتاب گنتی میں ہے:

"اگر کسی کی بیوی گمراہ ہو کر اس سے بے وفائی کرے۔ مگر نہ تو کوئی شاہد ہو اور نہ وہ عین فعل کے وقت پکڑی گئی ہو تو وہ شخص اپنی بیوی کو کاہن کے پاس لائے گا اور کاہن مٹی کے ایک برتن میں مقدس پانی لے اور مسکن کے فرش کے گرد لے کر اس پانی میں ڈالے اور وہ کڑوا پانی اس عورت کو پلائے۔ جب وہ اس کو پانی پلا چکے گا تو ایسا ہو گا کہ اگر وہ ناپاک ہوئی تو وہ پانی جو لعنت کو لاتا ہے اس پیٹ میں جا کر کڑوا ہو جائے گا، اس کا پیٹ پھول جائے گا، اس کی ران سڑ جائے گی۔ لیکن اگر وہ ناپاک نہیں ہوئی بلکہ پاک ہے تو بے الزام ٹھہرے گی اور اس سے اولاد ہو گی۔"

ریاضی بھی سائنس کا ایک شعبہ ہے اور انتہائی اہم شعبہ ہے۔ اس حوالے سے دیکھا جائے تو بائبل میں ہمیں سینکڑوں تضادات نظر آتے ہیں۔ میں ان میں سے صرف چند ہی کا ذکر کروں گا۔!

جب بنی اسرائیل کو بابل سے رہائی ملی تو وہ واپس آئے۔ ان کی فہرست بائبل میں موجود ہے۔ عزرا کے دوسرے باپ کی آیات نمبر 2 تا 63 اور نحمیاہ باب

نمبر 7 آیات 7 تا 65 میں مکمل فہرست دی گئی ہے لیکن ان دونوں فہرستوں میں کم از کم 18 جگہ تضادات موجود ہیں۔

مزید برآں کتاب عزرا میں کل تعداد چالیس ہزار تین سو ساٹھ بتائی گئی ہے جبکہ نحمیاہ میں بھی کل تعداد یہی بتائی گئی ہے یعنی چالیس ہزار تین سو ساٹھ لیکن جب میں نے خود اس تعداد کو جمع کیا تو جواب بالکل مختلف تھا۔ عزرا میں بیان کی گئی تعداد انتیس ہزار آٹھ سو اٹھارہ بنتی ہے۔ اسی طرح نحمیاہ میں بیان کی گئی تعداد کو جمع کیا جائے تو وہاں بھی میزان اکتیس ہزار انانوے (31,089) آئے گا۔

اگر بائبل کا مصنف سیدھا سادا میزان بھی نہیں کر سکتا تھا تو کیا اس کتاب کو خدا کی جانب سے نازل کردہ تسلیم کیا جا سکتا ہے۔؟

آگے چلیے۔! عزرا میں کہا گیا ہے:

"ان کے ساتھ دو سو گانے والے اور گانے والیاں تھیں۔"

جب کہ نحمیاہ میں کہا جا رہا ہے:

"اور ان کے ساتھ دو سو پینتالیس گانے والے اور گانے والیاں تھیں۔"

اب آپ ہی بتائیے کہ یہ تعداد دو سو تھی یا دو سو پینتالیس؟ کیونکہ بات ایک ہی سیاق وسباق میں ہو رہی ہے لیکن ریاضیاتی تضاد موجود ہے۔

اسی طرح سلاطین 2 کے باب نمبر 24 میں تحریر ہے:

"اور یہویاکین جب سلطنت کرنے لگا تو اٹھارہ برس کا تھا اور یروشلم میں اس نے تین مہینے سلطنت کی۔"

لیکن تواریخ 2 کے باب نمبر 36 میں کہا جا رہا ہے:

"یہویاکین آٹھ برس کا تھا جب وہ سلطنت کرنے لگا اور اس نے تین مہینے دس دن حکومت کی۔"

تضاد بالکل واضح ہے۔ میں عیسائیوں سے پوچھنا چاہوں گا کہ جب یہویاکین نے سلطنت شروع کی تو اس کی عمر آٹھ برس تھی یا اٹھارہ برس؟ اور یہ بھی کہ اس نے حکومت تین مہینے کی یا تین مہینے دس دن۔؟

مزید برآں بائبل میں ہیکل سلیمانی کا ذکر کرتے ہوئے سلاطین 1 کے باب

نمبر 7 کی آیت نمبر 26 میں تحریر ہے:

''اور دل اس کا چار انگل تھا اور اس کا کنارہ پیالہ کے کنارہ کی طرح گلِ سوسن کے مانند تھا اور اس میں دو ہزار بت کی سمائی تھی۔''

دوسری جگہ یعنی تواریخ 2، باب نمبر 4، آیت 5 میں ہیکل سلیمانی ہی کے ذکر میں یہ بات اس طرح مرکوز ہے:

''اور اس کی موٹائی چار انگل کی تھی اور اس کا کنارہ پیالہ کے کنارہ کی طرح اور سوسن کے پھول سے مشابہ تھا۔ اس میں تین ہزار بت کی سمائی تھی۔''

اب میں مسیحی حضرات پر چھوڑتا ہوں۔ وہ ہمیں بتائیں کہ وہاں تین ہزار بت کی سمائی تھی یا دو ہزار بت کی۔؟

یہاں ایک واضح ریاضیاتی تضاد ہمارے سامنے موجود ہے۔

آگے چلئے! سلاطین 1 کے باب نمبر 15 کی آیت نمبر 33، 34 پڑھیے۔ یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ شاہِ یہوداہ آسا کے چھبیسویں سال بعد بعشا مر گیا تھا اور اس کی جگہ اس کا بیٹا ایلہ حکومت کرنے لگا۔ لیکن تواریخ 2 کا سولہواں باب پڑھنا شروع کیجئے۔ یہاں کہا گیا ہے کہ آسا کے چھتیسویں برس بعشا نے یہوداہ پر حملہ کیا۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ بعشا اپنی موت کے دس سال بعد کس طرح یہوداہ پر چڑھائی کر سکتا ہے۔؟ یہ ایک بالکل غیر سائنسی بات ہے۔

کتاب احبار، بابِ نمبر 11 کی چھٹی آیت دیکھیں تو اس میں لکھا ہے:

''اور خرگوش کو کیوں کہ وہ جگالی تو کرتا ہے لیکن اس کے پاؤں الگ نہیں، وہ بھی تمہارے لئے ناپاک ہے۔''

یہاں واضح طور پر کہا جا رہا ہے کہ خرگوش جگالی کرتا ہے۔ حالانکہ آج ہم سب جانتے ہیں کہ خرگوش جگالی نہیں کرتا اور نہ ہی اس کے معدے کی بناوٹ جگالی کرنے والے جانوروں کی سی ہوتی ہے۔ دراصل اس کے منہ کی مسلسل حرکت کی وجہ سے زمانۂ قدیم میں ایسا سمجھا جاتا تھا۔

اسی طرح امثال، باب نمبر 6، آیت 7 میں کہا گیا:

''چیونٹیوں کا نہ کوئی سردار ہے، نہ ناظر اور نہ حاکم۔''

آج ہم جانتے ہیں کہ چیونٹیاں نہایت منظم مخلوق ہیں۔ ان کے ہاں ایک باقاعدہ نظام پایا جاتا ہے جس کے مطابق وہ محنت کرتی اور خوراک جمع کرتی ہیں۔ ان میں باقاعدہ سردار چیونٹی بھی ہوتی ہے اور نیچے درجہ بدرجہ کارکن چیونٹیاں بھی ہوتی ہیں۔ یہ ایک سائنسی حقیقت ہے جسے بائبل نے نظر انداز کر دیا بلکہ اس کی مخالفت کی، لہٰذا بائبل کا یہ بیان غیر سائنسی ہے، لیکن الحمدللہ! قرآن مجید یہاں بھی جدید سائنس کے ساتھ مطابقت رکھتا ہے۔ چنانچہ چند باتیں ملاحظہ فرمائیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''اور سلیمان کیلئے اس کا لشکر جنوں، انسانوں اور پرندوں سے جمع کیا گیا، پس وہ روکے جاتے تھے یہاں تک کہ وہ چیونٹیوں کے میدان میں آئے، ایک چیونٹی نے کہا اے چیونٹیو! تم اپنی بلوں میں داخل ہو جاؤ، (کہیں) سلیمان اور اس کا لشکر تمہیں روند نہ ڈالے اور انہیں خبر بھی نہ ہو۔o''

عین ممکن ہے کہ ماضی میں بعض لوگوں نے قرآن کا مذاق اڑایا ہو کہ یہ ایک کہانیوں کی کتاب ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ چیونٹیاں ایک دوسرے سے بات کرتی ہیں۔ جس طرح کہ بائبل میں ہے۔

بہرحال عصر حاضر میں جدید تحقیقات نے چیونٹیوں کی طرزِ زندگی سے متعلق چند انکشافات کئے ہیں جو انسان کو آج سے پہلے معلوم نہ تھے۔ تحقیقات نے یہ ثابت کیا ہے کہ وہ حشرات جن کے طرزِ زندگی میں انسانی طرزِ حیات کی بہت زیادہ مشابہت موجود ہے وہ چیونٹیاں ہیں۔ چند مشابہتیں دیکھئے:

چیونٹیاں بھی انسانوں کی طرح اپنا مردہ دفن کرتی ہیں۔

چیونٹیوں میں مزدوروں کی تفریق کا منظم نظام ہے۔ ان میں منیجر، سپروائزر، فورمین اور مزدور وغیرہ ہوتے ہیں۔

جب بھی چیونٹیاں آپس میں کہیں ملتی ہیں تو بات چیت کرتی ہیں۔

چیونٹیاں باقاعدہ مارکیٹ رکھتی ہیں جہاں وہ اشیاء کا تبادلہ کرتی ہیں۔

چیونٹیوں میں باہمی تیز ترین رابطے کا ایک جدید نظام موجود ہے۔

سردیوں میں وہ طویل مدت تک زیرِ زمین رہنے کیلئے اناج اکٹھا کرتی ہیں اور اگر اس

میں سے دانہ پھوٹ جائے تو وہ جڑوں کو کاٹ دیتی ہیں۔ جیسا کہ وہ جانتی ہوں کہ اگر انہوں نے اسے اگنے کیلئے چھوڑ دیا تو یہ گل سڑ جائے گا۔

اگر جمع شدہ اناج بارش سے گیلا پڑ جائے تو وہ اس کو دھوپ میں سکھانے لے جاتی ہیں اور جب یہ سوکھ جاتا ہے تو وہ اسے اندر واپس لے جاتی ہیں جیسا کہ وہ جانتی ہوں کہ نمی جڑوں کی افزودگی کا باعث بنے گی جو کہ فوراً اناج کے سڑنے کا باعث ہوگا۔

کتاب پیدائش، باب نمبر 3، آیت نمبر 14 اور پھر یسعیاہ، باب نمبر 65، آیت نمبر 25 میں کہا گیا ہے کہ سانپ کی خوراک خاک ہے۔ حیاتیات کی کوئی کتاب ہمیں یہ نہیں بتاتی کہ سانپ کی خوراک خاک ہے۔

مزید برآں بائبل میں ایسے جانوروں کا ذکر بھی موجود ہے جو سرے سے وجود ہی نہیں رکھتے۔ مثلاً: ایک دیومالائی جانور "Unicorn" یہ ایک سینگ والا گھوڑا ہے جو صرف اساطیر (کہانیوں) میں پایا جاتا ہے، حقیقی دنیا میں وجود نہیں رکھتا۔

بائبل میں کہا گیا ہے:

"پھر ابلیس اسے ایک بہت اونچے پہاڑ پر لے گیا اور دنیا کی سب سلطنتیں اور ان کی شان و شوکت اسے دکھائی۔"

اب بات یہ ہے کہ آپ دنیا کے بلند ترین پہاڑ پر ہی کیوں نہ چلے جائیں۔ آپ ماؤنٹ ایورسٹ کی چوٹی پر ہی کیوں نہ چلے جائیں اور فرض کیجئے آپ بہت دور تک دیکھ بھی سکتے ہوں، ہزاروں میل تک دیکھ سکتے ہوں پھر بھی آپ دنیا کی تمام سلطنتیں نہیں دیکھ سکتے۔ کیونکہ آدھی دنیا زمین کے دوسری طرف ہوگی۔ کیونکہ دنیا بیضہ نما ہے۔ کسی اونچے مقام سے پوری دنیا کو دیکھنا صرف اسی صورت میں ممکن ہے اگر زمین چپٹی ہو اور بائبل بھی یہی کہتی ہے۔ پھر زمین کے بارے میں اسی طرح کا بیان بائبل میں ایک اور جگہ بھی موجود ہے۔ چنانچہ دانیال میں ہے:

"میں نے نگاہ کی اور کیا دیکھتا ہوں کہ زمین کے وسط میں ایک نہایت اونچا درخت ہے۔ وہ درخت بڑھا اور مضبوط ہوا اور اس کی چوٹی آسمان تک پہنچی اور وہ زمین کی انتہا تک دکھائی دینے لگا۔"

مندرجہ بالا صورتِ حال بھی صرف اسی صورت میں ممکن ہے اگر زمین چپٹی ہو۔ کیونکہ

اگر زمین گول ہے تو پھر زمین کی دوسری طرف سے اس درخت کو کبھی نہیں دیکھا جا سکے گا۔ لیکن آج یہ بات ایک طے شدہ حقیقت کا درجہ رکھتی ہے کہ زمین گول یعنی بیضہ نما ہے۔ مزید برآں تواریخ 1، باب نمبر 16 کی آیت نمبر 30 میں کہا گیا ہے:

"جہاں قائم ہے اور اسے جنبش نہیں۔"

یہ بات بائبل میں دوسری جگہ بھی کی گئی ہے کہ زمین حرکت نہیں کرتی، حالانکہ یہ بیان بھی غیر سائنسی ہے۔

بائبل میں کہا گیا کہ یونس علیہ السلام تین دن اور تین رات مچھلی کے پیٹ میں رہے تھے، اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام تین دن اور تین رات زمین کے پیٹ میں رہیں گے۔ کیا یہ پیش گوئی پوری ہوئی۔؟

متی کی انجیل کے بارھویں باب میں ہے:

"اس پر بعض فقیہوں اور فریسیوں نے جواب میں اس سے کہا کہ اے استاد! ہم تجھ سے ایک نشان دیکھنا چاہتے ہیں۔ اس نے جواب دے کر ان سے کہا اس زمانہ کے بُرے اور زنا کار لوگ نشان طلب کرتے ہیں مگر یوناہ نبی کے نشان کے علاوہ کوئی اور نشان ان کو نہ دیا جائے گا۔ کیوں کہ جیسے یوناہ تین رات دن مچھلی کے پیٹ میں رہا ویسے ہی ابن آدم تین رات دن زمین کے پیٹ کے اندر رہے گا۔"

دیکھیے! اس پیش گوئی میں واضح طور پر حضرت یونس علیہ السلام کی مثال دی گئی ہے کہ جس طرح وہ تین راتیں اور تین دن مچھلی کے پیٹ میں رہے۔ اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام تین راتیں اور تین دن زمین کے پیٹ میں رہیں گے۔ لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مصلوب ہونے کی جو داستان ہمیں بائبل سناتی ہے اس کے مطابق تو انہیں جمعہ کے دن مصلوب کیا گیا۔ رات گئے دفن کیا گیا اور اتوار کو قبر خالی تھی۔ یہ دو دن بھی نہیں بنتے بلکہ زیادہ سے زیادہ ایک دن اور دو راتیں بنتی ہیں۔ تین دن اور تین راتیں نہیں۔

عیسائی کہتے ہیں کہ دن کے ایک حصے کو پورا دن شمار کیا جا سکتا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر ایک مریض ہفتے کے شب بیمار ہوا اور اگر پیر کے دن میں اس سے پوچھوں کہ وہ کتنے دن بیمار ہے تو وہ یہی جواب دے گا کہ تین دن سے۔

ہم ان کی بات مان لیتے ہیں۔ٹھیک ہے اسی طرح ہوگا، لیکن پیر کے دن کوئی مریض یہ ہرگز نہیں کہے گا کہ میں تین دن اور تین راتوں سے بیمار ہوں۔ میں چیلنج کرتا ہوں۔ میں نے الحمدللہ! بہت مریض دیکھے ہیں اور ان میں مسیحی مریض بھی شامل تھے لیکن کسی بھی مریض نے جو گزشتہ پرسوں رات کو بیمار ہوا ہو یہ کبھی نہیں کہا کہ میں تین دنوں اور تین راتوں سے بیمار ہوں۔ جب کہ بائبل میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرما رہے ہیں تین دن اور تین راتیں۔ لہٰذا یہ ایک ریاضیاتی غلطی ہے اور ایک اور پوری نہ ہونے والی پیشن گوئی ہے۔

سائنسی لحاظ سے تقابل حضرت یونس علیہ السلام کے ساتھ کیا جائے تو یہ سوال بھی پیدا ہوتا ہے کہ وہ تین دن مچھلی کے پیٹ میں کیسے رہے؟ زندہ یا مردہ؟ جواب ہوگا زندہ۔ مچھلی تین دن انہیں زندہ لے کر سمندر میں پھرتی رہی۔ وہ زندہ تھے، جب انہوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تب مچھلی نے انہیں ساحل پر اگلا تو وہ زندہ تھے۔ زندہ، زندہ، زندہ۔

لیکن جب پوچھا جائے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تین دن زمین میں کیسے رہے تو جواب کیا ہوگا؟ زندہ یا مردہ۔؟ اگر وہ مردہ تھے تو پیشن گوئی پوری نہیں ہوئی۔ اگر زندہ تھے تو پھر وہ مصلوب ہی نہیں ہوئے۔ میں اپنے ایک خطاب میں اس موضوع پر گفتگو کر چکا ہوں کہ حضرت مسیح علیہ السلام مصلوب ہوئے تھے یا نہیں؟ اور درست بات وہی ہے جو قرآن بتاتا ہے یعنی:

''حالانکہ فی الواقعہ انھوں نے نہ اس کو قتل کیا اور نہ مصلوب کیا بلکہ معاملہ ان کے لئے مشتبہ کر دیا گیا۔''

قرآن مجید سے ہمیں یہ اطلاع ملتی ہے:

''ہر دور کے لئے کتاب ہے۔ اللہ جو چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور جس چیز کو چاہتا ہے قائم رکھتا ہے۔ ام الکتاب اسی کے پاس ہے۔''

یعنی اللہ تعالیٰ نے بہت سی کتابیں نازل فرمائی ہیں لیکن نام صرف چار کا مرکوز ہے۔ تورات، زبور، انجیل اور قرآن مجید۔ تورات بھی وحی خداوندی ہے اور زبور بھی۔ انجیل بھی وحی ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی اور قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی وہ وحی

ہے جو اس کے آخری پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی اور اللہ تعالیٰ کی جانب سے آخری وحی ہے۔

جس انجیل کو آج کل مسیحی حضرات اپنی کتاب مقدسہ قرار دیتے ہیں ہم مسلمانوں کے نزدیک یہ وہ انجیل نہیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی۔ ہمارے خیال میں یہ ممکن ہے کہ اس انجیل میں کلام خداوندی بھی شامل ہو لیکن اس میں دیگر کئی چیزیں بھی شامل ہیں۔ اس میں حواریوں کا کلام بھی شامل ہے، تاریخ دانوں کے بیانات بھی شامل ہیں اور کچھ بے معنی کلام اور بھی۔ مزید برآں اس میں کچھ فحش بیانات اور لاتعداد سائنسی اغلاط بھی موجود ہیں۔ اگر بائبل میں کچھ باتیں سائنسی طور پر درست ہیں تو اس کا امکان موجود ہے کیونکہ بائبل میں کلام الٰہی بھی شامل ہونے کا امکان ہم تسلیم کرتے ہیں۔ کیا آپ یہ پسند کرتے ہیں کہ ان اغلاط کو خدا کی طرف منسوب کیا جائے۔؟

ہمارا مقصد تو صرف یہ بتانا ہے کہ کلام خداوندی میں غلطی نہیں ہوسکتی۔ اس میں سائنسی غلطیوں کا امکان ہی نہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی یہی فرماتے تھے کہ سچائی کو تلاش کرو۔ دیکھئے! ہمارے پاس عہد نامہ قدیم ہے، عہد نامہ جدید ہے اور خدا کی آخری وحی بھی ہمارے پاس قرآن مجید کی صورت میں موجود ہے۔

اگر انجیل کی ایک بھی پیشن گوئی غلط ثابت ہو جائے تو اس کا مطلب ہوگا کہ یہ کتاب منزل من اللہ نہیں ہے اور میں ایسی پیش گوئیوں کی پوری فہرست آپ کے سامنے پیش کر سکتا ہوں۔ مثال کے طور پر کتاب پیدائش کے چوتھے باب کی بارھویں آیت میں قائن سے کہا گیا:

''جب تو زمین کو جوتے گا تو وہ اب تجھے اپنی پیداوار نہ دے گی اور زمین پر تو خانہ خراب اور آوارہ ہوگا۔''

لیکن چند ہی سطروں کے بعد آیت نمبر 17 میں پتہ چلتا ہے:

''اور اس نے ایک شہر بسایا اور اس کا نام اپنے بیٹے کے نام پر حنوک رکھا۔''

یعنی پیشن گوئی بالکل غلط ثابت ہوئی۔ اسی طرح یرمیاہ کے باب نمبر 36 کی آیت نمبر 30 میں ہم پڑھتے ہیں:

"اس لئے شاہ یہوواہ یہویقیم کی بابت خداوند یوں فرماتا ہے کہ اس کی نسل میں سے کوئی باقی نہ رہے گا جو داؤد کے تخت پر بیٹھے اور اس کی لاش پھینکی جائے گی تا کہ دن کو گرمی میں، رات کو پالے میں پڑی رہے۔"

لیکن اگر آپ سلاطین 2 کے چوبیسویں باب کی چھٹی آیت کا مطالعہ کریں تو آپ کو معلوم ہوگا:

"اور یہویقیم اپنے باپ دادا کے ساتھ سو گیا اور اس کا بیٹا یہویاکین اس کی جگہ بادشاہ ہوا۔"

یعنی پیشن گوئی غلط ثابت ہوئی۔

اگرچہ ایک ہی پیشن گوئی کا غلط ہونا یہ ثابت کر دیتا ہے کہ موجودہ انجیل کلام خداوندی نہیں ہے لیکن میں بہت سی مثالیں پیش کر سکتا ہوں۔

حزقی ایل، باب نمبر 26 کی آیت نمبر 8 میں بتایا گیا ہے کہ بنوکدرضر شاہ بابل صور کے شہر کو تباہ کرے گا لیکن ہم سب جانتے ہیں کہ اس شہر کو سکندر اعظم نے تباہ کیا تھا۔ گویا یہ پیشن گوئی بھی درست ثابت نہیں ہوئی۔

یسعیاہ، باب نمبر 7، آیت نمبر 14 میں کہا گیا ہے:

"دیکھو! ایک کنواری حاملہ ہوگی اور بیٹا پیدا ہوگا اور وہ اس کا نام عمانوایل رکھے گی۔"

اوّل تو یہاں غلط ترجمہ کیا جا رہا ہے کیوں کہ جو اصل عبرانی لفظ یہاں استعمال ہوا ہے اس کا مطلب "کنواری" نہیں ہوتا بلکہ اس کے معنی "جوان عورت" ہیں لیکن مسیحی حضرات کا کہنا ہے کہ یہ بات حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں کی جا رہی ہے۔ لہٰذا ہم ان کی مان لیتے ہیں کہ واقعی یہاں لفظ کنواری استعمال ہوا ہے لیکن یہ آیت کہتی ہے کہ اس کا نام "عمانوایل" ہوگا اور پوری بائبل میں کسی بھی جگہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو عمانوایل کے نام سے نہیں پکارا گیا۔ لہٰذا بہر صورت یہ پیشن گوئی غلط ثابت ہوئی۔

میں بہت سی مثالیں مزید بھی پیش کر سکتا ہوں۔ جیسا کہ میں نے پہلے کہا کہ ایک ہی مثال یہ ثابت کرنے کے لئے کفایت کرتی ہے کہ موجودہ بائبل کلام خداوندی نہیں ہے۔ میں نے تو بہت سی مثالیں پیش کر دی ہیں۔

مسیحی حضرات عقیدۂ تثلیث کی سائنسی تاویل اس طرح کرتے ہیں کہ جس طرح پانی کی تین طبعی صورتیں ٹھوس، مائع اور گیس ہو سکتی ہیں یعنی وہ برف، پانی اور بھاپ کی شکل میں ہو سکتا ہے۔ اسی طرح خدا بھی باپ، بیٹے اور روح القدس کی تثلیث کی صورت میں ہے۔

سائنسی لحاظ سے مجھے اس بات سے پورا اتفاق ہے کہ پانی کی تین طبعی حالتیں ہوتی ہیں۔ ٹھوس، مائع اور گیس یا برف، پانی اور بخارات لیکن ہم جانتے ہیں کہ اپنے اجزا کے لحاظ سے یہ ایک ہی چیز رہتی ہے۔ صرف طبعی حالت تبدیل ہوتی ہے۔

اب ہم عقیدۂ تثلیث کا جائزہ لیتے ہیں۔ باپ، بیٹا اور روح القدس۔ کیا یہاں بھی صرف حالت ہی تبدیل ہوتی ہے۔؟ چلئے ہم مان لیتے ہیں کہ یہاں بھی صرف حالت کا فرق پڑتا ہے۔ کیا یہاں بھی اجزاء وہی رہتے ہیں۔؟

باپ اور روح القدس کا وجود روحانی ہے جبکہ انسان گوشت پوست کی مخلوق ہے۔ انسان کو زندہ رہنے کے لئے کھانے پینے کی ضرورت ہوتی ہے جب کہ خدا ان ضرورتوں سے پاک ہے۔ دونوں مختلف ہیں، دونوں ایک جیسے کس طرح ہو سکتے ہیں۔؟ اور یہ بات خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بیان سے بھی ثابت ہوتی ہے۔ ان کے متعلق لوقا کی انجیل میں لکھا ہے:

"اس نے ان سے کہا: "تم کیوں گھبراتے ہو؟ اور کس واسطے تمہارے دل میں شک پیدا ہوتے ہیں؟ میرے ہاتھ اور میرے پاؤں دیکھو کہ میں وہی ہوں۔ مجھے چھو کر دیکھو کیوں کہ روح کے گوشت اور ہڈی نہیں ہوتی جیسا کہ مجھ میں دیکھتے ہو۔" یہ کہہ کر اس نے انہیں اپنے ہاتھ اور پاؤں دکھائے۔ جب مارے خوشی کے ان کو یقین نہ آیا اور تعجب کرتے تھے تو اس نے ان سے کہا: "کیا یہاں تمہارے پاس کھانے کو کچھ ہے؟" انہوں نے اسے بھنی ہوئی مچھلی کا قتلہ دیا۔ اس نے لے کر ان کے روبرو کھایا۔"

حضرت عیسیٰ علیہ السلام یہاں خود فرما رہے ہیں کہ روح گوشت اور ہڈیاں نہیں رکھتی۔ سائنسی طور پر یہ بات ثابت کرنے کے لئے کہ وہ خدا نہیں ہیں، انہوں نے ان کے روبرو مچھلی کا ٹکڑا کھایا اور اس طرح باپ، بیٹے اور روح القدس کے ایک ہونے یعنی

تثلیث کے عقیدے کو خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ردّ کر دیا۔

پوری بائبل میں تثلیث (Trinity) کا لفظ ہی موجود نہیں ہے لیکن قرآن میں اس کا ذکر موجود ہے۔

سورۂ نساء میں ارشاد ہوتا ہے:

''اور نہ کہو کہ خدا تین ہیں۔ باز آ جاؤ یہ تمہارے ہی لئے بہتر ہے۔ اللہ تو بس ایک ہی خدا ہے۔''

سورۂ مائدہ میں پھر ارشاد ہوتا ہے:

''یقیناً کفر کیا ان لوگوں نے جنہوں نے کہا کہ اللہ تین میں تیسرا ہے۔ حالانکہ ایک خدا کے سوا کوئی خدا نہیں ہے۔ اگر یہ لوگ اپنی ان باتوں سے باز نہ آئے تو ان میں سے جس جس نے کفر کیا ہے اس کو دردناک سزا دی جائے گی۔o''

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کبھی یہ دعویٰ نہیں کیا کہ وہ خدا ہیں۔ بائبل میں بھی تثلیث کا تصور موجود نہیں ہے۔ واحد بیان جو تثلیث کے قریب ترین ہو سکتا ہے وہ یہ ہے:

''اور جو گواہی دیتا ہے وہ روح ہے کیونکہ روح سچائی ہے اور گواہی دینے والے تین ہیں، روح، پانی اور خون اور یہ تینوں ایک ہی بات پر متفق ہیں۔''

اس آیت کے بارے میں بائبل کے "Revised Standard Version" میں یہ تسلیم کیا گیا ہے کہ یہ آیت الحاقی ہے یعنی اسے بائبل سے نکال ہی دیا گیا ہے، گویا حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کبھی دعویٰ الوہیت نہیں کیا۔

پوری بائبل میں کوئی ایک بیان بھی ایسا موجود نہیں جس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا ہو کہ میں خدا ہوں یا یہ کہا ہو کہ میری عبادت کرو۔ بلکہ اگر آپ بائبل کا مطالعہ کریں تو آپ کو اس قسم کی آیات ملیں گی:

''اگر تم مجھ سے محبت رکھتے تو اس بات سے کہ میں باپ کے پاس جاتا ہوں خوش ہوتے کیوں کہ باپ مجھ سے بڑا ہے۔''

''میرا باپ سب سے بڑا ہے۔''

''میں خدا کی روح کی مدد سے بدروحوں کو نکالتا ہوں۔''

''میں بدروحوں کو خدا کی قدرت سے نکالتا ہوں۔''

''میں اپنے آپ سے کچھ نہیں کر سکتا۔''

حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرما رہے ہیں کہ میں اپنے آپ سے کچھ نہیں کر سکتا یعنی جو کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کی مرضی سے کرتا ہوں اور یہی اسلامی عقیدہ ہے۔ مسلمان ہوتا ہی وہ ہے جو اپنی مرضی کو اللہ کی مرضی کے تابع کر دے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام مسلمان تھے اور اللہ تعالیٰ کے عظیم پیغمبروں میں ایک تھے۔

ہمارا ایمان ہے کہ ان کی پیدائش ایک معجزہ تھا۔ ہمارا ایمان ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے مردوں کو زندہ کر دیتے تھے، اندھوں اور کوڑھیوں کو ٹھیک کر دیتے تھے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام عظیم الشان پیغمبر تھے۔ ہم ان کا احترام کرتے ہیں لیکن وہ خدا نہیں ہیں۔

قرآن مجید کہتا ہے:

''کہہ دیجئے کہ اللہ ایک ہے۔''

پادری صاحب! آپ کی آسانی کے لئے میں اپنی گفتگو کا خلاصہ بیان کر دیتا ہوں تا کہ وہ اس کا جواب دے سکیں۔

پہلا نکتہ یہ کہ بائبل کے بیان کے مطابق کائنات چھ دنوں میں یعنی چوبیس گھنٹے والے دنوں میں تخلیق ہوئی۔ ظاہر ہے کہ یہ غیر سائنسی بات ہے۔

دوسرا یہ کہ بائبل کے بیان کے مطابق روشنی کی تخلیق سورج اور ستاروں سے پہلے ہوئی تھی۔ یہ بات بھی غیر منطقی ہے۔

تیسرا نکتہ یہ تھا کہ دن اور رات کی تشکیل زمین کے تخلیق ہونے سے قبل ممکن نہیں لیکن بائبل ایسا ہی ظاہر کرتی ہے۔

چوتھا نکتہ میں نے یہ بیان کیا تھا کہ بائبل کے مطابق نباتات کی تخلیق سورج سے قبل ہو گئی تھی۔ یہ غیر سائنسی بیان ہے کیوں کہ پودوں کو اپنی نشو و نما کے لئے سورج کی روشنی درکار ہوتی ہے۔

پانچویں بات میں نے یہ کی کہ زمین کی تخلیق سورج سے قبل بتائی گئی ہے اور یہ بات سائنس کی روشنی میں بالکل درست نہیں۔

چھٹا نکتہ یہ تھا کہ بائبل کے بیان کے مطابق چاند کی روشنی اپنی روشنی ہے۔

ساتواں نکتہ یہ تھا کہ زمین ہمیشہ قائم رہے گی یا فنا ہو جائے گی۔؟

آٹھواں نکتہ یہ کہ بائبل میں زمین کے ستون بیان کیے گئے ہیں۔اس کی کیا حقیقت ہے۔؟

نوواں نکتہ یہ کہ آسمان کے بھی ستون بتائے گئے ہیں۔

دسواں یہ کہ بائبل کے بیان کے مطابق تمام بیج دار پھل انسان کے کھانے کے لئے بنائے گئے ہیں لیکن ہم جانتے ہیں کہ ان میں کئی انتہائی زہریلے بھی ہوتے ہیں۔

گیارھواں نکتہ یہ کہ بائبل میں ایک امتحان بتایا گیا ہے جس سے ایک سچے مسیحی کا ایمان معلوم کیا جا سکتا ہے۔کیا کوئی مسیحی یہ امتحان دینے کے لیے تیار ہے۔؟

بارھواں نکتہ یہ تھا کہ بیٹی کی پیدائش کی صورت میں ماں دگنے عرصے تک کیوں ناپاک رہتی ہے۔؟

تیرھواں نکتہ یہ تھا کہ بائبل میں مکان کو کوڑھ کی وبا سے محفوظ رکھنے کے لئے خون چھڑکنے کا مشورہ دیا گیا ہے جو کہ قطعاً غیر سائنسی بات ہے۔

چودھواں نکتہ یہ کہ بدکرداری معلوم کرنے کے لئے جو کڑوے پانی کا امتحان بیان کیا گیا ہے اس کی وضاحت کی جائے۔

پندرھواں نکتہ یہ کہ بائبل میں ایک ہی جگہ ساٹھ سے بھی کم آیات میں اٹھارہ تضادات موجود ہیں اور میں اسے ایک ہی نکتہ یا ایک ہی سوال گن رہا ہوں، حالانکہ یہ اٹھارہ نکات ہیں۔

سولھواں نکتہ یہ کہ مندرجہ بالا معاملے میں دونوں جگہ تعداد مختلف ہے یعنی ایک تو بیان کردہ کل تعداد غلط ہے اور دوسرا دونوں ابواب میں میزان مختلف نکلتا ہے۔

نکتہ نمبر سترہ یہ ہے کہ مندرجہ بالا موقع پر یعنی بابل سے بنی اسرائیل کی رہائی کے موقع پر گانے والوں اور گانے والیوں کی تعداد دو سو تھی یا دو سو پینتالیس۔؟

نکتہ نمبر اٹھارہ یہ ہے کہ جب یہویاکین نے سلطنت شروع کی تو اس کی عمر اٹھارہ سال تھی یا آٹھ سال۔؟

انیسواں نکتہ یہ ہے کہ اس نے حکومت تین ماہ کی تھی یا تین ماہ اور دس دن۔؟

بیسواں نکتہ یہ کہ ہیکل سلیمانی میں ''دو ہزار بت کی سمائی تھی'' یا ''تین ہزار بت'' کی۔؟

اکیسواں سوال یہ کہ بعشا اپنی موت کے دس سال بعد کیونکر یہوداہ پر چڑھائی کر سکتا تھا۔؟

بائیسواں نکتہ یہ تھا کہ قوس قزح کے بارے میں یہ کہا گیا ہے کہ یہ طوفان نوح کے بعد خدا کے وعدے کی نشانی کے طور پر ظاہر ہوئی۔اس کی سائنسی حقیقت واضح کریں۔

تیئیسواں نکتہ یہ تھا کہ بائبل کہتی ہے کہ زمین چپٹی ہے۔اب سائنسی رو سے بتائیے کہ زمین بیضہ نما ہے یا چپٹی۔؟

چوبیسواں نکتہ یہ تھا کہ بائبل کے مطابق سانپ کی غذا خاک ہے۔کیا یہ درست ہے؟

پچیسواں نکتہ یہ تھا کہ کیا کبھی دنیا میں کوئی سینگوں والا گھوڑا پایا جاتا تھا۔

چھبیسواں نکتہ یہ تھا کہ بائبل میں ہے کہ چیونٹیوں کا کوئی سردار، ناظر اور حاکم وغیرہ نہیں۔کیا یہ نظریہ علم حیوانیات کی رو سے درست ہے۔؟

ستائیسواں نکتہ یہ تھا کہ بائبل کی رو سے خرگوش جگالی کرتا ہے۔جدید تحقیقات کی رو سے یہ بات کہاں تک درست ہے۔؟

پادری صاحب! اب جہاں تک اختلافات کی بات ہے تو متی کی انجیل میں حضرت مریم کو کافرہ لکھا ہے، مگر قرآن کریم ان کو ''صدیقہ'' کے لقب سے یاد کرتا ہے۔جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ کافرہ نہ تھیں، بلکہ مومنہ اور صالحہ تھیں۔

اسی طرح انجیل متی میں حضرت مسیح علیہ السلام کی نسبت لکھا ہے کہ وہ سخت گستاخ اور اپنی ماں کی بے ادبی کرنیوالے تھے، حالانکہ تورات میں ماں کی تعظیم و تکریم کا سخت حکم ہے، مگر قرآن کریم اس کی تردید کرتا ہوا کہتا ہے کہ حضرت مسیح فرماتے ہیں کہ میں اپنی والدہ کا تابعدار ہوں اور مجھے ان کے ساتھ نیکی کرنے کا حکم ہوا ہے۔

انجیل میں لکھا ہے کہ حضرت مسیح ملعون تھے اور اسی لعنت کی وجہ سے وہ صلیب پر چڑھائے گئے، مگر قرآن کریم نے ان کو روح اللہ کلمۃ اللہ اور وجیھا فی الدنیا ولآخرۃ (دنیا و آخرت دونوں میں صاحب عزت) قرار دیا ہے۔''

ایک آواز:

''آپ غلط کہتے ہیں، انجیل میں تو ان کو خداوند لکھا ہے۔''

زین العابدین:

"بے شک! لکھا ہے اور اسی پر تعجب بھی ہے کہ آپ کے نزدیک خدا بھی ملعون ہو سکتا ہے۔! گویا آپ نے مسیح کو خدا مان کر ان پر لعنت بھیجی اور ذرا خیال نہ کیا کہ خدا تعالیٰ جو تمام حسنات کا جامع اور تمام کمالات کا منبع ہے، وہ کس طرح لعنت کا مستحق ہو سکتا ہے۔ حقیقی لعنت کا مستحق تو شیطان ہے نہ کہ خدا، لیکن اسلام نے حضرت مسیح کو خدا نہیں، بلکہ انسان مانا، مگر ساتھ ان کی طہارت و معصومیت کا بھی اظہار فرمایا۔ اب آپ ہی فرمائیے کہ ملعون خدا بہتر ہے یا معصوم اور مطہر انسان۔؟"

پطرس:

"بحث تو اس پر ہے کہ آپ اناجیل کو کیوں نہیں مانتے۔ آپ نے لعنت کی بحث چھیڑ دی، اگر آپ کے پاس اصل انجیل ہے، جس کی قرآن نے تصدیق کی ہے تو اس کو ہمارے سامنے پیش کیجئے۔!"

زین العابدین:

"آپ کو ہم سے مطالبہ کرنے کا کوئی حق نہیں، ہاں! پہلے آپ اپنی اناجیل کو موضوع، جعلی اور بناوٹی تسلیم کیجئے۔ اس کے بعد اصل انجیل کا مطالبہ کیجئے۔ میں نے ثابت کر دیا ہے کہ قرآن حکیم موجودہ اناجیل کا مصدق نہیں، بلکہ مکذب ہے اور اس نے ان تمام غلطیوں کو کھول کر بیان کر دیا ہے، جو موجودہ اناجیل میں موجود ہیں۔ بھلا بتائیے! وہ اناجیل بھی قرآنی اناجیل ہو سکتی ہیں جس میں مسیح کو خدا بتایا گیا ہو اور پھر ان کو سولی پر چڑھا کر مار بھی دیا گیا ہو۔؟ قرآن کہتا ہے:

"مسیح نے فرمایا:

"میں اللہ کا بندہ ہوں۔"

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

"مسیح نہ قتل کئے گئے اور نہ سولی پر چڑھائے گئے۔"

پادری صاحب! بتائیے! قرآن نے آپ کی انجیلوں کی تصدیق کی یا تکذیب۔؟"

پطرس:

"کیا قرآن میں خداوند مسیح کو روح اللہ اور کلمۃ اللہ نہیں لکھا؟ کیا یہ اس بات کی دلیل نہیں کہ وہ انسانیت سے بالاتر تھے۔؟"

زین العابدین:

"بے شک لکھا ہے کہ مسیح کلمۃ اللہ تھے، مگر قرآن مجید نے کہا ہے کہ اللہ کے بے شمار کلمہ ہیں۔ چنانچہ فرمایا کہ اگر سمندر سیاہی بن جائے اور درخت قلمیں تب بھی اللہ کے کلمے نہیں لکھے جا سکتے، کیونکہ وہ بے شمار ہیں۔ پس حضرت مسیح بھی خدا کے بے شمار کلمات میں سے ایک کلمہ ہیں۔ رہا مسیح کا روح اللہ ہونا، سو اس سے بھی یہ لازم نہیں آتا کہ وہ انسانیت سے بالاتر یعنی خدا تھے، کیونکہ حضرت آدم کے متعلق بھی یہی الفاظ قرآن کریم میں آئے ہیں، جیسا کہ فرمایا:

"جب میں نے آدم کو پورا بنالیا تو پھر میں نے اس میں اپنی روح پھونکی۔"

پس حضرت مسیح بھی آدم ہی کی طرح ہیں۔ اگر نعوذ باللہ وہ خدا ہیں تو حضرت آدم اور ان کی تمام ذریت بھی خدا ہے۔"

پطرس:

"اگر قرآن میں آدم کو بھی روح اللہ کہا گیا ہے تو یہ قرآن کی غلط بیانی ہے۔ خداوند یسوع کے سوا کوئی روح اللہ نہیں ہے۔"

زین العابدین:

"آپ کے نزدیک تو سارا ہی قرآن غلط ہے! چونکہ آپ نے قرآن حکیم سے حضرت مسیح کی خدائی کو ثابت کرنا چاہا تھا، اس لئے میں نے قرآن سے ہی بتایا کہ مسیح خدا نہیں، اگر روح اللہ ہونے سے وہ خدا ہو سکتے ہیں تو حضرت آدم بھی خدا ٹھہرتے ہیں۔ اگر آپ کے نزدیک یہ قرآن کی غلطی ہے تو آپ قرآن کو پیش ہی کیوں کرتے ہیں۔؟"

مارگریٹ:

"مگر آپ محمد صاحب کو خدا کیوں مانتے ہیں۔؟ حالانکہ انہوں نے دنیا میں خونریزی کی بنا ڈالی اور کافروں کو قتل کرنے کا حکم دیا۔"

زین العابدین:

"استغفر اللہ! میں اس عقیدے سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں! ہم اپنے پیارے پیغمبر کو اللہ

کا بندہ اور انسان مانتے ہیں، مگر وہ تمام انبیاء کے سردار اور تمام نیکوں کے سرتاج ہیں۔

ہمارے عقیدہ کا خلاصہ یہ ہے:

''اللہ ایک ہے اور محمد اللہ کے رسول ہیں۔''

جو آنحضرت کو خدا جانے وہ کافر اور اسلام سے خارج ہے۔ رہا یہ کہ حضور نبی کریم ﷺ نے دنیا میں خونریزی کی بناڈالی؟ سو یہ بالکل غلط ہے۔ البتہ! حضور ﷺ نے کفار سے جہاد ضرور کیا اور اس لئے کیا کہ کفار آپ کو اور آپ کے لائے ہوئے مذہب کو نیست و نابود کرنا چاہتے تھے۔ جو لوگ ایسے نہیں تھے آپ نے ان کو ہاتھ بھی نہیں لگایا۔ قرآن کریم تو کہتا ہے:

''اللہ کے راستے میں صرف ان لوگوں سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں۔''

گفتگو یہیں تک ہونے پائی تھی کہ مارگریٹ کے والد اسقف اعظم تشریف لے آئے اور انہوں نے آتے ہی پادریوں کو مندرجہ ذیل الفاظ میں ڈانٹا:

''تم لوگوں نے یہ کیا اکھاڑا جمایا ہے؟ کافروں سے مقدس گرجا گھر میں بیٹھ کر گفتگو کرتے ہو اور عیسائیوں کے عقائد اور ایمان کو خراب کرتے ہو۔؟ روزانہ میرے پاس عیسائی آ کر آپ کی ناقابلیت کا رونا روتے ہیں اور کہتے ہیں کہ بہت سے مسیحی مذبذب ہو گئے ہیں اور خود تمہاری لڑکی مارگریٹ میں آزادی پیدا ہو گئی ہے۔''

پھر اسقف اعظم نے مارگریٹ کی طرف دیکھ کر کہا:

''لڑکی! تجھ کو کس نے یہاں آنے کیلئے اجازت دی ہے اور تجھ کو ان مباحث سے کیا غرض؟ تو چھپ چھپ کر قرآن کا مطالعہ کرتی ہے۔ ہم کو تیری تمام حرکتیں معلوم ہیں۔! خیر یہ تو نادان لڑکی ہے، لیکن تم لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ گرجا میں بیٹھ کر ان کافروں کے منہ لگتے ہو اور خداوند مسیح کی روح کو ناخوش کرتے ہو۔ اگر آئندہ تم نے پھر یہ حرکت کی تو میں تم کو معزول کردوں گا۔!''

اسقف اعظم کی اس ڈانٹ ڈپٹ سے تمام پادریوں کے حواس باختہ ہو گئے اور مارگریٹ کا چہرہ فق ہو گیا۔ کسی کی مجال کیا کہ وہ اسقف اعظم کو سمجھاتا۔ آخر ایک عیسائی

نے جرأت کی اور اسقف اعظم کو مخاطب کر کے یوں گویا ہوا:

''میرے مقدس باپ! آپ نے جو کچھ فرمایا وہ بالکل درست ہے۔ واقعی! ان کافروں سے گفتگو کرنے میں سوائے نقصان کے اور کوئی فائدہ نہیں، لیکن اے باپ! کیا آپ ہم کو تمام اندلس میں ذلیل کرانا چاہتے ہیں؟ کیا آپ کا منشاء یہ ہے کہ اندلس میں عیسائیت کا خاتمہ ہو جائے۔؟ خداوند کی قسم! اگر اس موقعہ پر ہم نے ان کافروں کی مدافعت نہ کی تو ہم تمام اندلس میں شکل نہ دکھا سکیں گے۔ میں یہ بھی عرض کردوں کہ مسلمانوں کے اعتراضات کا ہم میں سے کوئی جواب نہ دے سکا۔ اگر آپ میری عاجزانہ درخواست کو قبول فرمالیں تو میں عرض کروں گا کہ بغیر آپ کی امداد کے مسلمانوں کے سوالات حل نہیں ہو سکتے، کیونکہ آج تمام اندلس میں آپ کی مقدس ذات کے سوا کوئی ایسا مسیحی خادم نہیں ہے جو اس فرض کو انجام دے سکے اور جواب دے کر کافروں کا منہ توڑ دے۔ اگر آپ نے اس وقت مسیحی دین کی حمایت نہ کی تو اے مقدس باپ! اس کا نتیجہ ہمارے اور مسیحی دین کیلئے خطرناک نکلے گا اور ہمارے چرچ ہر جگہ ذلیل و خوار ہو جائیں گے۔ کیا میں امید کروں کہ آپ خداوند یسوع مسیح کی امداد سے ان مسلمانوں کے سوالات کو حل کرنے پر آمادہ ہوں گے۔؟''

اسقف اعظم:

''تم نے ان مسلمانوں کو بلا کر خود اس معاملہ کو اہم بنا لیا ہے اور مجھے افسوس ہے کہ تم لوگ مسلمانوں کے لچر سوالات کا بھی جواب نہ دے سکے اور الٰہیات کے مسائل پڑھ پڑھ کر جاہل بن گئے۔ کیا یہ مسلمان صحیح جواب پانے پر راہ راست پر آسکتے ہیں۔؟''

میکائیل:

''جی ہاں! وعدہ تو ان کا یہی ہے کہ وہ اسلام کو ترک کر کے عیسائی مذہب اختیار کرلیں گے اور اس مطلب کی ایک تحریر بھی انہوں نے لکھ کر ہم کو دی ہے۔''

اسقف اعظم نے زین العابدین سے مخاطب ہو کر کہا:

''فرمائیے! آپ کے سوالات کیا ہیں۔؟''

زین العابدین:

"اگر جناب اطمینان کے ساتھ میری باتوں کو سنیں تو عرض کروں۔ آپ نے ہم غریبوں کے ساتھ جو سلوک کیا ہے اور جس مسیحی خلق کا آپ نے مظاہرہ کیا ہے اس کا تقاضا تو یہ ہے کہ میں آپ سے کوئی بات نہ کروں، مگر چونکہ میں حق کی تلاش میں ہوں اور چاہتا ہوں کہ آپ کے وسیلہ سے ہدایت کی روشنی حاصل کروں، اس لئے آپ سے گفتگو کرنے کا خواہشمند ہوں۔ بشرطیکہ آپ اطمینان سے میری گفتگو سنیں۔ مجھے آپ کی ذات سے امید ہے کہ میرے شکوک کا یقیناً ازالہ فرما دیں گے۔"

اسقف اعظم:

"جناب! آپ ہماری تلخ گوئی سے سنجیدہ نہ ہوں۔ اگر آپ کو ہماری باتوں سے کوئی تکلیف پہنچی ہے تو میں سب کی طرف سے معافی چاہتا ہوں۔ بے شک آپ حق کے گرویدہ معلوم ہوتے ہیں اور یقیناً خداوند مسیح کی ذات آپ کی دستگیری اور رہنمائی کرے گی۔ اچھا! آپ میرے مکان پر کل کسی وقت تشریف لائیں۔ وہاں اطمینان سے آپ کے شکوک وشبہات کا ازالہ کیا جائے گا۔"

اسقف اعظم نے پادریوں کو مخاطب ہو کر کہا:

"آپ حضرات بھی ضرور آئیے! تاکہ آپ کو مسلمانوں کے سوالات کے جوابات کا علم ہو جائے اور آپ ان کو جواب دے سکیں۔"

اسقف اعظم نے پھر زین العابدین سے مخاطب ہو کر کہا:

"بس! آپ کل صبح آجایئے۔! میرا غریب خانہ آپ کیلئے کھلا ہے۔!!"

☆☆☆

قرطبہ کے بڑے کیتھڈرل چرچ میں اسقف اعظم نے زین العابدین سے کہا تھا کہ تم کل میرے مکان پر آنا اور ساتھ ہی تمام پادریوں کو بھی دعوت دیدی تھی۔ اس لئے دوسرے دن صبح کو زین العابدین اپنے چند رفقا اور علماء کے ہمراہ اسقف اعظم کے مکان پر پہنچ گئے۔

اسقف اعظم نے ان کو بڑی عزت سے ایک خاص کمرے میں بٹھایا اور گفتگو سے پہلے فواکہات سے تواضع کی۔ اس اثناء میں چالیس سے زائد دیگر مسیحی علماء بھی آن پہنچے۔ تھوڑی دیر کے بعد اسقف اعظم نے زین العابدین سے یوں خطاب کیا:

"مجھے معلوم ہے کہ آپ کیا سوال کریں گے، لیکن فروعات اور طویل بحث میں نہیں پڑوں گا۔ میں تو دو ایک بات کرنا چاہتا ہوں تاکہ دنوں کی بجائے گھنٹوں میں اور گھنٹوں کے بجائے منٹوں میں نتیجہ نکل آئے۔ میرا مطلب یہ ہے کہ اسلام اور مسیحیت کو ان کی تعلیم پر پرکھا جائے کہ جس کی تعلیم اعلیٰ ہو وہ مذہب سچا۔ کیوں ٹھیک ہے نا۔؟"

زین العابدین:

"مجھے کسی بات میں عذر نہیں ہے۔ آپ جس معیار پر چلنا چاہیں چلیں، میں بھی اس کا متبع ہوں گا۔ بے شک اسلام اور مسیحیت کی تعلیم سے ہی حق و باطل کا فیصلہ ہو سکتا ہے۔"

اسقف اعظم:

"شاباش! شاباش! یقیناً روح القدس کی تائید تمہارے شامل حال ہے اور تم بہت جلد گمراہی سے نکل کر ہدایت کی طرف آجاؤ گے۔ اچھا! تم نے میرے مقرر کردہ معیار کو تسلیم کر لیا ہے۔ اب میں آگے چلتا ہوں۔ دیکھو! مذہب میں ایک تو تفصیلات ہوتی

ہیں اور دوسرے اصول یا اس کا خلاصہ۔ میں مسیح مذہب کا خلاصہ تمہارے سامنے پیش کرتا ہوں جو ایک لفظ سے زیادہ نہیں ہے۔ اس کے مقابلہ میں تم کو بھی ایک ہی لفظ میں اسلام کا خلاصہ پیش کرنا ہوگا۔ کیا تم کو یہ منظور ہے۔؟''

زین العابدین:

''آپ فرمایئے! مجھے آپ کی ہر بات منظور ہے۔''

اسقف اعظم پادریوں کی طرف دیکھ کر کہنے لگا:

''دیکھو! گفتگو اس کو کہتے ہیں کہ ایک ہی لفظ میں فیصلہ ہو جائے۔ اچھا! سنو!! مسیحی مذہب کا خلاصہ ہے: ''محبت'' دیکھو محبت ایک لفظ ہے جس میں مسیحی مذہب کا خلاصہ آ گیا ہے۔ اب تم کو بھی ایک ہی لفظ میں مذہب اسلام کا خلاصہ پیش کر دینا چاہیے۔''

زین العابدین:

''مجھے اس بات پر فخر ہے کہ اسلام نے بھی اپنی تعلیم کا خلاصہ ایک ہی لفظ میں بتایا ہے اور جو تمام اصول فروع پر حاوی ہے۔ اسلامی تعلیم واحکام کا خلاصہ ہے: ''توحید''

اسقف اعظم:

''اگر اسلامی تعلیم کا خلاصہ توحید ہے تو محبت اس سے خارج ہو گئی۔ نیز توحید کو تو ہم بھی اپنے مذہب کا خلاصہ کہتے ہیں۔''

زین العابدین:

''اگر توحید آپ کے مذہب کا خلاصہ ہے تو آپ کو یہی پیش کرنا چاہیے تھا۔ آپ نے توحید کے بجائے ''محبت'' کو عیسوی مذہب کا خلاصہ کیوں بتایا۔؟ رہا یہ کہ توحید کو مذہب کا خلاصہ تسلیم کرنے سے محبت خارج ہو جاتی ہے، سو یہ بالکل غلط ہے۔ درحقیقت محبت پیدا ہی ہوتی ہے توحید سے۔ اگر توحید کو اس کی شرائط کے ساتھ تسلیم نہ کیا جائے تو محبت بے معنی چیز رہ جاتی ہے۔ صرف محبت کو خلاصہ مذہب قرار دینے کے معنی یہ ہیں کہ توحید کا بالکل انکار کر دیا جائے یا اس کو مذہب کا خلاصہ قرار نہ دیا جائے۔''

اسقف اعظم:

''بات یہ ہے محبت سے ہی توحید پیدا ہوتی ہے نہ کہ توحید سے محبت!''

زین العابدین:

''یہ آپ کی اُلٹی منطق ہے۔ اگر محبت سے توحید پیدا ہوتی ہے تو معلوم ہوا کہ محبت ایک بے معنی لفظ ہے، کیونکہ بغیر توحید کے یعنی بغیر خدا کی معرفت کے جو محبت پیدا ہو گی اس میں خدا کی محبت تو شامل نہ ہو گی، کیونکہ خدا کی محبت موقوف ہے اس کی معرفت پر اور حقیقی معرفت کا نام ہی توحید ہے۔ لہٰذا خالی خولی محبت سے خدا کی محبت ہرگز ثابت نہیں، سکتی۔''

اسقف اعظم:

''آپ نے طویل طویل گفتگو شروع کر دی۔ میرا مطلب تو یہ ہے کہ اسلام میں محبت کا کوئی درجہ نہیں۔''

زین العابدین:

''آپ غلط فرماتے ہیں۔ اگر اسلام میں محبت کا کوئی درجہ نہیں تو سمجھیں کہ دنیا میں محبت ہے ہی نہیں۔ ہاں! یہ سچ ہے کہ عیسائی مذہب میں محبت کا نام ونشان بھی نہیں ہے۔ صرف اور صرف زبانی محبت کا دعویٰ ہے، لیکن اس کا نہ تو کوئی معیار ہے اور نہ ثبوت۔''

اسقف اعظم:

''دیکھو ہماری آسمانی کتابوں کا یہ مشہور مقولہ ہے کہ خدا محبت ہے۔ کیا یہ محبت کا ثبوت نہیں۔''

زین العابدین:

''یہ سب زبانی جمع خرچ ہے۔ جب تک محبت کا کوئی معیار مقرر نہ کر دیا جائے اس وقت تک محبت کے نظریہ کو تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔''

اسقف اعظم:

''وہ معیار ذرا آپ ہی بیان فرمایئے! کیا ہماری کتابوں میں خدا کو باپ نہیں کہا گیا؟ کیا باپ کو اپنی اولاد کی محبت نہیں ہوتی۔''

زین العابدین:

''بات یہ ہے کہ محبت محبت کہنے سے کچھ نہیں بنتا جب تک کہ اس کی کل شرائط ثابت نہ

ہو جائیں۔ اگر کسی شخص کو کسی سے محبت ہے تو جب تک مصائب اٹھا کر اور اپنی جان و مال کی قربانی کر کے وہ اپنی محبت کا ثبوت پیش نہ کرے گا، اس وقت تک اس کو محب صادق نہیں کہا جا سکتا۔ اس لئے اسلام نے محبت کا معیار اطاعت اور پیروی کو قرار دیا جو جانی اور مالی قربانی کا دوسرا نام ہے۔ قرآن مجید میں باری تعالیٰ نے فرمایا:

"اے نبی! کہہ دیجیے! اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہو تو میری اتباع کرو۔ اس امتحان میں پورا اترنے کے بعد اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرے گا۔"

پس اس آیت نے محبت کا ایک معیار قرار دے دیا ہے جس نے جھوٹی اور سچی محبت میں خط امتیاز کھینچ دیا، لیکن آپ کے ہاں محبت کا کوئی معیار ہی نہیں۔ ہر ابوالہوس اٹھ کر کہہ سکتا ہے کہ مجھے خدا سے محبت ہے۔"

اسقف اعظم:

"آپ نے پھر وہی لمبی چوڑی بحث شروع کر دی۔ میں چاہتا ہوں کہ ہر بات مختصر ہو اور اس کا دوٹوک فیصلہ ہو جائے۔ اچھا بتایئے کہ کیا آپ کی کتاب میں بھی خدا کو باپ کہا گیا ہے، جو محبت کا اعلیٰ مقام ہے؟ بس اسی پر فیصلہ ہو جائے گا۔"

زین العابدین:

"اگر اسلام خدا کیلئے "باپ" کا لفظ استعمال کرتا تو اس کی تعلیم کے نقص پر یہ سب سے بڑی دلیل ہوتی۔ اسلام نے اس گمراہ کن لفظ کو سرے سے اللہ کیلئے استعمال ہی نہیں کیا۔ البتہ اس کے مقابلہ میں وہ الفاظ استعمال فرمائے جو باپ کے مفہوم سے بدرجہا اعلیٰ مفہوم رکھتے ہیں۔"

اسقف اعظم:

"تم بہت بڑے گستاخ ہو۔ لفظ "باپ" کو گمراہ کن کہتے ہو۔؟ اچھا! جلد بتاؤ کہ باپ کے مقابلہ میں اسلام نے خدا کیلئے کونسا بہتر لفظ استعمال کیا ہے۔"

زین العابدین:

"خفا ہونے کی کوئی بات نہیں۔ خدا کیلئے لفظ باپ کو میں نے اس لئے گمراہ کن کہا کہ اس لفظ نے شرک کی بنیاد ڈال دی اور لوگوں نے خدا کیلئے بیٹے تجویز کر لئے۔ آپ بھی تو حضرت مسیح کو خدا مانتے ہیں نا؟ رہا لفظ "باپ" کے مقابلہ میں کوئی بہتر لفظ جس

کو اسلام نے خدا کیلئے استعمال کیا ہے تو لیجئے وہ لفظ رب ہے۔ رب کے معنی ہیں اس ذات کے جو ابتداء سے لے کر انتہاء تک تربیت کرتا ہے اور اس کی تربیت میں کبھی انقطاع نہیں ہوتا۔ پس اسلام نے خدا کیلئے رب استعمال کر کے بتا دیا کہ اللہ تعالیٰ کسی حالت میں بھی تربیت کا تعلق منقطع نہیں کرتا، لیکن لفظ باپ میں یہ خرابی ہے کہ باپ ایک زمانہ تک اپنے بچہ کی تربیت کرتا ہے، پھر وہ اس سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔ باپ اختیاری امور میں بچہ کی تربیت کرتا ہے۔ غیر اختیاری امور میں اس کی تربیت کام نہیں دیتی۔ مثلاً: اگر بچہ بیمار پڑ جائے تو باپ اس کی بیماری کو دور نہیں کر سکتا، لیکن اللہ تعالیٰ کی تربیت میں یہ بات نہیں، وہ ہر چیز پر قادر ہے اور اس کو کوئی چیز عاجز کرنے والی نہیں ہے۔ اس لئے وہ ہر اعتبار سے دائمی تربیت فرماتا ہے۔ پس ثابت ہوا کہ اب (باپ) کے مقابلہ میں رب کا لفظ اللہ تعالیٰ کی شان کے شایاں ہے۔ دوسرا لفظ رب اللہ تعالیٰ کی توحید کا مظہر ہے اور "اب" دنیا میں شرک پھیلاتا ہے۔"

اسقف اعظم:

"رب کے جو اثرات آپ نے بتائے ہیں ان کا تو دنیا میں کوئی ثبوت نہیں ملتا، لیکن باپ کی محبت کے مشاہدہ سے آپ انکار نہیں کر سکتے۔ پھر بھلا ایسے بے معنی لفظ کو کون تسلیم کر سکتا ہے جس کا دنیا میں کوئی ثبوت نہ ہو؟ کیا باپ کی محبت کے اثرات سے آپ انکار کر سکتے ہیں۔؟"

زین العابدین:

"افسوس ہے کہ کفار پرستی نے آپ لوگوں کی عقلوں پر پردہ ڈال دیا ہے۔ ورنہ آپ ایسا نہ فرماتے۔ ہم روزانہ دیکھتے ہیں کہ انسان ماں کے پیٹ میں پرورش پاتا ہے۔ حالت طفلی، جوانی اور بڑھاپے میں اس کی تربیت ہوتی رہتی ہے، گویا ابتداء سے لے کر انتہاء تک اس کی تربیت ہوتی ہے۔ کیا یہ کام رب کا نہیں ہے؟ اور کیا آپ اس کا روزانہ مشاہدہ نہیں کرتے۔؟"

اسقف اعظم:

"انجیل مقدس میں آتا ہے کہ خدا باپ نے جہان سے ایسی محبت کی کہ اس نے اپنا اکلوتا بیٹا انسانوں کے لئے قربان کر دیا۔ اس سے بڑھ کر محبت کا اور کیا ثبوت ہو گا کہ

باپ اپنی محبوب ترین چیز کو محبت کی خاطر قربان کر دے۔؟''

زین العابدین:

''انجیل کے اس بیان سے ہی آپ کے دعویٰ کا ابطال ہو جاتا ہے یعنی آپ کے نزدیک باپ وہ ہے جو اپنے معصوم اور بے گناہ بچہ کو ناپاک اور گناہگار انسانوں کی طرح ذبح کر ڈالے؟ گویا باپ کی محبت کا ظہور اس طرح ہوا کہ اس نے اپنے معصوم بچے ہی کو ذبح کرا دیا! مگر رب ایسا نہیں ہے۔ رب وہ ہے جو کسی پر ظلم نہیں کرتا، بلکہ کرنیوالے ہی کو سزا دیتا ہے۔ جیسا کہ قرآن حکیم نے فرمایا:

''کوئی شخص کسی دوسرے شخص کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔''

لیکن آپ کے باپ نے اپنے بچہ کو ہی ذبح کروا ڈالا۔ اگر معصوم اور بے گناہ بچہ کو سولی پر چڑھا کر مار ڈالنا محبت ہے تو ایسے باپ کو ہمارا اسلام ہے۔''

اسقف اعظم دوسرے پادریوں کی طرف مخاطب ہو کر کہنے لگا:

''میں تو سمجھتا تھا کہ یہ شخص واقعی خداوند یسوع مسیح کی طرف رجوع کرنا چاہتا ہے، مگر اب معلوم ہوا کہ یہ تو سخت کافر ہے! میں نے اب تک جتنی باتیں کیں وہ خاص معرکے کی باتیں تھیں۔ مگر یہ لوگ ان کو کیا سمجھیں۔؟''

اسقف اعظم نے زین العابدین سے مخاطب ہو کر کہا:

''آپ کا دل تو سیاہ ہو گیا ہے۔ خداوند یسوع مسیح تم کو قبول کرنا نہیں چاہتے۔ اچھا! اب تم یہاں سے چلے جاؤ۔ تم کو مجھ سے کوئی واسطہ نہیں۔ خواہ مخواہ پریشان کرنے کیلئے آ گئے۔''

اسقف اعظم نے پادریوں سے مخاطب ہو کر کہا:

''آپ بھی ان لوگوں سے اب کوئی تعلق نہ رکھیں۔ تم نے دیکھا کہ یہ کیسے ضدی لوگ ہیں۔ ایک بات بھی مان کر جواب نہیں دیتے۔؟''

زین العابدین:

''مگر جناب............!!''

اسقف اعظم:

''بس خاموش رہو! معلوم ہو گیا کہ تمہارا کیا ارادہ ہے اور تم کس مقصد کیلئے ہم سے

گفتگو کرتے ہو۔''

یہ کہہ کر اسقف اعظم اپنے مسیحی اخلاق کا ثبوت دیتے ہوئے بالائی کمرہ میں چلے گئے اور زین العابدین و دیگر علماء نصر من اللہ و فتح قریب کا نعرہ لگاتے ہوئے باہر نکل آئے۔ زین العابدین اور علماء اسلام حق کی فتح کا نعرہ لگاتے ہوئے اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے۔

چونکہ لڑکی مارگریٹ اسقف اعظم کی بیٹی تھی اس لئے نہایت خاموشی کے ساتھ وہ طرفین کی گفتگو سنتی رہی۔ اس کے ہمراہ اس کی سہیلیاں اور دیگر معزز مسیحی خواتین بھی اس گفتگو سے لطف اندوز ہو رہی تھیں۔

شام کے وقت جب سہیلیوں کا دوبارہ اجتماع ہوا تو انہوں نے صبح کی گفتگو پر اپنے اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ اس آخری گفتگو کو سن کر مارگریٹ کا رہا سہا عقیدہ بھی ختم ہو گیا اور وہ اچھی طرح سمجھ گئی کہ عیسائیت محض ایک ڈھونگ ہے جس کی نہ کوئی بنیاد ہے اور نہ اصول۔ پہلی مجلسوں میں تو وہ یہ خیال کرتی رہی کہ میکائیل اور پطرس وغیرہ نا قابل ہیں اور میرے والد مسیحی دین کی حقیقت سے خوب واقف ہیں۔ اس لئے اگر ان سے جواب نہیں بن پڑتا تو والد محترم تو ان کافروں کا منہ توڑ کر رکھ دیں گے، لیکن جب اس آخری گفتگو کو اس نے سنا تو بہت زیادہ نا امید ہو گئی اور اس کو یہ فیصلہ کر لینا پڑا کہ عیسائی مذہب بیت عنکبوت سے بھی زیادہ کمزور ہے۔

اس واقعہ کو ایک ماہ سے زیادہ ہو چکا ہے۔ مارگریٹ کے عقائد میں عظیم تغیر نمایاں ہو گیا ہے۔ ان دنوں مارگریٹ کا مشغلہ سوائے زیر بحث مسائل کے اور کچھ نہ تھا۔ مطالعہ کتب، سیر و تفریح اور سہیلیوں سے ملاقات وغیرہ سب اس مشغلہ کی نذر ہو گئے تھے۔ زین العابدین اور پادریوں کی گفتگو سے وہ اس نتیجہ پر پہنچ گئی کہ مسلمانوں کے سوالات کا جواب پادریوں کے پاس نہیں ہے اور ان کے عقائد کی بنیاد اس ریت پر ہے جو معمولی سی ہوا سے فضاء بسیط میں منتشر ہو جاتی ہے۔

غرض وہ عیسائیت کی طرف سے پوری متذبذب ہو گئی اور کوئی دلیل اس کو اس کے عقیدہ پر قائم نہ رکھ سکی۔ اس دوران وہ کئی دفعہ زین العابدین سے مخفی طور پر ملی اور مذہب

اسلام کے متعلق معلومات حاصل کرتی رہی۔

کئی دفعہ زین العابدین کی وساطت سے اس نے قرطبہ کے قاضی اسلام ابن عمر سے ملاقات کا بھی شرف حاصل کیا اور ان سے اپنی تسلی کرتی رہی۔ ابن عمر اسلام کے ایک متبحر، جید عالم ہونے کے علاوہ بڑے زاہد، شب زندہ دار اور خدا ترس بزرگ تھے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں درجہ ولایت پر فائز تھے۔ ان سے کئی بار کی ملاقات نے مارگریٹ کے قلب پر خاص اثر کیا اور اس کو اسلام سے محبت ہوگئی اور وہ اجمالی طور پر سمجھ گئی کہ اسلام دین حق ہے اور عیسائیت بطالت اور ضلالت کا مجموعہ ہے۔

اب وہ خفیہ طور پر زین العابدین اور ان کی وساطت سے دیگر علماء وزہاد اور قرطبہ کے اساتینِ علم وفضل سے ملاقات کر چکی ہے۔ قرآن کریم کا وہ اب بہت زیادہ مطالعہ کر چکی ہے اور اس کے دل پر اسلام کی صداقت نقش ہوتی جا رہی ہے۔ اب وہ قرآن کریم اور انجیل کا مطالعہ اس نظر سے کرتی ہے کہ صداقت کی حامل کون سی کتاب ہے اور کون سی کتاب اوہام پرستی اور سریع الاعتقادی کا مجموعہ ہے۔

اس نے توحید، نبوت، قرآن، نجات، کفارہ اور شفاعت، حقیقت گناہ، انسانی اعمال اور اس کے نتائج پر اپنی فہم وبصیرت کے مطابق کافی غور کر لیا ہے۔ غرض وہ اب عیسائیت کی حلقہ بگوش نہیں رہی، بلکہ آستانہ اسلام پر سر جھکا چکی ہے، لیکن کبھی کبھی اس کو خیال گزرتا ہے کہ میں جس مذہب کو بچپن سے مانتی آئی ہوں اس کو کس طرح چھوڑوں۔؟ اسلام قبول کرنے کے بعد کیا خبر کیا افتاد پیش آئے۔ ماں، باپ، رشتہ دار اور بھائی بہنوں کو تو چھوڑنا ہی پڑے گا، لیکن میری زندگی کیسی گزرے گی؟ پھر خود ہی کہتی کہ حق کی خاطر تو مصائب کو برداشت کرنا ہی پڑے گا۔ اگر میں حق کو پہچان کر اس کا اعلان نہ کروں اور علانیہ اس کا اقرار نہ کروں تو میں خدا کی نظر میں مجرم ٹھہروں گی۔

☆☆☆

جس زمانہ کا واقعہ ہم بیان کر رہے ہیں یہ اندلس کے عروج کا زمانہ ہے۔ ہر طرف سکون واطمینان اور امن وامان کا دور دورہ ہے۔ زیاد ابن عمر ایک بہت بڑے محدث، فلسفی، شاعر اور مفسر تھے اور ساتھ ہی زہد وعبادت میں یگانہ روزگار تھے۔ ان کی دیانتداری، پاکبازی اور بے ریا عبادت کی وجہ سے تمام قرطبہ ان کا عاشق تھا۔ دن کو تو آپ درس و تدریس میں مشغول رہتے اور رات کو ان کے مکان پر علماء اور عمال حکومت کا جھمگٹا لگا رہتا۔ آپ کا مکان جامع قرطبہ سے ملحق تھا۔ اس لئے نماز عشاء سے فارغ ہوتے ہی تمام علم دوست ان کے مکان پر آ جاتے تھے۔

ایک روز یہ صحبت گرم تھی اور اتفاق سے بڑے بڑے علماء اور شعراء حاضر تھے کہ اتنے میں حضرت شیخ زیاد بن عمر تشریف لائے۔ انہیں دیکھ کر تمام لوگ سروقد کھڑے ہو گئے اور بیٹھنے کے بعد آپ نے تمام لوگوں کی خیریت پوچھی اور ایک شخص سے یوں گویا ہوئے:

بھئی! تمہاری کوششوں کو خدا بار آور کرے! تم نے کفر کے گھر میں گھس گھس کر حق کا پیغام پہنچایا اور شکست دی۔ بہر حال تم نے اتمامِ حجت کر دی ہے، ہاں! تو لڑکی مارگریٹ کا اب کیا حال ہے۔؟''

زین العابدین:

''حضرت! یہ سب جناب کی دعا اور توجہ کا اثر ہے۔ ورنہ! میں تو ایک معمولی اور کمزور مسلمان ہوں۔ آپ کی دعا سے مارگریٹ دل سے مسلمان ہو گئی ہے، چونکہ وہ آپ سے ملاقات کی از حد خواہشمند تھی، اس لئے وہ آج آپ سے شرف ملاقات حاصل کرنے کیلئے آ گئی ہے۔''

زیاد بن عمر:

”کیا مارگریٹ یہاں تشریف لائی ہیں۔“

زین العابدین:

”جی ہاں!! برابر والے مکان میں ان کو ٹھہرا دیا گیا ہے۔ اگر اجازت ہو تو حاضر خدمت ہوں۔؟“

زیاد بن عمر:

”ہاں! بے شک جب وہ ملاقات کیلئے تشریف لائی ہیں تو میں ضرور ان سے ملاقات کروں گا۔“

ایک شخص:

”واللہ! یا سیدی! یہ بڑا کام ہوا ہے اور تمام اندلس کے عیسائیوں میں ہلچل مچ گئی ہے، مگر کیا صرف مارگریٹ ہی اسلام کی طرف مائل ہوئی ہیں یا ان کے ساتھ اور بھی ہیں۔“

زین العابدین:

”اس امر کے متعلق مارگریٹ خود بتائیں گی۔“

دوسرا شخص:

”میں نے سنا ہے کہ عیسائی مارگریٹ کو قتل کر دینا چاہتے ہیں۔؟“

زین العابدین:

”مارگریٹ نے اب تک بڑی رازداری سے کام لیا ہے اور کسی شخص کو یقین نہیں ہے کہ مارگریٹ مسلمان ہو گئی ہے یا ہو جائے گی، پھر قتل کرنے کے کوئی معنی سمجھ میں نہیں آتے۔“

زیاد بن عمر:

”اچھا! اب مارگریٹ کو بلا لو۔! ان کی زبان سے یہ دلچسپ داستان اچھی معلوم ہو گی۔“

تھوڑی دیر بعد مارگریٹ مجلس میں آ جاتی ہے اور زیاد بن عمر کو تکیے سے لگا ہوا دیکھ کر اشارہ سے سلام کر کے بیٹھ جاتی ہے۔ تمام حاضرین بیک وقت اس کو اس کی ہمت د

جرأت پر مبارکباد دیتے ہیں۔

مارگریٹ:

”قرآن مجید کے علاوہ بھی اسلام میں کچھ ہے، اسے کیا کہتے ہیں.....؟“

زیاد بن عمر:

”ہاں! ہاں! بیٹی مارگریٹ! انہیں احادیث کہتے ہیں۔ احادیث وہ کلام ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔“

مارگریٹ:

”مجھے چند احادیث سنایئے۔!“

ایک مسلم:

”ماشاءاللہ! کیسا عظیم شوق ہے۔“

زیاد بن عمر:

”بیٹی! کیوں نہیں۔ میں چند ایک احادیث پیش کرتا ہوں:

”حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”مسلمان کے حق مسلمان پر چھ ہیں، جب تو اس سے ملے تو سلام کہہ، جب وہ تجھے بلائے تو اس کے پاس جا، جب تجھ سے خیر خواہی طلب کرے تو اس کی خیر خواہی کر، جب اسے چھینک آئے اور وہ اللہ کی حمد کرے تو اسے ”یرحمك الله“ کہہ، جب وہ بیمار ہو تو اس کی بیمار پرسی کر اور جب فوت ہو تو اس کے جنازے کے ساتھ جا۔“

”حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”اس شخص کی طرف دیکھو جو تم سے نیچے ہے اور اس شخص کی طرف نہ دیکھو جو تم سے اوپر ہے، یہ زیادہ لائق ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کو حقیر نہ جانو جو تم پر ہے۔“

”حضرت نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نیکی اور گناہ کے متعلق سوال کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”نیکی عادت کا اچھا ہونا ہے اور گناہ وہ ہے جو تیرے سینے میں کھٹکے اور تو اس بات کو ناپسند جانے کہ لوگ اس پر اطلاع پائیں۔“

”حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا: ”جب تم تین ہو تو دو آدمی تیسرے کے بغیر آپس میں سرگوشی نہ کریں یہاں تک کہ تم دوسرے لوگوں کے ساتھ مل جاؤ کیونکہ یہ چیز اسے غمگین کرے گی۔“

”حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”کوئی آدمی دوسرے آدمی کو اس کی بیٹھنے کی جگہ سے نہ اٹھائے کہ پھر خود اس میں بیٹھ جائے۔ بلکہ کھل جاؤ اور کشادگی پیدا کرلو۔“

”حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جب تم میں سے کوئی شخص کھانا کھائے تو اپنا ہاتھ صاف نہ کرے یہاں تک کہ اسے خود چاٹ لے یا کسی کو چٹا دے۔“

حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”چھوٹا بڑے کو سلام کہے، گزرنے والا بیٹھے ہوئے کو اور تھوڑے زیادہ کو۔“

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جب تم میں سے کسی کو چھینک آئے تو وہ ”الحمد للہ“ کہے اور اس کا بھائی اسے ”یرحمک اللہ“ ”اللہ تم پر رحم کرے۔“ کہے تو جب وہ اسے ”یرحمک اللہ“ کہے تو وہ اسے یوں کہے: ”یھدیکم اللہ و یصلح بالکم“ ”اللہ تمہیں ہدایت دے اور تمہاری حالت درست کرے۔“

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”تم میں سے کوئی شخص کھڑے ہو کر پانی ہرگز نہ پیے۔“

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جب تم میں کوئی شخص جوتا پہنے تو دائیں طرف سے شروع کرے اور جب اتارے تو بائیں طرف سے شروع کرے اور دایاں پاؤں دونوں میں سے پہلے ہو جس میں جوتا پہنا جائے اور دونوں سے آخری ہو جس سے جوتا اتارا جائے۔“

”حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ اس شخص کی طرف دیکھے گا نہیں جس نے اپنا کپڑا تکبر کے ساتھ کھینچا۔“

”حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”جب تم میں سے کوئی کھائے تو اپنے دائیں ہاتھ کے ساتھ کھائے اور جب پیے تو دائیں ہاتھ کے ساتھ پیئے کیونکہ شیطان اپنے بائیں ہاتھ کے ساتھ کھاتا ہے اور بائیں کے ساتھ پیتا ہے۔“

”عمرو بن شعیب اپنے باپ سے وہ اپنے دادا (عبداللہ بن عمرو) رضی اللہ عنہم سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علی وسلم نے فرمایا: ”کھا، پی، پہن اور صدقہ کر جس میں فضول خرچی نہ ہو اور تکبر نہ ہو۔“

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جو شخص پسند کرتا ہے کہ اس کے لئے اس کے رزق میں فراخی کی جائے اور اس کے نشان قدم (باقی رکھنے) میں دیر (عمر لمبی) کی جائے وہ اپنی رشتہ داری کو ملائے۔“

”حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”بے شک اللہ تعالیٰ نے حرام کر دیا ہے تم پر ماؤں کو ستانا، بیٹیوں کو زندہ دفن کر دینا، (خود) کچھ نہ دینا اور (دوسروں سے کہنا) لا مجھے دے اور تمہارے لیے (اللہ تعالیٰ نے) ناپسند کیا (یہ کہنا کہ) یہ کہا گیا اور فلاں نے کہا، زیادہ سوال کرنا اور مال ضائع کرنا۔“

”حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! کوئی بندہ مؤمن نہیں ہوتا یہاں تک کہ اپنے ہمسائے کے لیے وہی پسند کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔“

”حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا: ”کون سا گناہ سب سے بڑا ہے۔؟“ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”یہ کہ تو اللہ تعالیٰ کے لیے شریک بنائے حالانکہ اس نے تجھے پیدا کیا۔“ میں نے کہا: ”پھر کون سا۔؟“ فرمایا: ”یہ کہ تو اپنے بچے کو قتل کرے اس ڈر سے کہ وہ تیرے ساتھ کھائے گا۔“ میں نے کہا: ”پھر کون سا۔؟ فرمایا: ”یہ کہ تو اپنے ہمسائے کی بیوی کے ساتھ باہم بدکاری کرے۔“

”حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا: ''کسی مسلم کے لیے حلال نہیں کہ وہ اپنے بھائی کو تین راتوں سے زیادہ چھوڑے رکھے۔ وہ دونوں ملیں تو یہ اس طرف منہ پھیر لے اور وہ (اس طرف) منہ پھیر لے اور ان دونوں میں سے بہتر وہ ہے جو سلام میں پہل کرے۔''

''حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ہر اچھا کام صدقہ ہے۔''

''حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''بھلائی میں سے کسی چیز کو ہرگز حقیر مت سمجھ، خواہ (اتنا ہی ہو کہ) تو اپنے بھائی کو کھلے چہرے کے ساتھ ملے۔''

''حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب تو شوربا پکائے تو اس کا پانی زیادہ کرلے اور اپنے ہمسایوں کا خیال رکھ۔''

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو شخص کسی مسلمان سے دنیا کی تنگیوں میں سے کوئی تنگی دور کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس سے آخرت کی تنگیوں میں سے کوئی تنگی دور فرمائے گا اور جو شخص کسی تنگدست پر آسانی کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس پر دنیا اور آخرت میں آسانی فرمائے گا اور جو شخص کسی مسلم پر پردہ ڈالے گا تو اللہ تعالیٰ اس پر دنیا اور آخرت میں پردہ ڈالے گا اور اللہ تعالیٰ بندے کی مدد میں (رہتا) ہے جب تک بندہ اپنے بھائی کی مدد میں (رہتا) ہے۔''

''حضرت ابومسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو شخص (کسی کو) بھلائی (کے کام) کا راستہ دکھائے اس کے لیے بھلائی کرنے والے کے ثواب کی طرح ثواب ہے۔''

''حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو شخص تم سے اللہ تعالیٰ کے (نام کے) ساتھ پناہ مانگے اسے پناہ دو اور جو شخص تم سے اللہ کے (نام کے) ساتھ سوال کرے اسے دو اور جو تم سے اچھا سلوک کرے اسے بدلہ دو، اگر تم (بدلہ دینے کے لیے کوئی چیز) نہ پاؤ تو اس کے لیے دعا کرو۔''

''حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم سے سنا: نعمان نے یہ بات اپنی انگلیاں کانوں کی طرف لے جاتے ہوئے کہی: ''یقیناً حلال ظاہر ہے اور حرام ظاہر ہے اور ان دونوں کے درمیان کچھ مشتبہ چیزیں ہیں، جنہیں بہت سے لوگ نہیں جانتے تو جو شخص شبہات سے بچ گیا اس نے اپنا دین اور اپنی عزت بچالی اور جو شبہ کی چیزوں میں جا پڑا وہ حرام میں جا پڑا۔ جیسا کہ وہ شخص جو ممنوعہ چراگاہ کے اردگرد مویشی چرانے والا ہے، قریب ہے کہ اس میں جا پڑے۔ یاد رکھو! ہر بادشاہ کی کوئی نہ کوئی ممنوعہ چراگاہ ہوتی ہے، خبردار! اللہ تعالیٰ کی ممنوعہ چراگاہ اس کی حرام کردہ چیزیں ہیں، خبردار! جسم میں گوشت کا ایک ٹکڑا ہے جب وہ درست ہو جاتا ہے تو سارا جسم درست ہو جاتا ہے اور جب وہ خراب ہو جاتا ہے تو سارا جسم خراب ہو جاتا ہے، یاد رکھو! وہ دل ہے۔''

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ہلاک ہو گیا دینار، درہم اور چادر کا غلام۔ اگر اسے دیا جائے تو خوش ہو جاتا ہے اور اگر اسے نہ دیا جائے تو خوش نہیں ہوتا۔''

''حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا کندھا پکڑ کر فرمایا: ''دنیا میں اس طرح رہ کہ تو پردیسی ہے یا راہ گزرنے والا ہے۔'' حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرمایا کرتے تھے: ''جب تو شام کرے تو صبح کا انتظار مت کر اور جب صبح کرے تو شام کا انتظار مت کر اور اپنی تندرستی سے اپنی بیماری کے لیے اور اپنی زندگی سے اپنی موت کے لیے (کچھ نہ کچھ) حاصل کرلے۔''

''حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو شخص کسی قوم کی مشابہت اختیار کرے وہ انہیں میں سے ہے۔''

''حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں ایک دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے (سوار) تھا تو آپ نے فرمایا: ''اے لڑکے! اللہ کو یاد کرو وہ تجھ پر نظر کرم فرمائے گا، اللہ کو یاد کر تو اسے اپنے سامنے پائے گا اور جب سوال کرے تو اللہ تعالیٰ سے سوال کر اور جب مدد مانگے تو اللہ سے مدد مانگ۔''

سنن ترمذی میں بقیہ حدیث یہ ہے:

''اور جان لے کہ اگر امت اس بات پہ جمع ہو جائے کہ تجھے کوئی فائدہ پہنچائے تو کوئی

فائدہ نہیں پہنچا سکے گی مگر جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے لکھ دیا ہے اور اگر وہ جمع ہو جائیں کہ تجھے کوئی نقصان پہنچائیں تو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکیں گے مگر جو اللہ تعالیٰ نے تم پر لکھ دیا ہے، قلم خشک ہو گئے اور صحیفے لپیٹ دیئے گئے۔"

"حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور عرض کیا: "یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے ایسا عمل بتائیں کہ جب میں اسے کروں تو اللہ تعالیٰ اور لوگ مجھ سے محبت کریں۔" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "دنیا سے بے رغبتی اختیار کر اللہ تعالیٰ تجھ سے محبت کرے گا اور اس چیز (مال ودولت) سے بے رغبت ہو جا جو لوگوں کے پاس ہے تو لوگ تجھ سے محبت کریں گے۔"

"حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "آدمی کے اسلام کی خوبی یہ ہے کہ وہ لایعنی چیز کو چھوڑ دے۔"

"حضرت مقدام بن معدیکرب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ابن آدم نے کوئی برتن نہیں بھرا جو اس کے پیٹ سے برا ہو۔"

"حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "آدم علیہ السلام کی تمام اولاد بہت خطا کرنے والی ہے اور بہت خطا کرنے والوں میں سب سے بہتر بہت زیادہ توبہ کرنے والے ہیں۔"

"حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "خاموشی دانائی ہے اور اسے (اختیار) کرنے والے کم ہیں۔"

"حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "حسد سے بچو! کیونکہ یہ بات یقینی ہے کہ حسد نیکیوں کو کھا جاتا ہے، جس طرح آگ ایندھن کو۔"

"حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "بہت زیادہ طاقتور وہ نہیں جو (مقابل کو) بہت زیادہ پچھاڑنے والا ہے، بہت زیادہ طاقتور صرف وہ ہے جو غصے کے وقت اپنے آپ پر قابو رکھے۔"

"حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"ظلم قیامت کے اندھیروں میں سے اندھیرا ہے۔"

"حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ظلم سے بچو کیونکہ ظلم قیامت کے دن کئی اندھیرے ہوگا اور حرص سے بھری ہوئی کنجوسی سے بچو کیونکہ اس نے تم سے پہلوں کو برباد کر دیا۔"

"حضرت محمود بن لبید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "سب سے زیادہ خوف والی چیز جس سے میں تم پر ڈرتا ہوں چھوٹا شرک ریا یعنی دکھاوا ہے۔"

"حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "منافق کی نشانیاں تین ہیں۔ جب بات کرے تو جھوٹ کہے، جب وعدہ کرے تو اس کا خلاف کرے اور جب اس کو امانت دار سمجھا جائے تو خیانت کرے۔"

"بخاری و مسلم میں حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ہے: "اور جب جھگڑے تو بدزبانی کرے۔"

"حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مسلمان کو گالی دینا فسوق (نافرمانی) ہے اور اس سے لڑائی کرنا کفر ہے۔"

"حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "گمان سے بچو کیونکہ گمان سب سے جھوٹی بات ہے۔"

"حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "کوئی بھی بندہ جسے اللہ تعالیٰ کسی رعیت کا حاکم بنا دے اسے جس دن موت آئے وہ اس حال میں مرے کہ اپنی رعیت کو دھوکا دینے والا ہو تو اللہ تعالیٰ اس پر جنت حرام کر دیتا ہے۔"

"ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اے اللہ! جو شخص میری امت کے کام میں سے کسی چیز کا ذمہ دار بنا پھر اس نے ان پر مشقت ڈالی تو تو اس پر مشقت ڈال۔"

"حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جب تم میں سے کوئی شخص لڑے تو چہرے سے بچے۔"

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے عرض کیا: ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے وصیت کیجیے۔!'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''غصہ مت کر۔!'' اس نے کئی مرتبہ (سوال) دہرایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (یہی) فرمایا: ''غصہ مت کر۔''

''حضرت خولہ انصاریہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کچھ لوگ اللہ تعالیٰ کے مال میں حق کے بغیر دخل اندازی کرتے ہیں تو ان کے لیے قیامت کے دن آگ ہے۔''

''حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''اے میرے بندو! یقیناً میں نے ظلم اپنے آپ پر حرام کر لیا ہے اور اسے تمہارے درمیان بھی حرام کر دیا ہے تو تم ایک دوسرے پر ظلم نہ کرو۔''

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کیا تم جانتے ہو غیبت کیا ہے۔؟'' صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا: ''اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تمہارا اپنے بھائی کا ذکر ایسی چیز کے ساتھ کرنا جسے وہ ناپسند کرتا ہے۔'' عرض کیا گیا: ''آپ یہ بتائیں کہ اگر میرے بھائی میں وہ چیز موجود ہو جو میں کہہ رہا ہوں (تو کیا پھر بھی غیبت ہے؟)'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اگر اس میں وہ چیز موجود ہے جو تم کہہ رہے ہو تو یقیناً تم نے اس کی غیبت کی اور اگر وہ چیز اس میں موجود نہیں تو تم نے اس پر بہتان باندھا۔''

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ایک دوسرے پر حسد نہ کرو، ایک دوسرے کے مقابلے میں ارادۂ خرید کے بغیر بولی نہ بڑھاؤ، ایک دوسرے سے دلی دشمنی نہ رکھو، ایک دوسرے سے قطع تعلق نہ کرو اور تم میں سے کوئی اپنے بھائی کی بیع پر بیع نہ کرے اور اللہ کے بندو! بھائی بھائی بن جاؤ۔ مسلمان مسلمان کا بھائی ہے، نہ اس پر ظلم کرتا ہے، نہ اس کی مدد چھوڑتا ہے اور نہ اسے حقیر جانتا ہے۔ تقویٰ یہاں ہے۔'' اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے سینے کی طرف تین مرتبہ اشارہ فرماتے تھے۔ پھر فرمایا: ''آدمی کے خود برا ہونے کے لیے اتنا ہی کافی

ہے کہ وہ اپنے مسلم بھائی کو حقیر جانے۔ مسلمان کی ہر چیز مسلمان پر حرام ہے، اس کا خون، اس کا مال اور اس کی عزت۔''

''حضرت قطبہ بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہا کرتے تھے: ''اے اللہ! مجھے بری عادتوں، برے کاموں، بری خواہشوں اور بری بیماریوں سے بچا۔''

''حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اپنے بھائی سے جھگڑا مت کر، نہ اس کے ساتھ مذاق کر اور نہ اس سے ایسا وعدہ کر کہ اس کی خلاف ورزی کرے۔''

''حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''دو خصلتیں مومن میں جمع نہیں ہوتیں، بخل اور بد خلقی۔''

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ایک دوسرے کو گالی دینے والے جو کچھ کہیں (اس کا گناہ) پہل کرنے والے پر ہے، جب تک مظلوم زیادتی نہ کرے۔''

''حضرت ابوصرمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو شخص کسی مسلم کو تکلیف پہنچائے اللہ تعالیٰ اسے تکلیف پہنچائے گا اور جو شخص کسی مسلم کی مخالفت کرے تو اللہ تعالیٰ اس پر مشقت ڈالے گا۔''

''حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''یقیناً اللہ تعالیٰ بدزبان (گالیاں بکنے والے)، بے ہودہ، گندی باتیں کرنے والے سے بغض رکھتا ہے۔''

''حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے (کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا): ''مومن بہت طعنے دینے والا، بہت لعنت کرنے والا، فحش گوئی کرنے والا، بے ہودہ بکنے والا نہیں ہوتا۔''

''سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مردوں کو گالی مت دو، کیونکہ یقیناً وہ اس چیز کی طرف پہنچ چکے جو انہوں نے آگے بھیجی۔''

''حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
''سخن چیں (عیب جو، لوگوں کی برائیاں ڈھونڈنے والا) جنت میں نہیں جائے گا۔''

''حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
''جو شخص اپنے غصے کو روک لے، اللہ تعالیٰ اس سے اپنا عذاب روک لے گا۔''

''حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جنت میں دھوکے باز داخل نہیں ہوگا، نہ بخیل اور نہ ہی برا مالک۔''

''حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو شخص کسی قوم کی باتوں پر کان لگائے اور وہ اسے ناپسند کرتے ہوں، اس کے کانوں میں قیامت کے دن سیسہ (سکہ) ڈالا جائے گا۔''

''حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے بروایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''طوبیٰ ہے اس شخص کے لیے جسے اس کا اپنا عیب لوگوں کے عیب سے روک دے۔''

''حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
''جو شخص اپنے دل میں بڑا بنا اور اپنی چال میں اکڑ کر چلا، وہ اللہ سے اس حال میں ملے گا کہ اللہ تعالیٰ اس پر سخت غصے میں ہوگا۔''

''حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جلد بازی شیطان کی طرف سے ہے۔''

''سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
''اصل نحوست بد خلقی ہے۔''

''حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''بے شک بہت لعنت کرنے والے قیامت کے دن نہ شفاعت کرنے والے ہوں گے نہ شہادت دینے والے۔''

''حضرت محمد فیضان بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو شخص اپنے بھائی کو کسی گناہ کی عار دلائے وہ فوت نہیں ہوگا، یہاں تک کہ وہ گناہ کر لے۔''

''بہز بن حکیم اپنے باپ سے وہ اس (بہز) کے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ویل ہے اس شخص کے لیے جو بات کرتا ہے تو جھوٹ بولتا ہے تاکہ اس کے ساتھ لوگوں کو ہنسائے۔ ویل ہے اس کے لیے، پھر ویل ہے اس کے لیے۔''

''حضرت انس رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس شخص کی تم نے غیبت کی ہو اس کا کفارہ یہ ہے کہ اس کے لیے بخشش کی دعا کرو۔''

''عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ ناپسند آدمی وہ ہے جو ہٹ دھرم سخت جھگڑالو ہو۔''

''حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''سچ کو لازم پکڑو کیونکہ سچ نیکی کی طرف ہدایت کرتا ہے اور نیکی جنت کی طرف ہدایت کرتی ہے اور آدمی سچ کہتا رہتا ہے اور سچ کہنے کی پوری کوشش کرتا رہتا ہے، یہاں تک کہ اسے اللہ تعالیٰ کے ہاں، بہت سچا لکھ دیا جاتا ہے اور جھوٹ سے بچو کیونکہ جھوٹ برائی کی طرف دعوت دیتا ہے اور برائی آگ کی طرف ہدایت کرتی ہے اور آدمی جھوٹ کہتا رہتا ہے اور جھوٹ کہنے کی پوری کوشش کرتا رہتا ہے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں، بہت جھوٹا لکھ دیا جاتا ہے۔''

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''گمان سے بچو کیونکہ گمان سب سے جھوٹی بات ہے۔''

''حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''راستوں پر بیٹھنے سے پرہیز کرو۔'' صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا: ''ہماری مجلسوں کے بغیر ہمارا گزارا نہیں کیونکہ ہم ان میں باہمی بات چیت کیا کرتے ہیں۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تو جب تم نہیں مانتے تو راستے کو اس کا حق دو۔'' انہوں نے پوچھا: ''راستے کا حق کیا ہے۔؟'' فرمایا: ''نگاہ نیچی رکھنا، تکلیف نہ دینا، سلام کا جواب دینا، نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا۔''

''حضرت امیر معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ کسی بھلائی کا ارادہ کرتا ہے تو اسے دین کی سمجھ عطا کر دیتا ہے۔''

''حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ترازو میں کوئی چیز خلق اچھا ہونے سے زیادہ بھاری نہیں ہے۔''

''حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''حیاء ایمان سے ہے۔''

''حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''لوگوں نے پہلی نبوت کے کلام میں سے جو کچھ پایا ہے اس میں سے ایک یہ ہے کہ جب تو حیا نہ کرے تو جو چاہے کر۔''

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''طاقتور مومن، کمزور مومن سے بہتر اور اللہ تعالیٰ کو زیادہ محبوب ہے اور ہر ایک میں بھلائی موجود ہے۔ جو چیز تجھے نفع دے اس کی حرص کر اور اللہ تعالیٰ سے مدد مانگ اور عاجز نہ ہو اور اگر تجھے کوئی (نقصان دہ) چیز پہنچے تو یہ مت کہہ کہ ''اگر میں اس طرح کرتا تو اس طرح اور اس طرح ہو جاتا'' بلکہ یوں کہہ کہ ''اللہ نے قسمت میں (اسی طرح) لکھا اور جو اس نے چاہا کر دیا'' کیونکہ ''لو'' (اگر) کا لفظ شیطان کا کام کھول دیتا ہے۔''

''حضرت عیاض بن حمار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''یقیناً اللہ تعالیٰ نے میری طرف وحی فرمائی ہے کہ نیچے رہو، یہاں تک کہ کوئی کسی پر سرکشی نہ کرے اور نہ کوئی کسی پر فخر کرے۔''

''حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو شخص اپنے بھائی کی عزت کا دفاع اس کے موجود نہ ہونے کے وقت کرے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کے چہرے سے آگ کو ہٹا دے گا۔''

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''صدقہ کسی مال کو کم نہیں کرتا اور اللہ تعالیٰ معاف کرنے کی بدولت بندے کی عزت ہی بڑھاتا ہے اور کوئی شخص اللہ کی خاطر نیچا نہیں ہوتا مگر اللہ تعالیٰ اسے بلند کر

دیتا ہے۔''

''حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے لوگو! سلام کو عام کرو اور رشتہ داریوں کو ملاؤ اور کھانا کھلاؤ اور رات کو نماز پڑھو اس حال میں کہ لوگ سوئے ہوئے ہوں۔ تم جنت میں سلامتی کے ساتھ داخل ہو جاؤ گے۔''

''حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''دین صرف نصیحت ہی ہے۔'' ہم نے کہا: ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کس کے لیے۔؟'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ کے لیے، اس کی کتاب کے لیے، اس کے رسول، مسلمانوں کے حکمرانوں اور ان کے عام لوگوں کے لیے۔''

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو چیز سب سے زیادہ جنت میں داخل کرے گی وہ اللہ تعالیٰ کا ڈر اور اچھا خلق ہے۔''

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''یقیناً تم اپنے مالوں کے ساتھ تمام لوگوں کے لیے فراخ نہیں ہو سکتے، لیکن ان کے لیے تمہاری طرف سے چہرے کا کھلا ہونا اور خلق کا اچھا ہونا فراخ ہونا چاہیے۔''

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مومن اپنے مومن بھائی کا آئینہ ہے۔''

''حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''وہ مومن جو لوگوں کے ساتھ مل کر رہتا ہے اور ان کی تکلیف پر صبر کرتا ہے اس سے بہتر ہے جو لوگوں کے ساتھ مل کر نہیں رہتا نہ ان کی تکلیف پر صبر کرتا ہے۔''

''حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اے اللہ! جس طرح تو نے میری شکل و صورت اچھی بنائی ہے میرا اخلاق بھی اچھا بنا دے۔''

مارگریٹ:

''ماشاء اللہ! کتنا خوبصورت، عالیشان، فصیح و بلیغ اور اثر انداز ہونے والا کلام ہے۔''

زیاد بن عمر:

''بیٹی مارگریٹ! میں تمہاری حق پرستی پر تم کو مبارکباد دیتا ہوں کہ خدا نے تم کو کفر کی تاریکی سے نکال کر اسلام کی دولت سے مالا مال کیا اور تثلیث کے گورکھ دھندے سے نکال کر توحید کے صاف راستہ پر تمہارا قدم جما دیا۔ بیٹی! یہ راستہ بڑا پرخطر ہے اور اس میں ثابت قدم رہنا بڑے بہادر انسان کا کام ہے، لیکن جن لوگوں کے دلوں میں اسلام اپنا آشیانہ بنالیتا ہے۔ مصیبتیں اور تکلیفیں ان کے سامنے سے دھوئیں کی طرح اڑ جاتی ہیں اور خدا سلامتی کی راہیں ان کیلئے کشادہ کر دیتا ہے:

''جو اللہ تعالیٰ سے ڈرے تو اللہ تعالیٰ اسے مصائب سے بچالیتا ہے اور وہاں سے اسے رزق دیتا ہے جہاں سے اس کا گمان بھی نہیں ہوتا۔''

مارگریٹ:

''مقدس باپ......!!''

زیاد بن عمر:

''یہ الفاظ تم کو ترک کرنے پڑیں گے۔ اسلام میں پاپائیت نہیں ہے۔ اسلام نے علماء کو وہ درجہ نہیں دیا جو عیسائیت نے پادریوں کو دیا ہے۔ یہاں تو کامل مساوات ہے۔ علماء کرام کا صرف اتنا ہی فرض ہے کہ وہ کتاب حکیم اور سنت نبوی کے مطابق مسلمانوں کی رہنمائی کرتے رہیں اور مسلمانوں کا فرض یہ ہے کہ وہ اس معاملہ میں علماء کی پیروی کریں۔ نہ یہ کہ ان کو خدا بنالیں یا سفید سیاہ کا مالک بنادیں۔''

مارگریٹ شرما کر بولی:

''اب آپ ہی مجھے تلقین فرمائیے کہ میں آپ کو اور دیگر پیشوایان اسلام کو کن الفاظ و القاب سے خطاب کروں، میں چونکہ ناواقف ہوں اس لئے آپ میری غلطی کو معاف فرمائیے۔!''

زیاد بن عمر:

''نہیں بیٹی! میں نے تو تم کو صرف نصیحت کی ہے کہ آئندہ ایسے الفاظ ہم لوگوں کیلئے استعمال نہ کرنا۔ اس میں تمہاری کیا غلطی ہے؟ تم تو ابھی بہت سی باتوں سے ناواقف ہو؟ بس ہمارے اور دیگر مسلمانوں کیلئے ''اے بھائی'' (یا اخی) کے لفظ سے خطاب

کرو۔ اگر اس سے زیادہ کچھ کہنا چاہو تو یاسیدی۔''

مارگریٹ:

''بہت اچھا! آئندہ میں آپ کے ہر حکم کی تعمیل کروں گی۔ یاسیدی! یہ اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے کہ اس نے اپنی اس کنیز کو حق و صداقت کا راستہ دکھایا اور تثلیث و صلیب پرستی کی لعنت سے چھڑایا۔ اس ہدایت کا وسیلہ یہ میرے روحانی استاد اور مربی زین العابدین ہیں، جنھوں نے قرطبہ کے تمام پادریوں کو گھروں میں جا جا کر تبلیغ کی اور ان کے ذریعہ میرے کانوں نے سچائی اور حقیقت کو سنا۔ میرا دل دعا دیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ زین العابدین کو دین و دنیا کی نعمتوں سے مالا مال کر دے اور آپ کی دعا سے میری زندگی اور موت اسلام پر ہو۔!''

اس پر تمام مجمع نے آمین کہی۔

زیاد بن عمر:

''بیٹی! اللہ تعالیٰ تم سے کوئی بڑی خدمت لینا چاہتا ہے اور یقیناً تمہاری ذات سے مسلمانوں کو بہت زیادہ فائدہ پہنچے گا۔ یہ تو بتاؤ کہ تم نے کسی اور خاتون کو بھی اپنا ہمراز اور ہم عقیدہ بنایا۔؟''

مارگریٹ:

''ہاں! یاسیدی! میری چار سہیلیاں اور ہیں، جو عیسوی مذہب سے برداشتہ خاطر ہو گئی ہیں اور اسلام کی طرف ان کا میلان ہو گیا ہے۔ میں انشاء اللہ! کل یا پرسوں ان کو بھی اپنے ہمراہ لاؤں گی، تاکہ وہ یہاں آکر آپ سے برکت حاصل کریں اور ان کے دلوں میں اسلام کے متعلق جو شکوک رہ گئے ہیں وہ بھی یہاں آکر رفع ہو جائیں۔''

یہ سن کر ایک شخص نے اللہ تعالیٰ کی یوں کبریائی بیان کی:

زین العابدین:

''میری بہن! وہ تمہاری کون سی سہیلیاں ہیں۔؟ واللہ! ہم کو تو پتہ بھی نہیں چلا اور نہ اب تک تم نے ان کا کوئی تذکرہ کیا۔ کیا ان کا نام اور پتہ بتا کر مجھ پر مہربانی کرو گی۔؟''

مارگریٹ:

"الٰہیات میں جو میرے استاد میکائیل ہیں نا؟ ایک تو ان کی صاحبزادی ہیں اور تین میری سہیلیاں ہیں۔ یہ سب کی سب مباحثوں میں برابر شریک ہوتی رہی ہیں۔"

زین العابدین:

"کیا واقعی! دل سے مسلمان ہو چکی ہیں اور عیسائیت کی خامیوں کو انہوں نے تسلیم کر لیا۔؟"

مارگریٹ:

"عیسائیت کی خامیاں تو ان پر اچھی طرح ظاہر ہو چکی ہیں اور اسلام کی حقانیت کا بھی دل سے اعتراف کرتی ہیں، مگر ابھی ان میں اتنی جرأت نہیں کہ وہ اپنے موروثی مذہب کو چھوڑ کر اسلام کی قبولیت کا اعلان کر دیں۔ نیز میکائیل کی لڑکی کو ابھی چند شبہات بھی لاحق ہیں جن کا وہ مجھ سے تذکرہ کرتی رہتی ہے۔"

زیاد بن عمر:

"خیر! اللہ تعالیٰ ان میں اس بات کی بھی جرأت پیدا کر دے گا جس کی تم متمنی ہو۔ ہم بھی ان کیلئے دعا کریں گے۔"

زین العابدین:

"میکائیل کی صاحبزادی کو آپ کسی روز یہاں لے آئیں، تا کہ اس کے شبہات کو بھی دور کر دیا جائے۔"

مارگریٹ:

"بس کل یا پرسوں ضرور اپنے ہمراہ لاؤں گی۔ اگر چاروں لڑکیاں میرے ہمراہ نہ آئیں تو "میرانو" کو تو ضرور اپنے ہمراہ لاؤں گی۔"

زیاد بن عمر:

"بیٹی! میں تم سے پھر کہتا ہوں کہ تمام شبہات کو دور کر کے اسلام قبول کرنا، کسی لالچ یا فریب میں آ کر ہرگز مسلمان نہ ہونا، اس لئے کہ اسلام تو خلوص کو چاہتا ہے اور قرآن حکیم کہتا ہے کہ ایک مسلمان کی زندگی اور موت، عبادت و ریاضت، نشست و برخاست سونا اور جاگنا، غرض ہر چیز اللہ کیلئے ہو اور اسی کی خوشنودی اور رضامندی ہماری زندگی کا نصب العین ہو۔"

مارگریٹ:

"یا سیدی! میں اللہ تعالیٰ کو گواہ کر کے کہتی ہوں کہ میں کسی لالچ اور طمع سے مغلوب ہو کر اسلام کے آستانہ پر نہیں آئی اور نہ میرا منشاء حصول دولت اور جاہ و حشمت ہے۔ آج تمام قرطبہ، بلکہ تمام اندلس میں میرے باپ کو جو عزت حاصل ہے وہ آپ بھی جانتے ہیں۔"

زیاد بن عمر:

"جزاک اللہ! اللہ تعالیٰ تم کو استقامت بخشے اور تم پر اپنی رحمتیں نازل کرے۔ آمین!"

زین العابدین:

"اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے کہ جس کو قبول کرنے کے بعد انسان پر خدا کی رحمتیں نازل ہوتی ہیں اور اس کے تمام گناہ بخش دیئے جاتے ہیں۔"

مارگریٹ مسکرا کر بولی:

"میرے تمام گناہ تو ہفتہ وار ہمارے قرطبہ کے پادری صاحب جو محکمہ احتساب (انکویزیشن) کے انچارج ہیں معاف کر دیتے ہیں۔ اس لئے میں معصوم اور بے گناہ پہلے ہی سے ہوں۔"

زیاد بن عمر:

"یہ محکمہ احتساب کیا ہے؟ اور پادری صاحب کا گناہوں کو بخش دینا کیا معنی رکھتا ہے۔؟ کیا آپ کے ہاں انسان بھی گناہ بخش دیا کرتے ہیں۔؟"

مارگریٹ شرم و ندامت کے ساتھ بولی:

"یا سیدی! یہ داستان بڑی دلچسپ ہے اور شاید آپ لوگوں کیلئے بالکل نئی ہو۔ کیوں کہ آپ کو عیسائی مذہب کے اندرونی معاملات سے واقفیت نہیں ہے۔"

زیاد بن عمر:

"کیا ہم کو ان واقعات اور معاملات سے آپ مطلع کریں گی؟ اس قسم کے دلچسپ معاملات تو ضرور سننے چاہیں اور تم سے بہتر ان کو کون بیان کر سکتا ہے۔؟"

مارگریٹ:

"یا سیدی! عیسائیوں میں یہ قاعدہ ہے کہ ہر مسیحی ہر ہفتہ چرچ میں حضرت مسیح کی قربان گاہ کے سامنے بڑے پادری کے روبرو اپنے گناہوں کا اقرار کرتا ہے اور پادری صاحب اس کے گناہوں کو معاف کر دیتے ہیں، کیونکہ مسیحی مذہب کے مطابق بڑے پادری کو گناہوں کے بخشنے کا اختیار ہے، کیونکہ وہ حضرت پطرس کا جانشین سمجھا جاتا ہے۔"

زیاد بن عمر:

"استغفر اللہ! لاحول ولاقوۃ الاباللہ! کیا انسان بھی خدا کے سوا گناہوں کو معاف کر سکتا ہے۔؟ ہا! اسی وجہ سے قرآن حکیم نے عیسائیوں کو یہ الزام دیا ہے:

"عیسائیوں نے اپنے احبار اور رہبان کو خدا کے سوا اپنا رب بنا رکھا ہے۔"

پھر زیاد بن عمر حیرت سے کہنے لگے:

"کیا پادری تمام گناہوں کے بخشنے کا اختیار رکھتے ہیں۔؟"

مارگریٹ:

"جی ہاں! بشرطیکہ گناہوں کی معافی کا خواہشمند اپنے تمام خفیہ اور علانیہ گناہوں کا پادری صاحب کے سامنے اقرار کرے۔ اگر اس نے کوئی بات بھی چھپالی تو اس کی معافی نہیں ہے۔"

زین العابدین:

"تو گناہوں کی معافی کیلئے ہر قسم کی سیاہ کاریوں کو بیان کرنا ہوگا۔ اچھا! آپ کس طریقہ سے معافی طلب کیا کرتی تھیں۔؟"

مارگریٹ شرم سے نیچی نگاہ کر کے کہنے لگی:

"ہر شخص کو ایک معینہ تاریخ پر قرطبہ کے بڑے گرجا میں حاضر ہونا پڑتا ہے اور......"

زین العابدین:

"کیا لڑکیوں کو بھی حاضر ہونا پڑتا ہے۔؟"

مارگریٹ:

"جی ہاں! ہر بالغ لڑکی اور لڑکا وہاں حاضر کیا جاتا ہے اور پادری صاحب ایک ایک سے دریافت کرتے ہیں کہ اس نے اس ہفتہ کون کون سے گناہ کیے ہیں۔ بیان اور

اقرار کرنے کے بعد پادری صاحب سر پر ہاتھ پھیر کر فرماتے ہیں: "جاؤ! خداوند یسوع مسیح کی برکت سے تمہارے گناہ معاف ہوئے۔"

زین العابدین:

"ہر شخص سے خلوت میں دریافت کیا جاتا ہے یا سب لوگوں کے سامنے۔؟"

مارگریٹ:

"ہر شخص سے اگر گناہ کا اقرار علیحدہ کرایا جاتا تو یہ رسم اتنی شرمناک نہ ہوتی، مگر وہاں تو ہر شخص سے تمام لوگوں کے سامنے اقرار کرایا جاتا اور گناہوں کی معافی کا پروانہ دیا جاتا ہے۔"

زین العابدین:

"استغفر اللہ! کنوارے لڑکوں اور لڑکیوں کے سامنے۔؟"

مارگریٹ نے شرم سے سر جھکا کر کہا:

"جی ہاں! اور یوں کہیے کہ کنوارے لڑکوں اور لڑکیوں سے بھی سب لوگوں کے روبرو ان کے گناہوں کا اقرار کرایا جاتا ہے اور سب سنتے ہیں۔"

زین العابدین:

"الٰہی توبہ! گناہوں کے اقرار میں تو بڑی بڑی شرمناک باتیں بھی ظاہر ہوتی ہوں گی۔ مثلاً فرض کرو کہ کسی شخص نے زنا کا ارتکاب کیا تو اس کو عام لوگوں کے سامنے اقرار کرنا ہوتا ہوگا۔؟"

مارگریٹ:

"ایک بات کیا ہر برے سے برے فعل کا اعلانیہ اقرار کرنا پڑتا ہے۔ اگر کوئی شخص اقرار نہ کرے اور معاملہ کو چھپا جائے تو پھر اس کے گناہ معاف نہیں ہوتے اور وہ جہنم کا وارث ہو جاتا ہے۔"

زین العابدین:

"تو اس طریقہ سے کنوارے لڑکوں اور لڑکیوں کے اخلاق پر تو بہت ہی برا اثر پڑتا ہوگا۔؟"

مارگریٹ:

"کیوں نہیں! مگر رومن کیتھولک عیسائیوں کے ہاں تو گناہوں کو کوئی اہمیت نہیں دی جاتی، کیونکہ گناہوں کی معافی کا طریقہ بہت سہل ہے، جس نے لوگوں کو ارتکاب گناہ پر دلیر بنا رکھا ہے۔"

ایک شخص:

"تم لوگوں کے گناہوں کو تو پادری صاحب معاف کر دیتے ہیں، لیکن اگر خود پادری صاحب کسی گناہ کا ارتکاب کر بیٹھیں تو ان کے گناہوں کو کون معاف کرتا ہے۔؟"

زیاد بن عمر:

"شاید پادری صاحبان گناہ کرتے ہی نہیں۔! اس کے بعد حضرت زیاد بن عمر مجلس چھوڑ کر بالا خانہ میں تشریف لے جاتے ہیں اور یادِ الٰہی اور ذکر و اذکار میں مشغول ہو جاتے ہیں۔"

مارگریٹ آنکھیں نیچی کر کے اور شرم و ندامت کے ساتھ کہتی ہے:

"آپ کو کیا معلوم کہ ہمارے پیشوا خصوصاً رہبان کیا کیا گل کھلاتے ہیں اور ان کی زندگی کس قدر پُر از معصیت ہوتی ہے۔"

زین العابدین:

"اچھا! کیا پیشوایانِ مذہب کی زندگیاں عام لوگوں کی زندگیوں سے بھی زیادہ خراب ہوتی ہیں۔؟ مارگریٹ! تم یہ کیا کہہ رہی ہو۔؟ دیکھو! مسلمان ہوئے کے یہ معنی نہیں کہ تم کسی پر غلط الزام لگاؤ۔ قرآن حکیم میں بہتان لگانے کی سزا بڑی سخت ہے۔"

مارگریٹ:

"ہاں! بے شک آپ کو یہی خیال کرنا چاہیے، کیونکہ آپ راہبانہ زندگی کی سیاہ کاریوں سے واقف نہیں ہیں اور چونکہ آپ ان سیاہ کاریوں کا تصور بھی نہیں کر سکتے، اس لئے اگر آپ میرے بیان کی تکذیب کریں یا اس کو باور نہ کریں تو اس میں آپ کا کوئی قصور نہیں ہے۔"

زین العابدین:

"کیا واقعی ایسی ہی بات ہے۔؟ اگر ہے تو ذرا تفصیل سے بیان کرو۔"

مجلس کے تمام حاضرین نے مارگریٹ سے درخواست کی کہ وہ عیسوی مذہب کے ان خفیہ حالات پر ضرور روشنی ڈالیں، تاکہ اسلام کی بے کراں اور بے بہا نعمتوں کا اندازہ کرنے کا ہمیں موقعہ ملے۔

مارگریٹ:

"آپ جانتے ہیں کہ عیسائی مذہب میں ترکِ دنیا اور رہبانیت کی زندگی پر بہت زور دیا گیا ہے۔ اسی وجہ سے ہمارے اکثر پادری راہب یا تارک الدنیا ہوتے ہیں۔ وہ حصولِ نجات کے خیال سے بڑی بڑی مشقتیں جھیلتے ہیں اور طرح طرح سے اپنے جسموں کو ایذا پہنچاتے ہیں۔ اسی طرح عیسائی عورتیں بھی راہبہ یا نن بن جاتی ہیں، لیکن اس کے ساتھ ہی راہب اور راہبہ اپنی عصمت کو محفوظ نہیں رکھ سکتیں۔ راہب اور پیشوایانِ دین بھی خراب ہوتے ہیں اور ننیں بھی اکثر حالتوں میں عفت بدست غیر بن جاتی ہیں۔ اعترافِ گناہ کی جو رسم ہے اس میں اکثر راہبوں کو اپنی خواہشات نفسانی کے پورا کرنے کا موقع مل جاتا ہے۔ ننوں میں بھی بکثرت یہ اخلاقی مرض پیدا ہو جاتا ہے۔ بعض راہب تو اپنی ماں اور بہن تک۔"

یہاں مارگریٹ شرم کے مارے پانی پانی ہو جاتی ہے۔

تمام مجمع:

"استغفر اللہ! اللہ کی پناہ۔ توبہ توبہ!!!"

زین العابدین:

"یہ باتیں صرف اس لئے ہوتی ہیں کہ تجرد اور رہبانیت کی زندگی کو عیسائی مذہب میں افضل قرار دیا گیا ہے جو فطرت اور قانون الٰہی کے بالکل خلاف ہے۔ عیسائیت کے بطلان کی یہ بھی زبردست دلیل ہے کہ وہ انسان کو ایسی تعلیم دیتا ہے جو فطرت کے خلاف ہے اور جس پر انسان ہرگز عمل نہیں کر سکتا۔ اسی واسطے اسلام کے داعی صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرمایا تھا:

"اسلام میں رہبانیت یا ترکِ دنیا نہیں ہے۔"

پھر فرمایا:

"نکاح کرنا میرا طریقہ ہے اور جس نے میرے طریقہ سے منہ پھیرا وہ مجھ میں سے

نہیں ہے۔"

قرآن حکیم فرماتا ہے:

"رہبانیت کو لوگوں نے خود ہی اختیار کر لیا ہے، حالانکہ ہم نے ان پر اس بات کو لازم نہیں کیا تھا، لیکن وہ لوگ رہبانیت کو نباہ نہ سکے۔"

اور یہ بھی یہی بات جو چیز سنت اللہ اور قانون الٰہی کے خلاف ہوگی اس کو کس طرح نباہا جا سکتا ہے۔؟"

مارگریٹ:

"کیا اسلام نے رہبانیت اور ترک دنیا سے منع فرمایا ہے۔؟"

زین العابدین:

"بے شک! اور ابھی تم نے قرآن وحدیث کا فیصلہ کیا سنا ہے۔؟"

یہاں مارگریٹ پر رقت کی حالت طاری ہوتی ہے اور اسلام کی عظمت اس کے دل میں اور زیادہ چمک اٹھتی ہے۔

ایک شخص:

"ہاں! تو راہب اپنی محرمات ابدیہ کو بھی فراموش نہیں کرتے۔؟"

مارگریٹ:

"باتیں تو بہت زیادہ شرمناک ہیں، مگر آپ اسی سے اندازہ لگا لیجئے کہ جب ماں اور بہن کی عزت بھی ان کے ہاتھ سے محفوظ نہیں رہ سکتی تو وہ کیا کچھ نہ کرتے ہوں گے۔"

(مسٹر لیکی نے اپنی کتاب "تاریخ اخلاق یورپ" میں بڑی شرح وسط کے ساتھ راہبوں اور عام پادریوں کی سیاہ کاریوں کو بے نقاب کیا ہے اور لکھا ہے کہ دنیا کا کوئی اخلاقی جرم ایسا نہ تھا جس کا وہ ارتکاب نہ کرتے ہوں حتیٰ کہ اپنی ماں اور بہن سے بھی۔)

ایک شخص:

"کیا ننوں کی اخلاقی حالت بھی ایسی ہی ہے۔؟"

مارگریٹ:

"ان کی حالت راہبوں سے بھی زیادہ ناگفتہ بہ ہے اور نہایت بے شرم۔"

زین العابدین:

"اصل میں تمام فساد کی جڑ کفارہ کا عقیدہ ہے، جس نے عیسائیوں کو گناہ کرنے کا لائسنس دیدیا ہے۔"

مارگریٹ:

"بے شک آپ نے خوب سمجھا۔ حقیقت میں کفارہ کے عقیدہ نے گناہ کا خوف ہی دل سے نکال دیا اور ہر شخص یہ سمجھنے لگا کہ ارتکاب گناہ کے بعد پادری کے روبرو اعتراف جرم کرنے سے ہر قسم کی خطائیں معاف کرالیں۔"

زین العابدین:

"اللہ اکبر! اسلام کی فضیلت اور حقانیت کا پتہ یہیں سے لگتا ہے۔ اسلام نے جہاں کفارہ کی تردید فرما کر نجات وفلاح کو اعمال صالحہ پر مبنی قرار دیا تو ساتھ ہی یہ اصول بھی مقرر کر دیا:

"جس شخص نے ذرہ برابر بھی بھلائی کی ہوگی وہ اس کو ضرور دیکھے گا اور جس نے ذرہ بھر برائی کی ہوگی وہ اس کا ضرور مزہ چکھے گا۔"

ایک شخص:

"غالباً آپ کو یہ معلوم ہوگا کہ عیسائیوں کو ارتکاب جرم پر کفارہ نے آمادہ کیا ہے، مگر اس کی ایک اور وجہ بھی ہے اور وہ یہ کہ عیسائی تمام انبیاء کو گناہگار مانتے ہیں اور ان کی نسبت خیال کرتے ہیں کہ وہ اپنی زندگی میں ہر قسم کا گناہ کرتے رہے ہیں۔"

مارگریٹ:

"یہ بات تو غلط معلوم ہوتی ہے، کیونکہ انبیاء علیہم السلام کو ہی گناہگار مان لیا جائے تو گناہوں سے نفرت دلانے کیلئے پھر اور کون سی جماعت رہ جاتی ہے اور پھر کیا انبیاء کو حق رہ جاتا ہے کہ وہ لوگوں کو گناہوں سے بچنے کی ہدایت کریں۔؟"

زین العابدین:

"بے شک آپ کا خیال صحیح ہے، مگر اس کا کیا علاج کہ عیسائی انبیاء علیہم السلام کو بت پرست (نعوذ باللہ) زانی اور کذاب تک تسلیم کرتے ہیں۔"

مارگریٹ:

”یا سیدی! کیا واقعی عیسائیوں کا انبیاء علیہم السلام کے متعلق یہی عقیدہ ہے اور کیا وہ ان کو بت پرست اور کذاب بھی مانتے ہیں؟ اگر ایسا ہے تو ان کی کس کتاب میں ایسا لکھا ہے۔؟“

زین العابدین:

”میری بہن! ابھی تم کو کیا معلوم ہے کہ عیسائی قوم کیسی بد اطوار قوم ہے اور وہ گناہوں کا پروانہ حاصل کرنے کیلئے انبیاء پر کیسے کیسے الزام لگاتی ہے، چونکہ تم نے ابھی اپنی الہامی کتابوں کو غور سے نہیں پڑھا، اس لئے تم کو ہماری باتیں سن کر حیرت ہوتی ہے۔ میں تم کو یقین دلاتا ہوں کہ اگر اسلام کا ظہور نہ ہوتا اور نبیوں کے سردار سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہو کر یہود و نصاریٰ کی غلط کاریوں کا پردہ فاش نہ کرتے تو آج انبیاء علیہم السلام کی عصمت و نبوت کا ڈھونڈنے سے بھی پتہ نہ چلتا۔“

مارگریٹ:

”کیا عیسائی ایسے بے غیرت ہو گئے ہیں کہ انبیاء کو گناہگار تسلیم کرتے ہوئے بھی ان پر ایمان رکھتے ہیں۔؟ میرے خیال میں شاید آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ میں نے تو آج تک نہیں سنا کہ انبیاء نے بت پرستی بھی کی ہے یا انہوں نے جھوٹ بھی بولا ہے۔ کیا عیسائیوں کی مذہبی اور الہامی کتابوں سے آپ اپنا دعویٰ ثابت کر سکتے ہیں۔؟“

زین العابدین:

ہر دین کے پیروکار اپنے بانیان مذاہب کے احترام اور اعزاز کے قائل ہیں، کیونکہ کسی رہنما سے اس وقت تک قلبی عقیدت اور ذہنی وابستگی نہیں ہو سکتی جب تک کہ اس شخصیت کی اخلاقی پاکیزگی اور بلند کرداری کا پختہ یقین نہ ہو لیکن یہودی قوم کا معاملہ اس ضمن میں بالکل جداگانہ ہے۔ وہ ایک طرف تو انبیاء و رسولوں کو خدا کا فرستادہ مانتے ہیں تو دوسری طرف ان کی سیرت و کردار پر ایسے اخلاق سوز الزامات لگاتے ہیں جن کا تصور رسول تو کجا ایک عام شریف انسان کے متعلق بھی نہیں کیا جا سکتا۔

اس کا سبب بظاہر یہی نظر آتا ہے کہ جب بنی اسرائیل کے عوام و خواص، علماء و احبار اور حکام اخلاقی انحطاط کی پستی میں گر گئے تو اپنی اصلاح کی بجائے اولیاء عظام اور

انبیاء کرام کی پاک سیرتوں کو داغدار کرنا شروع کر دیا تا کہ ان کی اپنی سیاہ کاریوں پر پردہ پڑا رہے اور جواز پیدا کیا جا سکے۔

عہد نامہ عتیق سے کچھ مثالیں دیتا ہوں جن میں انبیاء کرام علیہم السلام پر گھٹیا، فحش اور ناقابل یقین الزامات لگائے گئے ہیں جو اس بات کی دلیل ہیں کہ یہ باتیں اللہ کا کلام نہیں بلکہ ایجاد بندہ ہیں۔

حضرت نوح علیہ السلام کے متعلق لکھا ہے:

”اور نوح کاشت کرنے لگا اور اس نے ایک انگور کا باغ لگایا۔ اس نے اس کی شراب پی، اسے نشہ آیا اور وہ اپنے ڈیرے پر برہنہ ہو گیا۔“

اسی طرح کتاب پیدائش باب نمبر ۱۹ میں حضرت لوط علیہ السلام پر شراب خوری اور اور خود اپنی بیٹیوں سے بدکاری کا ناقابل یقین غلیظ الزام ہے۔

بائبل کی کتاب پیدائش اور تالمود میں حضرت یعقوب علیہ السلام پر بے صبری اور ناشکری کا بہتان ہے۔ نیز ان کا خدا سے تمام رات کشتی لڑنے کا ذکر ہے۔

سلاطین اول، باب نمبر 11، آیت نمبر 1 تا 6 میں درج ہے:

”سلیمان نے خداوند کے آگے بدی کی اور اس نے خدا کی پوری پیروی نہ کی۔“

نیز اسی میں حضرت سلیمان علیہ السلام پر بت پرستی، مشرک عورتوں سے نکاح کرنے اور ان کے عشق میں مبتلا ہو جانے کا ذکر ہے۔

نیز کتاب سموئیل، باب نمبر 11 میں حضرت داؤد علیہ السلام پر اپنے ایک ملازم کی خوبصورت جوان بیوی کی تاک جھانک کرنے کا الزام ہے۔ اسی طرح اس کے عشق میں مبتلا ہونے اور اس سے بدکاری کا الزام ہے۔

اس طرح بائبل میں حضرت موسیٰ علیہ السلام پر خفیہ عشق بازی کا الزام ہے۔

بائبل میں حضرت ہارون علیہ السلام پر شرک و کفر اور گائے پرستی کا الزام ہے۔

بائبل میں حضرت ایوب علیہ السلام پر بے صبری کا الزام درج ہے۔

بائبل کے برعکس قرآن حکیم نے تمام انبیاء اور رسل کی عصمت اور پاکیزگی کا اعلان کیا ہے اور ان تمام الزامات سے انبیاء کو بری الذمہ ٹھہرایا ہے جن کا تذکرہ ہمیں بائبل میں ملتا ہے کیونکہ اسلامی عقیدے کے مطابق تمام انبیاء علیہم السلام معصوم ہوتے ہیں۔ وہ

ہر قسم کے صغیرہ و کبیرہ گناہوں سے پاک ہوتے ہیں۔

عیسائیوں کی کتابوں میں انبیاء کو زنا کار، کذاب اور بت پرست لکھا ہے۔ دیکھو حضرت لوط علیہ السلام کی نسبت لکھا ہے کہ انہوں نے سگی بیٹیوں سے زنا کیا۔ دیکھو کتاب پیدائش باب نمبر ۱۹ آیت نمبر ۳۶۔ حضرت داؤد علیہ السلام کی نسبت لکھا ہے کہ انہوں نے ایک غیر عورت سے ہم بستری کی! دیکھو سموئیل ۲ باب ۱۱ آیۃ چار۔ پھر شمسون پیغمبر کی بابت لکھا ہے کہ وہ ایک غیر عورت سے خراب ہوئے اور دوسری عورت سے آشنائی کی۔ دیکھو کتاب قاضیون باب ۱۶۔"

تمام حاضرین:

"استغفر اللہ! خدا لعنت کرے یہود و نصاریٰ پر! استغفر اللہ! استغفر اللہ!"

مارگریٹ شرم کے مارے پانی پانی ہوگئی اور زبان سے کچھ نہ کہہ سکی۔

زین العابدین:

"اچھا! اب سنو! کہ عیسائیوں کی الہامی کتابوں میں انبیاء کو جھوٹا بھی لکھا ہے، یعنی وہ باوجود نبی ہونے کے جھوٹ بولا کرتے تھے۔ اول شمشون نبی نے جھوٹ بولا اور ایک عورت کو تین دفعہ غلط بات بتائی۔ دیکھو کتاب قاضیون باب ۱۶۔ دوم ایک مقدس پیغمبر نے جھوٹ بولا۔ دیکھو اول سلاطین باب ۲۰۔ میسجا پیغمبر نے بھی جھوٹ بولا۔ دیکھو اول سلاطین باب ۲۲ آیت ۱۵۔ یرمیا پیغمبر نے خوب پیٹ بھر کر جھوٹ بولا۔ دیکھو کتاب یرمیا باب ۳۸۔ تم پطرس رسول کو تو خوب جانتی ہوگی۔ اس کو عیسائی کیا مانتے ہیں۔؟"

مارگریٹ:

"تمام عیسائی پطرس رسول کو رسول اور نبی مانتے ہیں اور تمام بڑے بڑے پادری پطرس رسول کے ہی جانشین سمجھے جاتے ہیں۔ اسی لئے ان کو گناہوں کے بخشنے کا بھی اختیار ہے۔"

زین العابدین:

"بالکل ٹھیک! اچھا کیا چاروں انجیلوں میں اسی پطرس کے متعلق نہیں لکھا کہ جب دشمنوں نے حضرت مسیح کو گرفتار کر کے پطرس کو بھی گرفتار کرنا چاہا تو اس نے حضرت مسیح

پر تین دفعہ لعنت بھیجی اور یہ سفید جھوٹ بولا کہ میں اس کو نہیں جانتا۔؟"

مارگریٹ:

"بے شک! ایسا ہی لکھا ہے اور میں نے تو انجیلوں کو اپنے استاذ میکائیل سے سبقاً سبقاً پڑھا ہے۔"

زین العابدین:

"اچھا! اب تیسری بات کا ثبوت لو کہ انبیاء نے عیسائیوں کے نزدیک بت پرستی کی۔ کتاب خروج، باب ۳۲ آیۃ ۴ میں لکھا ہے کہ حضرت ہارون علیہ السلام نے قوم کے کہنے سے بت بنائے اور لوگوں کو بت پرستی کی تلقین کی۔ کتاب اول سلاطین باب ۱۱ میں لکھا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنی بیوی کے کہنے سے آخری عمر میں بت پرستی کی اور اس طرح وہ مرتد اور مشرک بن گئے۔"

مارگریٹ:

"الٰہی! توبہ! الٰہی توبہ۔!!"

زین العابدین:

"دیکھو! میرے ہاتھ میں یہ بائبل موجود ہے۔ میں نے آیتوں پر نشان لگا دیئے ہیں۔ ان کو تم بھی ایک نظر دیکھ لو کہ میں غلط تو نہیں کہہ رہا۔؟"

مارگریٹ نے بائبل کے اوراق کو الٹ پلٹ کر وہ تمام حوالے پڑھ ڈالے جو زین العابدین نے پیش کیے تھے۔

زین العابدین:

"حوالوں کے پیش کرنے سے میرا مقصد یہ ہے کہ عیسائی دلیری اور جرأت کے ساتھ ہر قسم کے گناہوں کا ارتکاب اس لئے کرتے ہیں کہ نعوذ باللہ انبیاء کرام بھی ان کے نزدیک ان میں ملوث تھے اور وہ سمجھتے ہیں کہ جب انبیاء اور صلحاء گناہ حتیٰ کہ زنا کا ارتکاب کر کے بھی اپنے منصب نبوت سے نہ گرے تو ہم بھی سیاہ کاریوں کی وجہ سے خدا کے نزدیک معتوب نہیں ہو سکتے۔"

مارگریٹ:

"کیا قرآن مجید نے انبیاء کرام کو بالکل معصوم لکھا ہے۔؟"

زین العابدین:

"قرآن کریم کا یہی تو سب سے بڑا کمال ہے کہ اس نے یہود و نصاریٰ کے غلط خیالات والزامات کی پرزور تردید کی اور فرمایا کہ انبیاء کرام گناہ کرنا تو کیا وہ گناہ کا ارادہ بھی نہیں کرتے۔ قرآن عزیز کہتا ہے:

"گروہ انبیاء جس چیز سے منع کرنے آئے ہیں وہ اس کے کرنے کا ارادہ بھی نہیں کرتے۔"

نیز قرآن حکیم نے تمام انبیاء کو صالحین میں شمار کیا ہے۔

مارگریٹ:

"کیا قرآن مجید میں یہ نہیں لکھا کہ آدم علیہ السلام نے ممنوعہ درخت کا پھل کھایا؟ کیا خدا کے حکم کی خلاف ورزی گناہ نہیں ہے۔؟"

زین العابدین:

"گناہ کی تعریف یہ ہے کہ جان بوجھ کر کسی قانون کی خلاف ورزی کی جائے۔ بھول چوک سے اگر خلاف ورزی ہو جائے تو اس کو گناہ نہیں کہتے۔ مثلاً: روزہ دار کیلئے روزہ کی حالت میں کھانا پینا حرام ہے، لیکن اگر کوئی بھول کر کچھ کھا پی لے تو اس کا روزہ نہیں ٹوٹتا اور نہ وہ گناہگار ہوتا ہے۔ اسی طرح آدم علیہ السلام نے بھی بھول کر ممنوعہ پھل کھالیا تھا، جیسا کہ قرآن میں ہے:

"ہم نے آدم سے عہد لیا تھا، لیکن وہ بھول گئے اور ہم نے ان میں ارادہ نہیں پایا۔"

مارگریٹ:

"سبحان اللہ! آج معلوم ہوا کہ آدم علیہ السلام کا کوئی گناہ نہ تھا۔ ورنہ پادری صاحب تو اکثر مسلمانوں پر یہی سوال کیا کرتے ہیں کہ قرآن میں حضرت آدم کو گناہگار لکھا ہے۔ اوہو! وقت بہت زیادہ گزر گیا۔ اب مجھے گھر جانا چاہیے۔ والد صاحب اور

والدہ میرا شدید انتظار کر رہی ہوں گی۔ ابھی میں نے کھانا بھی نہیں کھایا۔"

زین العابدین:

"اگر آپ فرمائیں تو کھانا یہیں حاضر کر دیا جائے۔ حضرت مخدوم زیاد بن عمر کا سفرۂ عام ہم سب لوگوں کیلئے بچھے گا۔ آپ بھی اس میں شریک ہو جائیں۔ کیا میری درخواست قبول ہو گی۔؟"

مارگریٹ:

"آپ کا بہت بہت شکریہ! کھانا تو گھر ہی جا کر کھاؤں گی، کیونکہ والدہ صاحبہ کا دستور ہے کہ جب تک میں سیر و تفریح سے فارغ ہو کر گھر نہیں پہنچ جاتی، اس وقت تک وہ کھانا نہیں کھاتیں۔ وہ ہمیشہ میرے ہی ساتھ کھانا کھاتی ہیں۔

زین العابدین:

"آخر وہ کب تک آپ کو اپنے ساتھ کھلائیں گی؟ ایک نہ ایک روز تو یہ راز کھلے گا ہی۔"

مارگریٹ:

"خیر اس وقت کی بات اسی وقت کیلئے چھوڑیئے اور اس وقت جانے کی اجازت دیجئے۔!"

زین العابدین:

"بہت اچھا! مگر ہاں بالا خانہ میں حضرت مخدوم کو تو آپ کے جانے کی اطلاع کر دی جائے، شاید وہ آپ کو رخصت کرنے کیلئے یہاں تک تشریف لائیں۔"

مارگریٹ:

"نہیں! حضرت مخدوم کو تکلیف نہ دیجئے۔!"

زین العابدین:

"اچھا! تو آپ اپنی سہیلیوں کو کب اپنے ہمراہ لائیں گی۔؟"

مارگریٹ:

"اگر موقع ہوا تو کل ورنہ پرسوں تو ضرور حاضر ہوں گی اور سہیلیوں کو بھی ہمراہ لاؤں گی۔ آپ دعا کیجئے! اللہ تعالیٰ ان کو بھی میری طرح صراط مستقیم کی ہدایت کرے۔"

حاضرین:

"آمین ثم آمین۔!!"

☆☆☆

زیاد بن عمر کی اس مبارک اور نورانی مجلس سے اٹھ کر مارگریٹ نکلی اور سیدھی اپنے مکان کیلئے اس سڑک پر ہو لی جو قصر الشہداء سے سیدھی سوق العصافیر کو جاتی ہے اور جہاں سے مارگریٹ کا مکان چند قدم کے فاصلہ پر رہ جاتا ہے۔ مارگریٹ راستہ قطع کر رہی ہے، مگر وہ اس مجلس کی علمی گفتگو سے اس قدر مسرور ہے کہ اس کو دنیا اور مافیہا کی کچھ خبر نہیں اور وہ خاموشی اور وقار کے ساتھ قدم اٹھاتی چلی جا رہی ہے۔ آدھ گھنٹہ کے بعد مارگریٹ مکان پر پہنچی، جہاں اس کی والدہ شدید انتظار کے لمحے گن رہی تھی۔ سب سے پہلے والدہ نے دیر سے پہنچنے کی وجہ دریافت کی اور ملازمہ سے دسترخوان بچھانے کو کہا۔ مارگریٹ اپنی ایک سہیلی کا نام لے کر اور یہ ظاہر کر کے کہ اس سے ملاقات میں ذرا تاخیر ہو گئی کھانا کھانے بیٹھ گئی۔

آہا! صبح کا کیسا سہانا وقت ہے۔؟ قرطبہ کی مساجد میں مؤذن اذان دے رہے ہیں۔ کیسی پیاری صدا ہے اور کیسے پرسکون وقت میں اللہ کا نام بلند کیا جا رہا ہے اور کس انداز سے غافل اور بے خبر بندوں کو اللہ رب العزت کی یاد کیلئے بیدار کیا جا رہا ہے۔ سبحان اللہ! کیا دل نواز نغمہ ہے:

"اللہ بہت بڑا ہے، اللہ بہت بڑا ہے۔"

گرجاؤں میں بھی گھڑیال بجنا شروع ہوا۔ کیسی بے ہنگم اور بے معنی آواز ہے۔ بھلا کہاں اللہ اکبر اللہ اکبر کا دل سوز نغمہ اور کہاں ٹن ٹن، ٹن ٹن۔؟ سچ ہے ہر مذہب کا حال اس کی شرعی رسومات سے معلوم ہو جاتا ہے۔ نمازی مسجدوں سے باہر نکلنے شروع ہوئے، مزدوروں، تاجروں اور کاشتکاروں نے بازاروں، منڈیوں اور میدانوں کی راہ لی اور چڑیوں کا چہچہانا کسی قدر بند ہوا۔

مارگریٹ بستر سے اٹھ کر دار المطالعہ میں چلی گئی۔ اتنے میں مقدس پطرس اور میکائیل

بھی تشریف لے آئے۔ مارگریٹ ان کو دیکھ کر سروقد کھڑی ہوگئی اور اس بڑے کمرہ میں ان کے ساتھ چلی آئی۔ جو ملاقات کرنے والوں کیلئے مخصوص تھا۔

تھوڑی دیر میں مارگریٹ کے والد صاحب بھی اسی کمرے میں آ کر بیٹھ گئے اور مارگریٹ کی والدہ کو بھی بلالیا۔ مارگریٹ اس غیر متوقع اور عجیب اجتماع کو دیکھ کر سہم گئی اور اس کو شک ہوگیا کہ شاید ان حضرات کو میرے لئے مدعو کیا گیا ہے اور اسلام سے میرے تعلق کا حال ان پر منکشف ہوگیا ہے۔ اس وقت مارگریٹ کے چہرہ پر ایک رنگ آتا اور ایک جاتا ۔قلب کی کیفیت دگرگوں ہوگئی اور دماغ مختل ہوگیا، مگر اس نے ہوشیاری یہ کی کہ بہت ضبط سے کام لیا اور وہ فوراً پانی پینے کے بہانہ سے وہاں سے اٹھ کر دوسرے کمرے میں چلی گئی۔

اسقف اعظم نے مارگریٹ کی ماں، پطرس اور میکائیل کو مخاطب کر کے کہا:

"آپ کو معلوم ہے کہ لڑکی مارگریٹ کس حال میں ہے؟ اور وہ کس طرح میری ذلت اور رسوائی کے سامان کر رہی ہے؟ اسی چیز پر غور کرنے کیلئے میں نے آپ کو تکلیف دی ہے۔"

پطرس:

"ہیں! خیر تو ہے۔؟ کیا بات ہے۔؟"

اسقف اعظم:

"بس خیر ہی خیر ہے۔! کئی دنوں سے مارگریٹ کی نسبت سن رہا ہوں کہ وہ مسیحی مذہب کو چھوڑ کر خفیہ طریقہ سے مسلمان ہوگئی ہے۔"

مارگریٹ کی والدہ ویلس نے کہا:

"توبہ کرو! توبہ! آپ یہ کیا کہہ رہے ہیں۔؟ خداوند یسوع مسیح ایسا نہ کریں۔ بتاؤ تو اصل بات کیا ہے اور آج تم کو یہ غصہ کیوں ہے۔ خواہ مخواہ میری بیٹی کو مسلمان بنا دیا۔!"

اسقف اعظم:

"میں جو کہہ رہا ہوں بالکل سچ ہے۔ اگر اب نہیں تو چند روز میں معلوم ہو جائے گا۔!"

پطرس:

"مقدس باپ! آپ نے تو حیرت کی بات سنائی۔ مارگریٹ بڑی نیک لڑکی ہے۔ اس نے الٰہیات کے مسائل پڑھے ہیں۔ وہ کوئی جاہل لڑکی ہے جو اسلام جیسے کسی مذہب کو قبول کرے گی۔"

ویلس:

"اچھا! میں لڑکی کو بلاتی ہوں۔ پتہ نہیں آپ کو کس بات سے شبہ ہوگیا ہے۔"

یہ کہہ کر ویلس اس کمرہ کی طرف گئی جہاں مارگریٹ سہمی ہوئی ایک کرسی پر بیٹھی ہوئی تھی۔ ویلس نے فوراً مارگریٹ کا بازو پکڑ لیا اور کہا:

"بیٹی! ذرا اٹھو! دیکھو تمہارے والد بلاتے ہیں۔"

مارگریٹ جو تمام واقعہ کو سمجھ چکی تھی، اپنی ماں کے ساتھ اٹھ کر بڑے کمرے میں چلی آئی اور اس کو اسقف اعظم کے سامنے بٹھا دیا گیا۔

مارگریٹ کے والد نے میکائل کو اشارہ کیا کہ وہ اس سے گفتگو کرے۔ چنانچہ میکائیل نے مارگریٹ سے کہا:

"بیٹی! ہمیں پتہ چلا ہے کہ تم خفیہ طریقہ سے مسیحی مذہب سے برگشتہ ہوگئی ہو، کیا یہ سچ ہے۔؟ اگر تمہاری نسبت کسی نے یہ جھوٹی خبر اڑا دی ہے تو تم اس کی تردید کرسکتی ہو۔"

یہ استفسار سن کر مارگریٹ خاموش ہوگئی اور آنکھیں نیچی کر کے اپنے رخساروں پر آنسو گرانے لگی۔

ویلس:

"دیکھا! میں نہ کہتی تھی کہ میری بچی پر کسی نے یونہی الزام لگا دیا ہے۔ وہ بیچاری اس خبر کی کیا تردید کرے۔؟ اس کے آنسو بتا رہے ہیں کہ مسیحیت سے برگشتہ ہونے کا الزام سراسر غلط ہے۔"

اسقف اعظم:

"ذرا تم تو خاموش رہو! خود مارگریٹ کو جواب دینے دو۔ ہاں! مارگریٹ! بولو تمہاری نسبت یہ کیسی خبر ہے۔؟"

مارگریٹ بدستور سر جھکائے خاموش بیٹھی ہے۔ آخر میکائیل اور پطرس کے مجبور کرنے

پر اس نے اپنے لب خاموش کو حرکت دی اور یوں گویا ہوئی:

''میں نے اسلام قبول نہیں کیا اور نہ میں حقیقی دین سے برگشتہ ہوئی ہوں۔''

میکائیل:

''اب تک اگر اسلام قبول نہیں کیا تو کیا آئندہ قبول کرنے کا ارادہ ہے۔؟''

مارگریٹ:

''آئندہ کے متعلق آپ مجھ سے کیوں سوال کرتے ہیں۔؟ یہ سوال تو میں بھی آپ کی نسبت کر سکتی ہوں۔؟''

میکائیل:

''اچھا! بتاؤ! تم اسلام کو کیسا مذہب سمجھتی ہو۔؟''

مارگریٹ:

''میں اسلام کو اور لوگوں کی طرح برا بھلا نہیں کہتی، کیونکہ مسلمانوں کی کتاب میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعریف کی گئی ہے اور مسلمان حضرت مسیح کے نام کے ساتھ علیہ السلام ضرور کہتے ہیں جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مسلمان ہمارے عیسیٰ کی بہت عزت کرتے ہیں۔''

میکائیل:

''گویا تمہیں اسلام اور مسلمانوں سے محبت ہے۔؟''

مارگریٹ:

''اب اس کا نام خواہ محبت رکھ لو یا کچھ اور۔ بہر حال میں احسان فراموش نہیں ہوں۔ اگر مسلمان ہمارے عیسیٰ کی عزت کرتے ہیں تو میں بھی ان کے رسول اور ان کی کتاب کی عزت کرتی ہوں۔''

پطرس:

''بس معلوم ہو گیا کہ واقعی تم اندرونی طور پر مسلمان ہو گئی ہو۔ ورنہ! تم اسلام اور مسلمانوں کی اتنی تعریف نہ کرتیں۔ اچھا! یہ تو بتاؤ تم جس مذہب کو اب تک مانتی رہی ہو یعنی مسیحی مذہب اس کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے۔؟''

مارگریٹ:

''میرا انجیل شریف اور تمام آسمانی کتابوں پر ایمان ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر میرا ایمان ہے، البتہ میں بعض ان غلطیوں کو نہیں مانتی جو بعد میں مسیحی مذہب کے اندر پیدا ہو گئی ہیں۔''

اسقف اعظم نے میکائیل، پطرس اور مارگریٹ کی والدہ سے مخاطب ہو کر کہا:

''اب تو تم کو معلوم ہو گیا کہ لڑکی کے خیالات کیسے ہیں۔؟ بس گفتگو بند کرو اور لڑکی کا کچھ علاج سوچو، تا کہ میری پیشانی پر کوئی داغ نہ لگے۔''

پطرس:

''مقدس باپ! میرا خیال ہے کہ لڑکی کو کچھ غلط فہمی ہو گئی ہے۔ اگر ہم اس کو سمجھائیں گے تو اس کی ضرور اصلاح ہو جائے گی۔ آپ ہم کو موقعہ دیجئے کہ ہم اس کی غلط فہمیوں کو دور کر دیں۔ لڑکی ایسی نہیں کہ وہ مسلمان ہو جائے۔ آخر اس نے الٰہیات کے اسباق پڑھے ہیں۔''

اسقف اعظم:

''بہت اچھا! آپ کوشش کر کے اس کو سمجھائیے! ورنہ میں اس کا کوئی اور علاج سوچوں گا۔!''

گفتگو یہاں تک ہونے پائی تھی کہ مجلس برخاست ہو گئی اور اسقف اعظم اپنے ہمراہ میکائیل اور پطرس کو لے کر باہر بڑے چرچ کی طرف چل دیئے، کیونکہ آج تمام اندلس کے عیسائی زائرین کا ہجوم ہے اور وہ اولیاء کے تبرکات اور اسقف اعظم کی زیارت کے لئے دور دور سے آئے ہوئے ہیں۔ اسی تقریب میں شامل ہونے اور ہزاروں عیسائیوں کو برکت دینے کیلئے اسقف اعظم صاحب تشریف لے گئے ہیں۔

ان پادریوں کے چلے جانے کے بعد مارگریٹ اپنے مکان کے ایک کمرہ میں خاموش بیٹھی ہوئی اپنے مستقبل کی فکر کر رہی ہے اور اس کو یقین ہو گیا ہے کہ ضرور مجھ کو مبتلائے آلام کیا جائے گا اور سخت آزمائشوں سے مجھ کو گزرنا پڑے گا۔ تاہم وہ اپنے قلب کو مطمئن پاتی ہے اور وہ ہر مصیبت کو برداشت کرنے کیلئے تیار ہو گئی ہے۔ مارگریٹ کی والدہ کو اس گفتگو

کے بعد بھی یقین نہیں آیا کہ مارگریٹ پر اسلام قبول کرنے کا الزام صحیح ہے۔ وہ اب تک یہی سمجھ رہی ہے کہ لڑکی کے والد کو غلط فہمی ہوگئی ہے۔ اتنے میں مارگریٹ نے ایک کاغذ اٹھایا اور جلدی سے ایک خط لکھا۔ یہ خط اس کی سہیلی میرانور کے نام تھا، جس کا مضمون حسب ذیل ہے:

"میری بہن! کل شب کو میں اپنے پیشوا زیاد بن عمر کی مجلس میں شریک ہوئی، جہاں میرے روحانی باپ زین العابدین اور دیگر علماء بھی شریک تھے۔ بہن! وہاں کا میں کیا حال بیان کروں۔؟ عجیب نورانی اور روحانی مجلس تھی۔ اس میں شریک ہوکر میرے ایمان کو بڑی تقویت حاصل ہوئی۔ کاش! تم بھی وہاں موجود ہوتیں، مگر میں اپنے روحانی پیشوا سے وعدہ کر آئی ہوں کہ کل یا پرسوں تم کو بھی اس مجلس میں شرکت کی غرض سے ضرور لاؤں گی۔ آج ایک عجیب واقعہ گزرا۔ معلوم ہوتا ہے کہ میری آزمائش کی جائے گی۔ دعا کرنا کہ اللہ تعالیٰ مجھ کو سچائی پر قائم رکھے۔ واقعہ یہ ہوا کہ والد صاحب کو خبر لگ گئی کہ میں مسلمان ہوگئی ہوں۔ اس لئے انہوں نے تمہارے والد میکائیل اور پطرس کو مکان پر بلایا اور مجھ سے مختلف سوالات کئے۔ اب دیکھو! ادھر تو والد صاحب اور ادھر میکائیل اور پطرس کیسی مشکل میں پھنس گئی تھی۔ مگر میں نے بھی انکو خوب جواب دیئے۔ اب پطرس والد صاحب سے وعدہ کر گئے ہیں کہ اس لڑکی کو ہم سمجھالیں گے، اگر کوئی ایسا موقعہ پیش آئے تو تم تینوں سہیلوں کے ساتھ ضرور شرکت کرنا۔ باقی حالات زبانی عرض کروں گی۔"

تمہاری سہیلی: مارگریٹ

خط لکھ کر مارگریٹ نے خادمہ کو بلایا اور کہا:

"ذرا میرانو کے پاس جا کر ان سے ایک کتاب لے آؤ اور لو یہ خط کئی روز سے میرے پاس پڑا ہے۔ ذرا یہ بھی میرانو کو دیتی آنا۔"

خادمہ خط لے کر میکائیل کے مکان کی طرف چل دی اور مکان پر پہنچ کر خط میرانو کے ہاتھ میں دے دیا۔ اس نے خط کو فوراً پڑھا اور خادمہ سے کہہ دیا:

"میں شام کو خود ہی کتاب لے کر آؤں گی۔!!"

شام کو مارگریٹ، میرانو اور دیگر تین سہیلیوں کا قرطبہ کے اسی باغ میں اجتماع ہوا، جہاں پہلے پہل مارگریٹ نے زین العابدین کی گفتگو سنی تھی۔ یہاں مارگریٹ نے سہیلیوں سے تمام واقعات بیان کئے اور ان سے مشورہ لیا۔ نیز یہ بھی طے پایا کہ کل شام کو کسی وقت زیاد بن عمر کی مجلس میں ہم سب کو شریک ہونا چاہیے اور ان کو بھی آج کے تمام واقعات سے مطلع کر دینا چاہیے۔ باغ کی سیر وتفریح اور نجی گفتگو کے بعد مارگریٹ اور تمام لڑکیاں اپنے اپنے گھروں کو روانہ ہوگئیں۔

☆☆☆

دوسرے روز صبح کو مارگریٹ کے پاس میکائیل کی ایک خادمہ آئی اور اس نے آ کر ایک پرچہ دیا۔ پرچہ میں تحریر تھا:

''بیٹی مارگریٹ! مجھے تم سے کچھ بات کرنی ہے۔تم اسی وقت تمام کاموں کو چھوڑ کر میرے مکان پر آ جاؤ۔ میں منتظر ہوں۔''

مارگریٹ سمجھ گئی کہ یہ کل کی اسکیم کی تعمیل ہے۔ وہ اپنی والدہ کو مطلع کر کے فوراً روانہ ہو گئی۔ میکائیل کے مکان پر پطرس اور ایک اور مشہور راہب بھی تشریف فرما تھے۔ جنہوں نے راہبانہ زندگی کی بدولت تمام ملک اندلس میں مقبولیت اور مرجعیت حاصل کر لی تھی۔ ادھر میکائیل کی لڑکی میرانو نے اپنی سہیلیوں کو بلانے کیلئے کسی کو دوڑایا اور بہت ہی جلد سہیلیاں بھی پہنچ گئیں۔ آخر میکائیل نے مارگریٹ سے یوں خطاب کیا:

''کل تم نے ہمارے سوالوں کا جواب گول مول دے کر معاملہ کو ٹال دیا۔ میں آج تم سے صاف صاف گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔ بولو! تم صحیح صحیح جواب دو گی۔!!''

مارگریٹ:

''اول تو میں آپ کے سامنے جواب دینے کے قابل نہیں۔ دوسرا کوئی ایسی بات بھی نہیں کہ سوال و جواب کا سلسلہ قائم کیا جائے۔ تاہم آپ سوال کریں میں اپنی سمجھ کے مطابق جواب دینے کی کوشش کروں گی۔!!!''

میکائیل:

''کیا تم مسلمان ہو گئی ہو۔؟''

مارگریٹ:

''میں اس کا جواب کل دے چکی ہوں۔ اس سے زیادہ کچھ کہنا نہیں چاہتی۔''

میکائیل:

''اچھا تم یہ بتاؤ کہ تثلیث مقدس پر تمہارا ایمان ہے اور تم خداوند یسوع مسیح کو اللہ واجب الوجود مانتی ہو۔؟''

مارگریٹ:

''میں خدا کو خدا تسلیم کرتی ہوں، مگر انسان کو خدا نہیں مانتی۔''

میکائیل:

''معلوم ہوا کہ تم خداوند یسوع کی الوہیت کو تسلیم نہیں کرتی۔ بس اب تمہارے مسلمان ہونے میں کیا شک باقی رہ گیا۔؟''

مارگریٹ:

''میرا مطلب یہ ہے کہ انجیل شریف سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی خدائی ثابت نہیں ہوتی۔؟''

میکائیل:

''خدا کے لئے تم انجیل مقدس پر تو بہتان نہ باندھو۔ کیا انجیل مقدس میں تم نے نہیں پڑھا کہ وہ خدا کے بیٹے ہیں۔؟''

مارگریٹ:

''خدا کے بیٹے تو اور بھی گزرے ہیں۔ اس لئے ان کو بھی خدا ماننا چاہیے۔؟''

میکائیل:

''ہرگز نہیں! سوائے خداوند یسوع مسیح کے کوئی انسان حقیقی معنوں میں خدا کا بیٹا نہیں کہلایا۔''

مارگریٹ نے انجیل ہاتھ میں لے کر کہا:

''اچھا! آپ مجھے اس آیت کا مطلب سمجھا دیجئے۔ آیت یہ ہے:

''یہودیوں نے مسیح کو سنگسار کرنے کیلئے پھر پتھر اٹھائے۔ یسوع نے انہیں جواب دیا کہ میں نے تم کو باپ کی طرف سے بہتیرے اچھے کام دکھائے ہیں۔ ان میں سے کس کام کے سبب مجھے سنگسار کرتے ہو۔ یہودیوں نے اسے جواب دیا کہ اچھے کام کے

سبب نہیں، بلکہ کفر کے سبب تجھے سنگسار کرتے ہیں اور اس لئے کہ تو آدمی ہو کر اپنے آپ کو خدا مانتا ہے۔ یسوع نے انہیں جواب دیا کہ کیا تمہاری شریعت میں یہ نہیں لکھا ہے کہ میں نے کہا کہ تم خدا ہو۔ جب کہ اس نے انہیں خدا کہا۔ جن کے پاس خدا کا کلام آیا تو تم اس شخص سے جسے باپ نے مقدس کر کے دنیا میں بھیجا کہتے ہو کہ تو کفر بکتا ہے۔ اس لئے میں نے کہا میں خدا کا بیٹا ہوں۔"

جس طرح پہلے انبیاء کو تورات وغیرہ کتابوں میں خدا کہا گیا ہے۔ اسی طرح مجھے بھی خدا کا بیٹا کہا گیا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ پہلے انبیاء کو خدا کن معنی میں کہا گیا ہے؟ عیسائی بھی مانتے ہیں کہ پہلے لوگوں کو مجازاً اور محبت کے طور پر خدا کہا گیا ہے۔ میں کہتی ہوں کہ اسی مفہوم کے ساتھ محبت کے طور پر حضرت مسیح کو بھی خدا کا بیٹا کہا گیا ہے۔ نہ یہ کہ واقعی مسیح خدا تھے جیسا کہ عیسائیوں کا عقیدہ ہے۔"

میکائیل:

"کم بخت لڑکی! تو بہت بڑی مناظر ہو گئی ہے۔؟ ہم سے بڑھ کر ہمیں سے ان آیات کا مطلب دریافت کرتی ہے۔؟ گویا ہم جاہل ہیں اور تو عالم۔ مگر دیکھو! پہلے انبیاء حقیقی معنی میں خدا نہیں ہو سکتے کہ وہ معصوم نہیں تھے اور چونکہ خداوند مسیح بے گناہ اور معصوم تھے، اس لئے وہ خدا بھی تھے۔"

مارگریٹ:

"گناہگاری اور بے گناہی پر تو کوئی گفتگو نہیں۔ سوال تو یہ ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے اپنے آپ کو خدا کا بیٹا اسی طرح کہا جس طرح دیگر انبیاء کو خدا کہا گیا۔ اگر حضرت مسیح علیہ السلام حقیقی معنی میں خدا تھے تو دیگر انبیاء کو بھی خدا ماننا پڑے گا۔ دوسرے ان آیات میں حضرت مسیح یہودیوں کے الزامات کا جواب دے رہے ہیں۔ اگر واقعی وہ خدا کے بیٹے ہوتے تو یہودیوں کے الزام کو تسلیم کر لیتے۔"

میکائیل:

"آہا! کیا کہنے ہیں۔؟ بڑی عالمہ ہو۔؟ اب ہمارے بھی کان کترنے لگیں۔؟ معلوم ہو گیا کہ تم اب خوب پختہ ہو گئی ہو۔ اگر خداوند خدا نہ تھے، بلکہ محض انسان تھے تو وہ ہمارے گناہوں کا کفارہ کیسے ہو گئے۔؟ کیا انسان، انسان کے لئے کفارہ ہو سکتا ہے؟

اور کیا انسان گناہوں سے معصوم ہے۔؟"

مارگریٹ:

"میں تو نہیں سمجھ سکتی کہ آپ نے یہ قاعدہ کہاں سے گھڑ لیا کہ انسانوں میں سے کوئی انسان بھی معصوم نہیں ہو سکتا، حالانکہ خود انجیل میں ایک شخص ملک صدق شالیم کی بابت لکھا ہے:

"یہ بے باپ بے ماں بے نسب نامہ ہے۔ نہ اس کی عمر کا شروع، نہ زندگی کا آخر، بلکہ خدا کے بیٹے کے مشابہ ٹھہرا۔"

پھر انجیل شریف میں حضرت زکریا اور ان کی بیوی کی نسبت لکھا ہے کہ وہ دونوں خدا کے حضور راستباز اور خدا کے سارے حکموں اور قانون پر بے عیب چلنے والے تھے۔"

معلوم ہوا کہ ملک صدق شالیم، زکریا اور ان کی بیوی یقیناً معصوم اور بے گناہ تھے۔ ورنہ خدا کے بیٹے کے مشابہ اور بے عیب وغیرہ الفاظ بے معنی ہو جائیں گے۔ پس بے گناہی میں حضرت مسیح کی کوئی خصوصیت نہیں، بلکہ اور معصوموں کی طرح آپ بھی معصوم تھے۔

رہا کفارہ کا معاملہ سو یہ بھی انجیل سے ثابت نہیں۔ کیوں کہ کوئی انسان کسی انسان کے گناہ برداشت نہیں کر سکتا۔ چہ جائیکہ خدا خود انسانوں کے گناہوں کو سر پر لاد کر سولی پر مر جائے۔ انجیل میں تو حضرت مسیح نے فرمایا کہ نجات اعمال سے ہو گی، نہ کفارہ سے۔ چنانچہ لکھا ہے:

"ابن آدم اپنے باپ کے جلال میں اپنے فرشتوں کے ساتھ آئے گا۔ اس وقت ہر ایک کو اس کے کاموں کے مطابق بدلہ دے گا۔"

ایک شخص نے آ کر کہا کہ اے استاد! میں کون سی نیکی کروں تا کہ ہمیشہ کی زندگی پاؤں۔؟ مسیح نے کہا: اگر تو زندگی میں داخل ہونا چاہتا ہے تو حکموں پر عمل کر۔ اس نے کہا: کون سے حکموں پر؟ یسوع نے کہا: یہ کہ خون نہ کر، زنا نہ کر، چوری نہ کر وغیرہ۔"

ان آیات سے ثابت ہوا کہ نجات اعمال سے ہی ہے۔ حضرت مسیح نے سائل کے جواب میں یہ نہیں کہا کہ تو کچھ بھی عمل نہ کر، کیونکہ میں تیرے گناہوں کا کفارہ ہو جاؤں گا۔"

میکائیل:

''لڑکی! تو ہم کو پڑھانے آئی ہے؟ کیا تجھے ہم پر اعتبار نہیں؟ دیکھ ہم تیرے استاد ہیں۔ ہم جو کچھ بتائیں اس کو تسلیم کر۔! تو اپنی عقل سے انجیل شریف کے باریک مضامین کو نہیں سمجھ سکتی۔ کفارہ کا مسئلہ تو بعد کی چیز ہے۔ پہلے خداوند یسوع مسیح کی خدائی اور الوہیت کا مسئلہ حل ہونا چاہیے۔ دیکھو! حضرت مسیح زندہ آسمان پر اٹھائے گئے جس کو مسلمان بھی مانتے ہیں۔ کیا یہ خدائی کی دلیل نہیں ہے۔؟ خداوند یسوع نے بڑے بڑے معجزات دکھائے، مردوں کو زندہ کیا اور اندھوں کو بینائی بخشی۔ کیا ان سے خداوند کی الوہیت ثابت نہیں ہوتی؟ پس پہلے خداوند کی خدائی پر ایمان لاؤ یا انکار کرو اور بعد میں کسی اور بات پر گفتگو کرو۔''

مارگریٹ:

''کفارہ کا مسئلہ چونکہ آپ ہی نے چھیڑا تھا۔ اس لئے میں نے بھی اس پر گفتگو شروع کر دی۔ اگر حضرت مسیح آسمان پر زندہ اٹھائے جانے سے خدا ہو سکتے ہیں تو ایلیا بھی خدا ہونے چاہئیں، کیونکہ وہ بھی بائبل کے بموجب زندہ آسمان پر اٹھائے گئے تھے۔'' رہا حضرت مسیح علیہ السلام کا مردوں کو زندہ کرنا اور اندھوں کو بینائی بخشنا، سو ان سے بھی ان کی خدائی ثابت نہیں ہوتی، کیونکہ دیگر انبیاء نے بھی یہی معجزات دکھائے جن کا ذکر صراحت کے ساتھ بائبل میں مذکور ہے۔ اگر یہ معجزات کسی کو خدا بنا دیتے ہیں تو وہ انبیاء بھی خدا ٹھہرے۔''

پطرس:

''دیکھو تو! یہ لڑکی کس قدر دھوکہ دے رہی ہے۔ اری نادان لڑکی! دیگر انبیاء نے جو معجزات دکھائے وہ اپنے اختیار سے نہیں، بلکہ خدا کے اختیار اور حکم سے دکھائے، لیکن خداوند مسیح نے اپنے اختیار سے معجزات دکھائے جس سے ثابت ہوا کہ وہ خدا تھے۔''

مارگریٹ:

''اول تو معجزات دلیل نبوت بھی نہیں ہیں، چہ جائیکہ وہ دلیل الوہیت ہوں، یعنی مسیحی مذہب کی رو سے یہ ضروری نہیں ہے کہ جو شخص معجزات دکھائے وہ نبی بھی ہو۔ جب نبی بھی نہیں ہو سکتا تو خدا کس طرح ہو سکتا ہے۔؟ دیکھو! حضرت مسیح علیہ السلام نے

فرمایا: میں تم سے سچ سچ کہتا ہوں کہ جو مجھ پر ایمان رکھتا ہے، یہ کام جو میں کرتا ہوں، وہ بھی کرے گا، بلکہ اس سے بڑے بھی کام کرے گا۔''

رہا آپ کا یہ فرمانا کہ حضرت مسیح کے معجزات اختیاری تھے اور دیگر انبیاء کے اضطراری یعنی نبیوں نے خدا کے حکم سے معجزہ نمائی کی۔ مگر مسیح نے اپنے اختیار سے بڑے بڑے کام کئے، سو یہ بھی غلط ہے، کیونکہ انجیل شریف سے ثابت ہے کہ صرف معجزہ نمائی ہی میں نہیں، بلکہ ہر کام میں حضرت مسیح ایسے ہی مجبور تھے جیسے اور انبیاء۔ حضرت مسیح جب کوئی معجزہ دکھاتے تو پہلے خدا سے مدد طلب کرتے۔ چنانچہ آپ نے روٹی اور مچھلی کا جو معجزہ دکھایا اس میں آپ نے خدا سے مدد طلب کی۔ ایک دوسری جگہ حواریوں سے فرمایا کہ روحوں کا نکالنا دعا پر موقوف ہے۔ مسیح نے ایک مردہ کو خدا سے دعا کر کے زندہ کیا۔''

''معجزات کے صدور میں حضرت مسیح علیہ السلام کا کوئی اختیار نہ تھا، جس کا ثبوت انجیلوں سے پیش کر دیا گیا۔ اب میں کہتی ہوں کہ حضرت مسیح علیہ السلام ہر کام اور ہر معاملہ میں دیگر انسانوں کی طرح مجبور محض تھے، اگر وہ خدا ہوتے تو یہ مجبوری ان کو لاحق نہ ہوتی اور قادر مطلق اور مدبر خدا کی طرح وہ بھی ہر کام کرنے میں آزاد ہوتے اور دوسرے سے مدد مانگنے کی ان کو ضرورت پیش نہ آتی۔ حضرت مسیح فرماتے ہیں:

''جس طرح باپ اپنے آپ میں زندگی رکھتا ہے اسی طرح اس نے بیٹے کو بھی یہ بخشا کہ اپنے آپ میں زندگی رکھے، بلکہ اسے (بیٹے کو) عدالت کرنے کا بھی اختیار بخشا۔ اس لئے کہ وہ آدم زاد ہے۔''

حضرت مسیح کی زندگی بھی خود ان کی نہ تھی، بلکہ خدا کی بخشی ہوئی تھی اور ان کو خدا ہی نے عدالت کرنے کا اختیار بخشا تھا۔ بغیر خدا کی بخشش کے وہ عدالت بھی نہیں کر سکتے تھے۔ دلیل یہ دی کہ مسیح آدم زاد ہیں اور ظاہر ہے کہ بغیر خدا کی مدد کے آدم زاد کچھ بھی نہیں کر سکتا۔

حضرت مسیح دوسری جگہ فرماتے ہیں:

''میں اپنے آپ سے کچھ نہیں کر سکتا۔ جیسا سنتا ہوں عدالت کرتا ہوں اور میری عدالت راست ہے۔''

نیز فرمایا:

"میں آسمان سے اترا ہوں نہ اس لئے کہ اپنی مرضی کے موافق عمل کروں، بلکہ اس لئے کہ اپنے بھیجنے والے کی مرضی کے مطابق عمل کروں۔"

پس ثابت ہوا کہ حضرت مسیح دیگر انسانوں کی طرح مجبور محض تھے اور جو دوسرے کا محتاج اور مجبور ہو وہ خدا نہیں ہوسکتا، لہٰذا مسیح بھی خدا نہیں ہوسکتے۔

پطرس پادری نے میکائیل سے کہا:

"آپ دیکھ رہے ہیں کہ یہ لڑکی کس قدر پختہ ہوگئی ہے اور مسلمانوں نے سمجھا بجھا کر اس کو کیسا چرب زبان بنا دیا ہے؟ اب کیا آپ کو یقین ہے کہ یہ راہِ راست پر آجائے گی۔؟ میرے خیال میں تو اس سے گفتگو فضول ہے، کیونکہ اب یہ عقیدت مند نہیں رہی، بلکہ سخت گستاخ بن گئی ہے۔"

میکائیل:

"اب مجھے بھی یقین ہوگیا ہے کہ اس لڑکی پر شیطان نے پورا قبضہ جما لیا ہے۔"

میکائیل نے مارگریٹ سے کہا:

"جتنی دلیلیں تم نے بگاڑی ہیں ان کے جواب تو بالکل صاف ہیں اور تم نے الٰہیات کے اسباق میں پڑھا بھی ہے۔ باقی اور جواب بھی ہیں جن کو تم بالکل نہیں سمجھ سکتیں لیکن اب جواب دینے کے بجائے ہم تمہارے جملہ خیالات سنیں گے، تاکہ ہم کو تمہارے متعلق فیصلہ کرنے میں آسانی ہو۔ تم نے نہایت صفائی سے مسیح کی الوہیت اور کفارہ کے متعلق اپنا خیال ظاہر کیا۔ اب آگے بیان کرو۔!"

مارگریٹ:

'میں نے نہ تو انجیل شریف سے انکار کیا اور حضرت مسیح علیہ السلام سے، بلکہ میں تو یہ کہتی ہوں کہ اصل انجیل کی تعلیم سے حضرت مسیح نہ تو خدا ثابت ہوتے ہیں اور نہ کفارہ کا مسئلہ ثابت ہوتا ہے۔ یہ سب عیسائیوں کی ایجاد ہے۔"

میکائیل:

"گویا دنیا کے تمام عیسائی جھوٹ بولتے ہیں اور جملہ عیسائیوں نے انجیل شریف کے خلاف اتفاق کر رکھا ہے۔ کم بخت اور جہنمی لڑکی! اگر تو کسی بات کو سمجھ نہیں سکتی تو

بزرگوں کے [illegible] کو تسلیم کر۔! کیا یہ تمہارے باپ جو اسقف اعظم ہیں اور جن کو گناہوں کے بخشنے [illegible] پورا اختیار بھی حاصل ہے وہ بھی ان باتوں کو غلط سمجھے ہوئے ہیں۔؟ کیا تمام بطر[illegible]سیں، رہبان، علماء دین اور دین الٰہی کی خدمت کرنے والے سب کے سب گمر[illegible]۔؟ کیا کوئی بھی ان مسائل میں تیرا ہمنوا ہے۔؟

مارگریٹ:

"جس طرح انجیل شریف [illegible] کی الوہیت اور کفارہ ثابت نہیں ہوتا۔ اسی طرح موجودہ نام نہاد عیسائیوں کا انجیل [illegible] عیسائی ہونا بھی ثابت نہیں ہوتا۔ اس لئے ان کے خیالات میرے لئے حجت نہیں [illegible]کتے۔"

میکائیل:

"واہ!! واہ!!! گویا ہم مصنوعی اور جھو[illegible]سائی ٹھہرے اور تو حقیقی اور سچی عیسائی! کم بخت! تیری عقل کو آخر کیا ہوگیا ہے؟ [illegible]رگوں سے بھی منحرف ہوگئی۔ آخر تیرے پاس کیا ثبوت ہے کہ موجودہ عیسائی سچے [illegible] نہیں ہیں۔؟"

مارگریٹ:

"خفا ہونے کی کوئی بات نہیں، معاملہ بالکل [illegible] ہے! اگر آپ نے موجود عیسائیوں کو انجیل شریف کی رو سے عیسائی ثابت کر [illegible] ان کے فیصلہ کو دل و جان سے تسلیم کرلوں گی اور ان کے قول کے سامنے [illegible] ہرگز کوئی استدلال نہیں کروں گی۔ بس آپ انجیل سے موجودہ عیسائیوں کا [illegible] ثابت کر دیجئے۔!"

میکائیل:

"اگر کوئی شخص آفتاب کے وجود سے انکار کر [illegible] کو کس طرح سمجھایا جا سکتا ہے۔؟ تمام دنیا میں عیسائی موجود ہیں اور تو کہتی [illegible] کی رو سے عیسائی نہیں ہیں۔ آخر اس کا ثبوت؟ ہم سب کے عیسائی ہونے [illegible] کیا یہ کم ہے کہ ہم انجیل شریف کو مانتے ہیں، خداوند مسیح کی الوہیت کے قائل ہیں، کفارہ اور مسیح کے خون پر ہمارا ایمان ہے۔؟"

مارگریٹ:

"انجیل کو کیا مسلمان نہیں مانتے۔؟ پھر کیا آپ ان کو عیسائی کہہ سکتے ہیں؟ رہا الوہیت

مسیح اور کفارہ پر ایمان لانا تو یہ عیسائی ہونے کی کوئی دلیل نہیں، بلکہ اس سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ ایسے لوگ ہرگز عیسائی نہیں ہیں، کیونکہ ان عقیدوں کا انجیل سے پتہ بھی نہیں چلتا۔''

پطرس:

''او نابکار لڑکی! تجھے کیا ہو گیا ہے۔؟ اور تو کیوں ہمارے عیسائی ہونے میں شک کر رہی ہے۔؟ کم بخت! اگر ہم عیسائی نہیں تو اصلی عیسائیوں کا ثبوت دینا تیرے ذمہ ہے۔ بتا اصلی اور حقیقی عیسائی دنیا میں کہاں بستے ہیں۔؟''

مارگریٹ:

''آپ جس قدر چاہیں غیظ و غضب کا اظہار فرمالیں، لیکن حق بات کو چھپایا نہیں جائے گا۔ اگر آپ مجھ سے ثبوت مانگتے ہیں کہ موجودہ عیسائی ہرگز مسیحی نہیں ہیں اور یہ کہ سچا مسیحی کون ہو سکتا ہے تو میں انجیل شریف سے ہی اس کا ثبوت دینے کیلئے تیار ہوں۔!''

میکائیل:

''ارے کم بخت! باتیں کیوں کرتی ہے۔ ثبوت کیوں پیش نہیں کر دیتی۔؟''

مارگریٹ:

''بہت اچھا! سنئے!!! سچے عیسائیوں کی نشانیاں یا علامات انجیل شریف میں اس طرح آئی ہیں:

''اور ایمان لانے والوں کے درمیان یہ معجزے ہوں گے وہ میرے نام سے بدروحوں کو نکالیں گے، نئی نئی زبانیں بولیں گے، سانپوں کو اٹھالیں گے اور اگر کوئی ہلاک کرنے والی چیز پئیں گے تو انہیں کچھ ضرر نہ پہنچے گا، وہ بیماروں پر ہاتھ رکھیں گے تو اچھے ہو جائیں گے۔''

دوسری جگہ ایمان دار مسیحی کی نشانی یہ بتائی:

''شاگردوں نے یسوع کے پاس الگ آکر کہا کہ ہم اس (بدروح) کو کیوں نہ نکال سکے۔؟ اس نے ان سے کہا: اپنے ایمان کی کمی کے سبب، کیونکہ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ اگر تم میں رائی کے دانہ کے برابر بھی ایمان ہوگا تو اس پہاڑ سے کہہ سکو گے کہ

یہاں سے سرک کر، ہاں چلا جا اور وہ چلا جائے گا اور کوئی بات تمہارے لئے ناممکن نہ ہو گی۔''

اگر کسی عیسائی میں رائی کے دانہ کے برابر بھی ایمان ہوگا تو وہ پہاڑ کو اپنی جگہ سے ہٹا سکے گا۔ انجیل شریف کے ان دو مقاموں سے سچے عیسائیوں کی نشانیاں مندرجہ ذیل ثابت ہوئیں:

بدروحوں کا نکالنا، نئی نئی زبانیں بغیر سیکھے بولنا، زہریلے سانپوں کو اٹھا لینا، زہر کا پیالہ پی لینا اور ضرر سے محفوظ رہنا، بیماروں پر ہاتھ رکھ کر صحت یاب کر دینا اور پہاڑوں کو اپنی جگہ سے ہٹا دینا۔

پس جو عیسائیت کا دعویدار ہے اس کو چاہیے کہ پہلے وہ ان علامات کو اپنے اندر ثابت کرے۔ اچھا! آپ بھی تو مسیحی ہیں۔؟ ان چھ باتوں کو چھوڑیئے اور کسی بیمار پر ہاتھ رکھ کر اس کو شفا دے دیجئے۔! آپ کسی پہاڑ کو تو اپنی جگہ سے کیا ہٹائیں گے۔ لیجئے! پتھر پڑا ہوا ہے آپ اس کو دس بیس ہاتھ ہی پرے ہٹا دیجئے، تاکہ انجیل کی رو سے آپ کا سچا مسیحی ہونا ثابت ہو جائے۔''

میکائیل:

''بے شک انجیل میں یہ سب کچھ موجود ہے، مگر یہ کہاں لکھا ہے کہ جو مسیحی یہ معجزات نہ دکھائے تو وہ مسیحی نہیں ہے؟ دوسرے یہ تمام علامات صرف حواریوں کے ساتھ مخصوص ہیں، نہ کہ عام عیسائیوں کیلئے بھی۔!!!''

مارگریٹ:

''یہ دونوں باتیں بالکل غلط ہیں۔ انجیل میں تو صاف لکھا ہے کہ جس عیسائی کے دل میں رائی کے دانہ کے برابر بھی ایمان ہوگا تو اس کے کہنے سے پہاڑ اپنی جگہ سے سرک جائے گا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ جس عیسائی کے دل میں رائی کے دانہ کے برابر بھی ایمان نہیں ہے وہ پہاڑ کو اپنی جگہ سے نہیں ہٹا سکتا۔ دوسری یہ بات کہ ان تمام نشانیوں کا تعلق صرف حواریوں سے ہے عام عیسائیوں سے نہیں یہ بھی غلط ہے، کیونکہ انجیل میں یہ صاف لکھا ہے کہ اور ایمانداروں کے درمیان یہ معجزات ہوں گے۔ اگر یہ نشانیاں صرف حواریوں سے مخصوص ہیں تو ''ایمانداری'' بھی انہیں کیساتھ مخصوص ہے۔ اس

سے بھی ثابت ہوا کہ حواریوں کے بعد کوئی بھی سچا مسیحی پیدا نہیں ہوا۔"

پطرس:

"میں تب ہی تو کہتا ہوں کہ انجیل کے اسرار اور بھیدوں کو نہیں سمجھ سکتی۔ اری بے وقوف! ان معجزات سے مراد روحانی امور ہیں، یعنی بیماریوں سے مراد روحانی بیماریاں، زہر سے مراد کفر جس کا مطلب یہ ہے کہ عیسائیوں پر کفر کا حملہ بھی ہو تو وہ ایمان سے منحرف نہیں ہوں گے۔"

مارگریٹ:

"ذرا سوچ کر جواب دیجئے! آپ مجھے تو بے وقوف بنا رہے ہیں، مگر کہیں آپ اس کے مصداق ثابت نہ ہو جائیں۔ دیکھئے! حضرت مسیح فرماتے ہیں:

"جو مجھ پر ایمان رکھتا ہے یہ کام جو میں کرتا ہوں وہ بھی کرے گا، بلکہ اس سے بڑے کام کرے گا۔"

اگر معجزات سے مراد روحانی امور لئے جائیں تو ماننا پڑے گا کہ حضرت مسیح نے نہ تو کسی مردہ کو زندہ کیا، نہ اندھوں کو بینائی بخشی، نہ بدروحوں کو نکالا اور نہ کوڑھیوں کو اچھا کیا، بلکہ آپ نے روحانی مردوں، دل کے اندھوں اور ناپاک روحوں کو اچھا کیا یعنی ان میں ایمان کی روشنی پیدا کر دی، لیکن آپ حضرت مسیح کی نسبت یہ تاویل ہرگز پسند نہیں کرتے تو دوسروں کے لئے یہ نیا قاعدہ کیوں گھڑا جاتا ہے؟ کیونکہ مسیح نے فرمایا: جو کام میں کرتا ہوں۔ پس مسیح نے جو کام بھی کئے اور جس نوعیت سے کئے ویسے ہی کام ایمانداروں کو کرنے چاہئیں، ورنہ وہ ایماندار نہیں رہتے۔"

پطرس:

"اس کافرہ لڑکی کو سمجھانا بہت مشکل ہے! اس کا علاج افہام و تفہیم نہیں، بلکہ وہی سزا ہے جو انکویزیشن (محکمہ احتساب جس کے فیصلہ کے بعد مجرم کو شکنجوں میں کسا جاتا تھا) تجویز کرے گا۔"

پطرس نے میکائیل سے کہا:

"آپ اس لڑکی کو گھر سے نکال دیجئے اور مقدس باپ سے کہہ دیجئے کہ اب اس کا مرض لاعلاج ہو چکا ہے۔ اس کی کوئی اور ہی تدبیر کرنی چاہیے۔!!!"

یہ کہہ کر میکائیل اور پطرس اٹھ کھڑے ہوئے اور دوسرے کمرہ میں جا کر کچھ مشورہ کرنے لگے۔ میکائیل کی لڑکی میرانو نے مارگریٹ سے کہا:

"اب تم فوراً! چلی جاؤ۔ تمہارے یہاں رہنے سے معلوم نہیں کیا آفت آئے۔"

یہ طے ہو گیا کہ مارگریٹ اور تمام سہیلیاں قرطبہ کے مشہور باغ میں شام کے وقت جمع ہوں اور مستقبل کے متعلق کچھ سوچیں۔ شام کی ملاقات کا وعدہ کر کے مارگریٹ میکائیل کے مکان سے باہر نکل آئی اور گھر کی طرف چل دی۔ کہنے کو تو وہ گھر جا رہی تھی، مگر اس کا قدم آگے کی بجائے پیچھے پڑتا تھا اور وہ سوچ رہی تھی کہ دیکھئے گھر پر کیا آفت آئے، کیونکہ یہاں گفتگو کی مکمل رپوٹ والد صاحب کو آج پہنچ جائے گی، جس کے بعد خبر نہیں وہ میرے ساتھ کیا سلوک کریں گے۔ بہر حال وہ جوں توں کر کے گھر پہنچی اور والدہ کے اصرار پر کھانا بھی کھایا۔ افکار کے ہجوم میں وہ اپنے مستقبل کے متعلق کوئی فیصلہ نہ کر سکی اور شام کا انتظار کرنے کیلئے اپنے مخصوص کمرہ میں بیٹھ گئی۔ بیٹھے بیٹھے اس کا دل بھر آیا اور زار و قطار رونے لگی اور اپنے کتب خانہ پر نظر ڈالتی، اپنے اسباب کو غور سے دیکھتی، گھر کے گوشہ گوشہ پر حسرت بھری نگاہیں جماتی اور سوچتی کہ دیکھئے پھر اس میں آباد ہونا نصیب ہوگا یا نہیں۔ غرض وہ اپنے کمرے میں چشم دریا بار سے اپنے گناہوں کا کفارہ دے رہی ہے۔ آخر خوب رو لینے کے بعد اس کے قلب پر استقامت کا نور چمکتا ہے اور وہ ہوشیار ہو کر بیٹھ جاتی ہے اور آیت ذیل کی تلاوت کرنے لگتی ہے:

رب ادخلنی مدخل صدق واخرجنی مخرج صدق واجعلنی من لدنك سلطانا نصیرا"

☆☆☆

اللہ اللہ کر کے شام کا وقت آیا اور مارگریٹ مقررہ وقت سے پہلے ہی گھر سے نکل کر قرطبہ کے باغ کی طرف روانہ ہو گئی۔ راستہ میں میکائیل کی لڑکی میرانو بھی ساتھ ہو گئی اور باغ میں دو دیگر سہیلیاں بھی آ پہنچیں۔

میرانو:

"مارگریٹ! تمہارے چہرہ پر تو بڑی افسردگی چھا رہی ہے۔ بہن! ایک نہ ایک روز تو تم کو اپنے اعزہ سے جدا ہونا ہی پڑے گا۔"

مارگریٹ:

"جب میں تم سے رخصت ہو کر گھر پہنچی تو میری حالت غیر ہو گئی تھی۔ خیر یہ ہوا کہ والدہ بعض مشغولیتوں کی وجہ سے میرے پاس نہ آ سکیں، ورنہ! خبر نہیں کیا افتاد پیش آتی۔ میں تمام مصیبتوں کو برداشت کرنے کیلئے تیار ہوں۔!!!"

میرانو:

"بھئی مارگریٹ! آج تو تم نے غضب ہی کر دیا۔ پادریوں کو تم نے بھی ایسے ایسے جواب دیئے کہ ان کے ہوش گم ہو گئے اور ان سے کوئی جواب نہیں بن پڑا اور پھر کمال یہ کہ جو کچھ ثابت کیا انجیل سے ثابت کیا۔"

دوسری سہیلی ہلینا نے کہا:

"تعجب تو اس پر ہے کہ لاجواب ہونے پر بھی وہ نہیں مانتے تھے۔"

میرانو:

"گو زبان سے اقرار نہ کریں، مگر دل تو اعتراف کرتے ہیں۔ تمہارے چلے جانے کے بعد میرے والد فرما رہے تھے کہ بھئی بات تو یہی ہے کہ انجیل شریف سے مسیح کی

خدائی تو ثابت نہیں ہوتی، مگر کیا کریں کلیسا کے فیصلہ کو ماننا پڑتا ہے۔"

مقدس پطرس بھی تمہارے دلائل کی قوت کے قائل تھے اور کہتے تھے کہ مارگریٹ کے دلائل بے جان نہیں تھے۔"

ہلینا:

"خیر آج کی گفتگو سے مزید ثابت ہو گیا کہ اسلام سچا اور پکا مذہب ہے اور عیسائیت میں سوائے گمراہی کے اور کچھ نہیں ہے۔"

میرانو:

"کیا تم اپنے ماں، باپ، خویش و اقرباء، عیش و آرام کو چھوڑنا پسند کرو گی۔؟ اگر تمہارے والد نے تم پر سختیاں کیں اور تم کو محکمہ احتساب کے سپرد کر دیا گیا تو کیا کرو گی۔؟"

مارگریٹ:

"میں نے تو اب اپنے دماغ سے ان تمام چیزوں کو نکال دیا ہے۔ جس خدا نے مجھ کو اسلام کی نعمت سے سرفراز کیا ہے وہی خدا میری نیکی کو ضائع نہیں فرمائے گا۔ قرآن حکیم کی اس آیت سے مجھے بڑی تسلی ہوتی ہے:

"جو شخص اللہ کا خوف رکھے گا تو خدا اس کیلئے نجات کا راستہ نکال دے گا اور اس کو اس طریقہ سے رزق پہنچائے گا جس کا اس کو گمان بھی نہیں ہوگا۔"

میرانو:

"اچھا! زیاد بن عمر کی مجلس میں کب چلو گی۔؟ ابھی یا کچھ تاخیر کے بعد۔؟"

مارگریٹ:

"وہاں ذرا سویرے ہی سے چلنا چاہیے تا کہ حضرت زیاد بن عمر کے فیض صحبت سے زیادہ سے زیادہ استفادہ کر سکیں اور جلد ہی گھر واپس لوٹ آئیں۔ دیکھئے کل کیا واقعہ پیش آتا ہے۔"

میرانو:

"کیا آج کی گفتگو کا حال حضرت زیاد بن عمر کو بھی سناؤ گی۔؟"

مارگریٹ:

"کیوں نہیں! اچھا! اب چلو، تاکہ وہاں عشاء کی نماز کے وقت تک پہنچ جائیں اور ایک گھنٹہ کے بعد ہم گھروں کو واپس لوٹ آئیں۔"

قرطبہ کے باغ سے نکل کر مارگریٹ اپنی سہیلیوں کے ہمراہ جامعہ قرطبہ کی طرف روانہ ہوگئی، کیونکہ زیاد بن عمر کا مکان جامع سے بالکل ملا ہوا تھا۔ راستہ میں مارگریٹ نے سہیلیوں سے اپنے اس ارادہ کا اظہار بھی کر دیا کہ گو میں دل سے مسلمان ہو چکی ہوں، مگر ابھی تک میں نے باضابطہ اسلام قبول نہیں کیا۔ اس لئے آج زیاد بن عمر کے دست حق پرست پر میں اسلام قبول کرلوں گی، تاکہ اللہ تعالیٰ کی جناب سے زیادہ ہمت، استقلال کی نعمت عطا ہو اور اللہ کی نصرت کو میں پورے ایمان سے جذب کرسکوں۔ سب سہیلیوں نے اس ارادہ پر مبارک باد دی اور خوشی کا اظہار کیا۔

آدھ گھنٹہ کے بعد یہ تمام لڑکیاں زین العابدین کے گھر میں داخل ہوگئیں۔ زین العابدین کا مکان بھی حضرت زیاد بن عمر کے مکان کے قریب واقع تھا۔ ان کے پہنچنے کی اطلاع حضرت زیاد بن عمر کو بھی زین العابدین کی وساطت سے مل گئی۔ چنانچہ نماز عشاء سے فارغ ہونے کے بعد علماء، مشائخ، محدثین، شعراء اور اہل تصنیف و تالیف اور ارباب فضل و کمال کا اجتماع ہوا۔ معمولی گفتگو کے بعد زین العابدین نے حضرت زیاد سے لڑکیوں کو باریاب ہونے کی اجازت لی اور ان کو اپنے مکان سے بلوالیا۔

مجلس میں پہنچتے ہی زیاد بن عمر نے ان سب کی خیریت دریافت کی۔ اس کے بعد مارگریٹ نے دوروز کے واقعات سے زیاد بن عمر کو مطلع کیا۔ اس گفتگو کا بھی تذکرہ کیا جو میکائیل اور پطرس سے مختلف مسائل پر ہوئی تھی۔ مارگریٹ نے میکائیل اور پطرس کے مقابلے میں جو دلائل پیش کئے تھے وہ بھی سنائے جن کو سن کر تمام علماء نے تحسین و آفرین کے کلمات سے مارگریٹ کی ہمت افزائی کی اور اس کی معلومات پر حیرت کا اظہار کیا۔

مارگریٹ نے زیاد بن عمر سے کہا:

"حضرت محترم! یہ سب کچھ ہوا اور جو کچھ آئندہ پیش آئے گا وہ بھی دیکھا جائے گا، لیکن اب میری درخواست یہ ہے کہ آپ مجھے باقاعدہ مسلمان بنا کر اہل توحید و رسالت کی عالمگیر برادری میں شامل کرلیں۔"

اس درخواست پر زیاد بن عمر نے ان کو مسلمان کیا اور سب حاضرین نے خلوص کے ساتھ استقامت کی دعا کی۔

زیاد بن عمر:

"بیٹی مارگریٹ! اب چونکہ تم باقاعدہ مسلمان ہوگئی ہو، اس لئے تم اپنے چہرہ پر نقاب ڈال لو، کیونکہ اسلام میں عورتوں کیلئے پردہ کا حکم ہے۔ آئندہ بھی تم پردہ میں رہو۔ اس کیساتھ اب تم پر پانچ وقت کی نماز پڑھنا بھی فرض ہے۔ دیکھو! نماز ترک نہ ہونے پائے، کیونکہ یہی ایک کامیابی کی کلید ہے۔ رمضان کے روزے، زندگی میں ایک مرتبہ حج اور ہر سال مال ہونے کی صورت میں زکوۃ فرض ہے۔ اچھا! یہ تمہارے ساتھ وہی لڑکیاں ہیں نا جن کا تذکرہ تم نے کیا تھا۔؟"

مارگریٹ:

"ان میں ایک تو میکائل کی صاحبزادی ہیں، جن کا نام میرانو ہے اور یہ دونوں میری سہیلیاں اور راز دان ہیں، جن کا نام ہلینا اور حنانہ ہے۔"

زیاد بن عمر:

"کیا اسلام کے متعلق ان کو کوئی شبہ ہے۔؟"

مارگریٹ:

"اسلام کی سچائی میں ان کو کوئی شبہ نہیں اور یہ بھی میری طرح اسلام پر یقین رکھتی ہیں۔ جب خدا ان کو توفیق دے گا تو یہ بھی اسلام کا باقاعدہ اعلان کردیں گی۔ البتہ! میرانو کو بعض امور میں کچھ شک ہے، اس لئے میرے روحانی باپ زین العابدین اس کا ازالہ فرمادیں گے۔ کسی روز یہ یہاں تشریف لائیں گی اور اپنے شکوک پیش کرکے اپنی تسلی کرلیں گی۔"

زین العابدین:

"تمہارے والد کے رویہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ تمہارے ساتھ بدسلوکی کریں گے اور تعجب نہیں اگر وہ تم کو محکمہ احتساب کے سپرد کردیں۔ پھر صبح تک میکائیل اور پطرس تمہارے مناظرہ کی روئیداد بھی ان کو سنادیں گے جس کے بعد ان کا خلاف ہونا یقینی ہے۔ بولو! تم نے اس کا کیا تدارک سوچا ہے۔؟"

مارگریٹ:

"اللہ بہتر جانتا ہے کہ آئندہ کیا کچھ ہونے والا ہے۔ میں نے تو اپنے معاملہ کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیا ہے۔ البتہ! یہ بات ضرور سوچی ہے کہ اگر انہوں نے زیادہ تنگ کیا تو میں آپ کے یہاں چلی آؤں گی۔"

زین العابدین:

"تمہیں اختیار ہے۔ جب چاہو چلی آؤ اور یہ تو تم کو کرنا ہی پڑے گا، کیونکہ عیسائی اس قدر وسیع حوصلہ کہاں کہ تم کو مسلمان دیکھ کر کوئی تعرض نہ کریں اور تم کو تمہاری حالت پر چھوڑ دیں۔"

مارگریٹ نے زیاد بن عمر سے کہا:

"سیدی! آپ میرے لئے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ مجھے صبر و شکر کی توفیق دے۔ اب ہمیں رخصت کیجئے! دیکھئے اب آپ کی زیارت ہو گی یا نہیں۔۔۔!"

اس کے بعد حضرت زیاد بن عمر اور اہل مجلس نے ان تمام لڑکیوں کو گھر رخصت کیا۔ رخصت ہونے کے بعد مارگریٹ اور تینوں سہیلیاں اپنے اپنے گھر چلی گئیں۔

مارگریٹ اپنے گھر کے ایک گوشہ میں بستر پر سو رہی ہے۔ صبح صادق سے بہت پہلے وہ بیدار ہو گئی، لیکن بستر سے علیحدہ نہ ہو سکی۔ پڑے پڑے پھر اس کے کانوں میں صدائے اللہ اکبر! گونجی اور بجلی کی طرح اس کے تمام بدن میں کوند گئی۔ وہ اللہ اکبر کی صدا سنتے ہی بے تاب ہو گئی اور اس کی نظروں میں اللہ رب العالمین کی کبریائی، اس کی عظمت و جبروت اور اس کے جلال و کمال کا جلوہ سما گیا۔ بے اختیار آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور سینہ محبت الٰہی سے اچھلنے لگا۔ جب وہ خوب رو چکی تو دعا اور تضرع میں مشغول ہو گئی۔ وہ خالق الارض والسمٰوات کے دربار میں عرض کرنے لگی:

"اے اللہ! اے محبوب و مطلوب!! مجھے اپنی اور اپنے محبوب ﷺ کی محبت عطا کر۔ الٰہی! میرے سینہ کو اسلام اور توحید کے نور سے بھر دے اور اتباع رسول کو میرے لئے حرزِ جان بنا دے۔ الٰہی! مصائب و آلام سے میرے پیروں کو لغزش نہ ہو، بلکہ مجھ میں صبر و استقلال کی قوت پیدا ہو اور میرے درجات بلند ہو جائیں۔ یا اللہ! مجھے ان کو

برداشت کرنے کی توفیق دے اور ان مصیبتوں میں میرے لئے خیر و برکت رکھ دے، لیکن اگر ان مشکلات سے میرے پائے استقامت میں تزلزل پیدا ہو تو الٰہی! مجھے اس امتحان میں نہ ڈال! الٰہی میں تیرا شکر ادا کرتی ہوں کہ تو نے مجھے اسلام جیسی لازوال دولت سے مالا مال کیا اور اپنے محبوب رحمۃ العالمین ﷺ کی اتباع کا مجھے شرف بخشا۔ یا اللہ! میرے والدین، میرے اعزہ و اقرباء اور تمام عیسائیوں اور گمراہوں کو بھی اسلام کی نعمت سے سرفراز کر اور ہم سب کو اسلام پر زندہ رکھ اور اسلام پر موت دے۔ ہاں! میرے مولا! اس وقت یہ میری دعا سن لے، کیونکہ تو سمیع و بصیر ہے۔"

مارگریٹ جس وقت اپنی یہ دعا ختم کر چکی تو اسے محسوس ہوا کہ روح کو تسکین حاصل ہو گئی ہے اور کوئی بہت بڑا بوجھ اس سے اتار کر پھینک دیا گیا ہے۔ اس کو معلوم ہوا کہ استقامت و عزیمت اور اولوالعزمی کا پورا خزانہ اس کے دل میں اتار دیا گیا ہے۔ وہ بہت مسرور ہے، کیونکہ اسلام جیسی دولت اسے مل گئی ہے۔ وہ بے خوف اور دلیر ہے، کیونکہ توحید نے سوائے خشیت الٰہی کے غیر اللہ کا خوف دل سے نکال دیا ہے۔

الغرض وہ بستر سے اٹھی اور چپکے چپکے غسل خانہ جا کر وضو کیا اور خاموشی سے نماز صبح ادا کی۔ وہ اپنے کمرہ میں آ کر مطالعہ میں مشغول ہو گئی۔ اس کی والدہ بھی آج غیر معمولی طور پر غضبناک ہیں اور رافت و الفت کے جذبات اس سے رخصت ہو چکے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے میکائل اور پطرس نے گزشتہ دن کی تمام گفتگو اس کے والدین کو سنا دی ہے اور ان کو یقین دلا دیا ہے کہ مارگریٹ مرتد ہو گئی ہے اور افہام و تفہیم کے تمام دروازے اس پر مسدود ہو چکے ہیں۔

مارگریٹ سخت پریشان ہے اور خاموشی کے عالم میں کمرہ میں بیٹھی ہوئی ہے۔ اتنے میں ایک ملازمہ نے آ کر اس کے ہاتھ میں ذیل کا رقعہ دیا:

"بہن مارگریٹ! اس وقت تم سے مجھے ایک ضروری کام ہے۔ مہربانی ہو گی، اگر تم فوراً یہاں آنے کی تکلیف گوارا کرو۔ چونکہ چند ضروری باتیں طے کرنی ہیں۔ اس لئے آنے میں ذرا بھی توقف نہ کرو۔ میں اس وقت ایک دوسرے مکان میں تمہارا انتظار

کر رہی ہوں۔ ملازمہ کے ساتھ فوراً چلی آؤ۔"

تمہاری بہن: میرانو

اس رقعہ کا ملنا ہی تھا کہ مارگریٹ چلنے کیلئے فوراً کھڑی ہوگئی۔ اس کو کیا پتہ تھا کہ یہ رقعہ میرانو کا نہیں، بلکہ پادریوں کا ایک سازش نامہ ہے۔ بہر حال ملازمہ کے ہمراہ مارگریٹ اس سڑک پر ہولی جو قصر الشہداء سے مڑ کر سیدھی رباط مانی کو جاتی ہے۔ چلتے چلتے ملازمہ ایک گلی میں مڑی اور ایک عالیشان مکان میں داخل ہوگئی۔ مکان میں داخل ہوتے ہی اس کے تمام دروازے بند کر دیئے گئے اور نتیجہ سے بے خبر مارگریٹ کو ایک اور کمرہ میں داخل کر دیا گیا۔ اس کمرے کے دروازے بھی فوراً بند کر دیئے گئے۔ یہاں مارگریٹ کو شبہ ہوا کہ کہیں میں گرفتار تو نہیں کر لی گئی۔ آخر دو تین سفید پوش راہبوں نے مارگریٹ کو دھکے دے کر تہ خانہ کے زینہ کی طرف دھکیل دیا۔ اب تو مارگریٹ کے ہوش اڑ گئے اور وہ سمجھ گئی کہ میں محکمہ احتساب کی گرفت میں ہوں۔ زینہ پر مارگریٹ نے قدم رکھا ہی تھا کہ اس غریب اور نازک لڑکی کی کمر پر ایک راہب نے زور سے گھونسہ رسید کیا اور کہا:

"او ملعون لڑکی! آگے چلتی کیوں نہیں۔؟ دیکھ خداوند یسوع مسیح کے غضب کی آگ تجھ کو بھسم کرنے کیلئے بالکل تیار ہے۔ کم بخت! تو نے عیسائیت کو بدنام کیا اور اپنے باپ کی آبرو خاک میں ملا دی۔"

غریب مارگریٹ خاموش ہے، لیکن خوف کی وجہ سے تھر تھر کانپ رہی ہے۔ گھونسے کھاتی ہوئی وہ تہ خانہ میں اتری جہاں انسانی ڈھانچے چاروں گوشوں میں استادہ تھے اور انسانی کھوپڑیاں دیواروں پر آویزاں تھیں۔ اندر جا کر ایک راہب نے چراغ روشن کیا اور مارگریٹ سے کہا:

"اب تجھ کو یہاں رہنا پڑے گا، تاکہ تجھے معلوم ہو جائے کہ خداوند یسوع سے برگشتہ ہونے کا نتیجہ کیا ہوتا ہے۔ بدنصیب! تیری گوشمالی کیلئے ان مردہ ڈھانچوں کو مقرر کیا گیا ہے۔"

مارگریٹ بدستور خاموش ہے۔ وہ سمجھ رہی ہے کہ شاید میں خواب دیکھ رہی ہوں۔

اتنے میں تمام راہب تہ خانہ کو مقفل کر کے باہر نکل آئے اور مکان کے کمروں میں ریاضت و عبادت میں مشغول ہو گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد مارگریٹ کو ہوش آیا اور اسے جلد معلوم ہو گیا کہ میں بیدار ہوں اور صداقت کے جرم میں مجھے ان بھوتوں کی آبادی میں بند کیا گیا ہے۔

خدا خدا کر کے دن کٹا اور رات کی تاریک چادر نے تمام عالم کو اپنے اندر چھپا لیا۔ ایک پہر رات گزرنے پر مارگریٹ کو تہ خانہ سے نکالا گیا اور اس کو ستو کا ایک گلاس پینے کیلئے دیا گیا۔ اس وقت بھی راہب غریب مارگریٹ پر بڑبڑاتے رہے۔ پھر مارگریٹ کو مکان کے مختلف گوشوں میں پھرایا گیا، جہاں راہب ریاضتوں اور مشقتوں میں مشغول تھے۔ اس گشت کرانے کا مقصد یہ تھا کہ شاید مارگریٹ دین مسیحی کے پیروں کی عبادت و ریاضت کو دیکھ کر مرعوب ہو جائے اور راہبوں کو تکلیفیں اس کے ضمیر سے اپیل کرنے میں کامیاب ہوں۔ مارگریٹ نے بہت غور سے راہبوں کی عبادت کو دیکھا۔ ایک شخص ایک گوشہ میں زنجیروں میں جکڑا پڑا ہے اور ایک دوسرا شخص اس پر کوڑے برسا رہا ہے۔ مارگریٹ دیکھ کر سہم گئی اور خیال کرنے لگی کہ یہ بھی میری طرح کوئی مجرم ہے، مگر بہت جلد معلوم ہو گیا کہ نفس کشی اور شیطانی قوتوں کو مغلوب کرنے کا یہ ایک طریقہ ہے، جس کو راہبوں نے رضا کارانہ طور پر خود ہی اختیار کیا ہے۔ مکان کے بڑے کمرہ میں مریم عذرا کا ایک بت نصب ہے جس کے گردا گرد راہب، اور راہبات اعتکاف اور مراقبہ میں بیٹھی ہیں۔ چند راہب سر کے بل دیواروں کے سہارے اوندھے پڑے ہیں اور چند ایک کونہ میں سسک رہے ہیں، کیونکہ انہوں نے نفس کشی کیلئے بیس بیس روز سے کھانا نہیں کھایا۔ مارگریٹ کو ان واقعات کا علم تو ضرور تھا، مگر یہ نظارہ اس نے نہ کیا تھا۔

ایک بڑے راہب نے مارگریٹ سے کہا:

"مردود لڑکی! اگر تو نجات حاصل کرنا چاہتی ہے تو اس قسم کی ریاضتیں کر اور خداوند یسوع مسیح کو راضی کر لے۔ اس قسم کی ریاضتیں ہی تیرے معاصی کا کفارہ ہو سکتی ہیں۔"

مارگریٹ نے کہا:

جہان کا مربی ہے اور جس کا کوئی شریک نہیں۔ مجھے اس بات پر قائم رہنے کا حکم ہوا ہے اور میں اول فرمانبرداروں میں سے ہوں۔"

نسطور پادری:

"گویا تو اسلام کو چھوڑ کر خداوند یسوع مسیح کے فضل میں شامل ہونا نہیں چاہتی۔ اچھا! آج ہی تیرا فیصلہ کیا جائے گا۔"

مارگریٹ:

"جو تمہیں فیصلہ کرنا ہو کر دو۔ تم زیادہ سے زیادہ یہی کر سکو گے کہ دنیا سے مجھے رخصت کر دو، مگر تم کو معلوم نہیں کہ جس ذات سے میرا تعلق ہے وہ اللہ ہے جو خیر ہی خیر اور باقی رہنے والا ہے۔"

نسطور پادری:

"جب موت سامنے آ کر کھڑی ہو جائے گی تو قرآن کی یہ آیتیں سب بھول جائیں گی۔ ہم تو جب جانیں کہ قرآن یا محمد صاحب تجھ کو موت سے بچا لیں۔"

مارگریٹ:

"یہی سوال یہودیوں نے حضرت مسیح علیہ السلام سے کیا تھا کہ اگر تو سچا ہے تو صلیب سے نیچے اتر اور اپنے آپ کو موت سے بچا لے۔ اب یا تو حضرت مسیح جھوٹے تھے کہ اپنے آپ کو موت سے نہ بچا سکے یا آپ یہودیوں کے بقدم چل رہے ہیں۔"

یوحنا پادری:

"او شیطانِ مجسم! مردود جہنمی! او بلم باعور کی ماں! ہم کو یہودی بتاتی ہے۔ بس خاموش رہ اور اپنی موت کا انتظار کر۔!"

مارگریٹ:

"بہتر ہو کہ آپ بھی خاموش رہیں، مجھ کو میری حالت پر چھوڑ دیں اور خود جو چاہیں سو کریں۔"

نسطور پادری نے راہبوں سے کہا:

"دیکھو! اس لڑکی کو وہیں تہ خانہ میں بند کر دو اور اس کو کھانے پینے کیلئے کچھ نہ دو۔ مقدس باپ کا حکم ہے کہ لڑکی کو انکوزیشن (محکمہ احتساب) کے سپرد کرو۔ اس کیلئے کل فیصلہ کیا جائے گا۔"

یہ سنتے ہی راہبوں نے مارگریٹ کو پکڑ لیا اور دھکے دیتے ہوئے تہ خانہ لے چلے۔ کمرہ سے باہر نکل کر دھکوں اور مکوں سے کئی بار مارگریٹ گری اور سنبھل گئی۔ آخر تہ خانہ میں مارگریٹ کو داخل کر کے دروازہ مقفل کر دیا گیا۔

اب مارگریٹ کو تہ خانہ میں داخل ہوئے تین روز گزر گئے ہیں اور رات دن کے کسی وقت میں بھی اس کو باہر نہیں نکالا جاتا، مگر مارگریٹ خوش وخرم ہے اور اس قدر مطمئن ہے کہ گویا ثبات واستقلال کے لئے فرشتے مامور کر دیئے گئے ہیں۔ رات کے سناٹے میں انسانی ہاہاکاروں نے فضا کو مہیب بنا رکھا ہے۔ راہب اور راہبات تمام خانقاہ میں عبادت و ریاضت میں مشغول رہتی ہیں اور راتوں کو ان کی آہ و زاریوں کا شور مارگریٹ کے کانوں میں پڑتا رہتا ہے۔

اس اثناء میں مارگریٹ کی سہیلیوں کو بھی معلوم ہو گیا کہ مارگریٹ کو دھوکہ سے بلا کر فلاں خانقاہ کے تہ خانہ میں بند کر دیا گیا ہے اور اس پر سخت مظالم توڑے جا رہے ہیں۔ آخر ان تینوں سہیلیوں نے مشورہ کر کے زین العابدین اور زیاد بن عمر کو اس واقعہ کی اطلاع دینی چاہی اور ایک شب زیاد بن عمر کی مجلس میں پہنچ کر تمام واقعات سب مسلمانوں کو سنا دیئے جس سے مسلمانوں میں سخت ہیجان پیدا ہو گیا۔

ایک شخص:

"واللہ! اگر ہم اسی طرح رواداری کرتے رہے تو عیسائی تبلیغ اسلام میں سخت رکاوٹ پیدا کر دیں گے۔ مارگریٹ اب ہماری بہن ہے، اس لئے ہر مسلمان کا فرض ہے کہ اس کو عیسائیوں کے پنجہ سے چھڑائے۔"

دوسرا تلوار سونت کر بولا:

"حضرت! اگر حکم ہو تو ابھی جا کر مارگریٹ کو چھڑا لاؤں۔ افسوس! ہماری بہن پر اس

قدر سختیاں کی جارہی ہیں۔ اگر اب بھی ہم خاموش رہے تو یہ سخت بے عزتی ہوگی۔"

زین العابدین:

"بھائیو! ہیجان اور اضطراب سے کچھ نہیں ہوتا۔ یہ معاملہ حضرت زیاد بن عمر کی خدمت میں پیش ہے۔ آپ جو حکم دیں گے اس کے مطابق عمل کیا جائے گا۔"

سب لوگ:

"یا سیدنا! جو حکم ہو ہم اسکی تعمیل کیلئے حاضر ہیں۔!!!"

زیاد بن عمر:

"میں تم کو نصیحت کرتا ہوں کہ کسی قسم کے اضطراب کا اظہار نہ کرو۔ ورنہ غریب مارگریٹ کی جان جاتی رہے گی۔ ہم اگر چاہیں تو ابھی اس کو اسلامی فوج کے ذریعہ بلا سکتے ہیں، مگر مصلحت اسی میں ہے کہ ترکیب سے کام کیا جائے۔ اگر مارگریٹ مصائب میں گرفتار ہے تو یہ اس کیلئے مضبوطی ایمان کا باعث ہوگا۔ سچ یہ ہے کہ مصائب کی لذتوں میں ہی اسلام کی قدر معلوم ہوتی ہے۔"

زین العابدین نے مارگریٹ کی سہیلیوں سے کہا:

"بولو! آپ کی اس میں کیا رائے ہے اور بہن مارگریٹ کی امداد کہاں تک کر سکتی ہیں۔؟"

میرانو:

"اگر ہم کو حکم ہو اور یہ معاملہ ہم پر ہی چھوڑ دیا جائے تو آسانی کے ساتھ مارگریٹ کو اس مصیبت سے بچایا جاسکتا ہے۔"

زین العابدین:

"بہت بہت شکریہ!!!"

زیاد بن عمر:

"تم کو اجازت ہے کہ اپنے طریقہ سے مارگریٹ کو بچانے کی کوشش کرو۔"

تینوں سہیلیوں نے پختہ وعدہ کر کے گھروں کو واپس جانے کی اجازت طلب کی۔

چنانچہ اجازت دے دی گئی اور وہ سب اپنے گھروں کو روانہ ہوگئیں۔ شدہ شدہ یہ واقعہ تمام قرطبہ میں مشہور ہو گیا اور ہر جگہ اس کا چرچا ہونے لگا۔ میرانو، ہلینا اور حنانہ آپس میں مشورے کرتی رہیں کہ کس ترکیب سے مارگریٹ کو نجات دلائی جائے۔ اگر دس بارہ روز کا توقف کیا گیا تو مارگریٹ کی جان ضائع ہو جائے گی۔ اس لئے مشورہ کرنے اور ترکیبوں پر ترکیبیں سوچنے میں عجلت سے کام لیا گیا۔

☆☆☆

ایک روز میرانو، ہلینا اور حنانہ اسقف اعظم کے مکان پر گئیں اور ان سے کہا:

"چونکہ مارگریٹ ہماری سہیلی اور ہم سبق ہے اور وہ ہماری باتوں کو مانتی بھی بہت ہے۔ اس لئے اگر آپ ہم کو اس سے ملنے کی اجازت مرحمت فرمائیں تو شاید ہم اس کو دین مسیحی میں واپس لانے میں کامیاب ہو سکیں۔ افہام وتفہیم کا یہ آخری موقعہ ہم کو دیا جائے۔ ہم کو پچھتر فیصدی کامیابی کی بھی امید ہے۔ مقدس باپ! مارگریٹ آپ کی لختِ جگر ہے۔ اس لئے ہم اس کو سمجھانے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کریں گے۔ آپ ہم کو خانقاہ میں جانے اور مارگریٹ سے گفتگو کرنے کی اجازت مرحمت فرمائیں۔"

اسقف اعظم:

"اس مردود لڑکی کو جہنم میں جانے دو۔! وہ بہت پختہ ہو گئی ہے اور خداوند یسوع مسیح نے اس کو کاٹ کر پھینک دیا ہے۔ مجھے ڈر ہے کہ کہیں وہ تم کو بھی نہ بہکا لے۔!"

میرانو:

"خیر! تو آخری وقت میں سمجھانے بجھانے میں کیا حرج ہے۔؟ اگر وہ مان گئی تو فبہا، ورنہ! اس کو آپ جو چاہیں سزا دیں۔"

اسقف اعظم:

"اچھا! میں اس شرط پر تم کو خانقاہ جانے اور مارگریٹ سے گفتگو کرنے کا موقعہ دیتا ہوں کہ گفتگو کے وقت دو راہب تمہارے ساتھ رہیں گے۔ یہ اس لئے کہ وہ کم بخت تم کو گمراہ نہ کر پائے اور کفر کی باتوں سے تم پر کوئی اثر نہ ڈالے۔ اچھا جاؤ! کل شام کو خانقاہ جا کر مارگریٹ پر آخری اتمامِ حجت کر آؤ۔ میں خانقاہ کے بڑے راہب کو آج ہی مطلع کر دیتا ہوں۔!!!"

اجازت حاصل کر کے میرانو، ہلینا اور حنانہ خوشی خوشی واپس ہوئیں اور اپنے گھروں سے ہمیشہ کیلئے جدا ہونے کا انتظام کرنے لگیں، کیونکہ انہوں نے جو تدبیر سوچی تھی وہ اس قسم کی تھی کہ مارگریٹ کے ساتھ ان کو بھی اپنے گھروں کو ہمیشہ کیلئے چھوڑنا پڑتا تھا۔ بہر حال انہوں نے اپنے دائمی سفر کیلئے پوری احتیاط اور رازداری سے کام لیا اور وقت مقررہ سے پہلے زیاد بن عمر اور زین العابدین کو اطلاع دے دی کہ وہ بھی اس مہم کو سر کرنے میں ان کی مدد کریں۔

جب یہ تمام انتظامات مکمل ہو گئے تو یہ تینوں سہیلیاں اپنے اپنے گھروں سے نکل کر ایک جگہ جمع ہوئیں اور جو وقت اسقف اعظم نے مقرر کر دیا تھا اس کے مطابق چلنے کیلئے آمادہ ہو گئیں۔ ادھر اسقف اعظم نے خانقاہ کے منتظم کے نام ایک تحریر لکھ دی تھی۔ جس میں مذکور تھا:

"مارگریٹ کی سہیلیاں فلاں وقت خانقاہ میں آئیں گی اور وہ مارگریٹ کو سمجھانے کی کوشش کریں گی، لہٰذا تم ان کو خانقاہ میں داخل ہونے کی اجازت دے دینا اور اس سلسلہ میں تم سے جو امداد ہو سکے اس سے دریغ نہ کرنا۔ شاید! مارگریٹ کو اپنی سہیلیوں کے سمجھانے سے ہدایت کی توفیق نصیب ہو جائے۔"

چنانچہ جس وقت تینوں سہیلیاں خانقاہ پر پہنچیں تو راہب اور راہبات نے ان کا پرتپاک استقبال کیا اور یہ سمجھا کہ مارگریٹ کی ہدایت کیلئے خداوند یسوع نے اپنی ماں مریم کو ان لڑکیوں کی شکل وصورت میں بھیجا ہے اور تمام راہبوں کی امداد ان کے شامل حال ہے۔

یہ تینوں لڑکیاں خانقاہ میں داخل ہو کر بڑے کمرہ کے وسط میں حضرت مریم عذرا کے بت کے سامنے بیٹھ گئیں اور چاروں طرف راہبوں کی جماعت نے ان کو گھیر لیا۔

ایک راہبہ نے میرانو سے کہا:

"خداوند یسوع مسیح کی برکت تمہارے شامل حال ہو اور اللہ تم کو اپنے مقصد میں کامیاب کرے۔ آپ کو معلوم ہے کہ اس کم بخت لڑکی مارگریٹ کو کس شیطان نے بہکایا۔؟ کیسی نیک اور اچھی لڑکی تھی! خدا شیطان کو غارت کرے۔ کیسے کیسے متقیوں کو بہکاتا ہے۔"

ایک راہب:

''مریم عزرا کا تم پر سایہ ہو۔! نجات دہندہ کی قسم! تم اپنے مقصد میں ضرور کامیاب ہو جاؤ گی۔ تمہاری، پیاری پیاری صورتیں کامیابی کا یقین دلا رہی ہیں۔ اگر مارگریٹ پھر سے خداوند یسوع کا فضل ہوا تو یہ تمہارا سب سے بڑا کارنامہ ہوگا۔ تمام قرطبہ میں اس کا چرچا پھیل گیا ہے اور اس بلم باعور کی ماں نے تمام مسیحوں کی ناک کاٹ ڈالی ہے۔''

دوسری راہبہ:

''خدا کی قسم! آج ہی میں نے خواب میں تمہاری ہم شکل لڑکیوں کو دیکھا تھا جو مریم عزرا کی گود میں بیٹھی ہوئی تھیں اور دوسری طرف خداوند یسوع مسیح اشارہ فرما رہے تھے کہ ان لڑکیوں کے ذریعہ کلیسا کی عزت قائم کی جائے گی۔''

اس خواب کو سن کر تمام راہبوں نے کہا:

''یہی وہ لڑکیاں ہیں۔!! یہی وہ لڑکیاں ہیں۔!!''

بڑا راہب:

''لڑکی مارگریٹ تہ خانہ میں بند ہے اور اس کے ہاتھ پیروں کو زنجیروں سے جکڑ دیا گیا ہے۔ کم بخت اتنی سخت ہے کہ جتنی زیادہ سزا دو اتنی ہی زیادہ اسلام کی تعریف کرنے لگ جاتی ہے اور اس حالت میں ہم کو تبلیغ کرنے سے باز نہیں رہتی۔ اچھا اب آپ کب ان کے پاس چلیں گی۔؟''

میرانو:

''ہمارا ارادہ ہے کہ ہم اطمینان کے ساتھ اس سے گفتگو کریں اور مسیحی دین کے حقائق سمجھائیں، لیکن شرط یہ ہے کہ سوائے ایک دو راہبوں کے اور کوئی ہمارے ساتھ نہ رہے۔ اب آفتاب غروب ہونے لگا ہے، ایک پہر رات گزر جانے کے بعد مارگریٹ کو یہیں ہمارے پاس لے آؤ، تاکہ پہلے ہم اس کو اپنے ساتھ عبادت اور ریاضت پر آمادہ کریں، ممکن ہے سمجھانے کی نوبت ہی نہ آئے اور مریم عزرا کی برکت سے اس کا سینہ خداوند مصلوب کیلئے کھل جائے۔''

بڑا راہب:

''جس طرح آپ کا حکم ہو ہم تعمیل حکم کیلئے تیار ہیں۔ میں ابھی سب راہبوں کو ہدایت کئے دیتا ہوں کہ وہ آپ کی ریاضت عبادت میں مخل نہ ہوں اور وہ آپ سے قطعی علیحدہ رہیں۔''

میرانو:

''بہت بہت شکریہ!! اچھا! تو ہم پہلے مارگریٹ سے تہ خانہ میں جا کر مل آئیں اور معمولی گفتگو کے بعد جو صرف ذاتی اور نجی معاملات سے متعلق ہوگی، اس کو یہاں لے آئیں۔ دیکھو تو ہمارے خداوند کی ماں مارگریٹ کو گود میں لینے کیلئے بالکل تیار کھڑی ہیں اور امید ہے کہ مارگریٹ اس مقدس گود میں آنے سے انکار نہ کرے گی۔''

یہ کہہ کر دو راہب اور تینوں سہیلیاں تہ خانہ کی طرف چلیں۔ تہ خانہ کا قفل کھولا گیا اور سب تاریکی میں غائب ہو گئے۔

حنانہ:

''اُفوہ! اس قدر اندھیرا ہے۔؟''

راہب:

''میں ابھی شمع روشن کرتا ہوں۔ ذرا آگے چلئے اور دیکھئے کہیں ٹھوکر نہ لگ جائے، کیونکہ یہاں انسانی ہڈیوں کا فرش بچھا ہوا ہے۔''

راہب نے آگے بڑھ کر شمع روشن کی جس کے بعد مارگریٹ کی نظر ان سہیلیوں پر پڑی اور دیکھتے ہی باغ باغ ہو گئی۔ ہنوز میرانو، ہلینا اور حنانہ نے اس کو دیکھا بھی نہ تھا کہ مارگریٹ نے زور سے کہا:

''السلام علیکم!''

راہب:

''او کم بخت مردود لڑکی! کل اسی بات پر تو پٹ چکی ہے، لیکن باز نہیں آئی۔!''

السلام علیکم کی صدا سن کر بے اختیار سب سہیلیوں کو ہنسی آ گئی، لیکن جب وہ قریب پہنچیں اور مارگریٹ کو وزنی زنجیروں میں جکڑے ہوئے دیکھا تو سب کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔

میرانو:

''مارگریٹ! اچھی تو ہو! کہو یہاں کیسی گزرتی ہے۔؟ دیکھا حق سے روگردانی کی سزا اس طرح ملتی ہے۔''

مارگریٹ تبسم کے ساتھ بولی:

''بہن! سچ کہتی ہو، حق کی خاطر تو بعض لوگوں کو سولی پر بھی چڑھایا گیا ہے۔''

میرانو:

''ہم یہاں تم سے گفتگو کرنے نہیں آئی ہیں، بلکہ اس لئے آئی ہیں کہ ہم بھی تمہارا طریقہ اختیار کرلیں۔''

یہ کہہ کر تمام سہیلیاں کھل کھلا کر ہنس پڑیں اور ساتھ ہی دونوں راہبوں نے بھی قہقہہ لگایا۔

میرانو:

''مارگریٹ! آخر تم شیطان کے پنجہ میں کب تک گرفتار رہو گی۔؟ دیکھو! تمہارے ارتداد سے تمام شہر قربطہ کے عیسائیوں میں کیسا ہیجان پیدا ہو گیا ہے۔ بہتر ہے کہ تم اسلام کو ترک کر کے پھر صلیب کے سایہ میں آجاؤ۔''

مارگریٹ:

''شیطان سے بچنے کی اس کے سوا کوئی ترکیب نہیں کہ اسلام کو قبول کرلیا جائے، یہی وہ مضبوط قلعہ ہے جس کی پناہ میں آکر انسان تمام شیاطین سے کامیاب جنگ کرسکتا ہے۔ یہ خیال کہ عیسائی ہو کر ہی کوئی شخص شیطانی گرفت سے بچ سکتا ہے خیال خام ہے۔ اگر تم نے انجیل شریف کا مطالعہ کیا ہوگا تو تم کو علم ہوگا کہ شیطان کے پنجہ سے تو مقدس حواری بھی نہ نکل سکے اور خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بعض حواریوں کو شیطان کہہ کر پکارا ہے۔ جب وہ حواری بھی شیطان کے اثر سے نہ بچ سکے، جنہوں نے حضرت عیسیٰ اور بقول تمہارے خداوند کی آنکھوں کے سامنے اور ان کی نگرانی میں تعلیم پائی تو آج کل کے عیسائی کس طرح شیطان سے بچ سکتے ہیں، مگر اسلام کہتا ہے کہ خدا کے نیک بندوں کو شیطان چھو بھی نہیں سکتا:

''ان عبادی لیس لك علیهم سلطان''

میرانو:

''تم نے پھر وہی بحث شروع کردی جس میں تم تمام پادریوں سے ہار چکی ہو۔؟ (ہنس کر) اور ہم خداوند کے فضل سے کامیاب ہو چکے ہیں۔ لہٰذا اس مذہبی گفتگو کو تو ختم کرو اور اپنی تکلیفوں کی طرف دیکھو۔! مارگریٹ! یہ تم پر خداوند کا عذاب ہے کہ آج تم قرطبہ کے اسقف اعظم کی بیٹی ہو، کانٹوں کے فرش پر سوتی ہو اور تمہارے نازک ہاتھ اور پیر زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہیں۔ خدارا! اپنی حالت پر اگر نہیں تو ہماری حالت پر ہی رحم کرو۔!''

مارگریٹ:

''اگر تکلیفوں سے بچنے کیلئے حق کو چھوڑ دیا جایا کرے تو مسیحی شہداء کبھی جام شہادت نوش نہ کرتے۔ اگر مصیبتوں اور پریشانیوں کا نزول باطل کی نشانی ہوتا تو اکثر مسیحی جن پر کلیسا کو ناز ہے، باطل پر ٹھہرتے ہیں۔ سچ پوچھو تو تمہاری ان باتوں سے مجھے اس قدر تکلیف پہنچی ہے کہ اتنی تکلیف کانٹوں کے فرش پر سونے اور بارِ زنجیر ہونے سے بھی نہیں پہنچی۔ کیا تم مجھے تکلیف پر تکلیف پہنچانے آئی ہو۔؟''

میرانو نے راہب سے مخاطب ہو کر کہا:

''مارگریٹ باتوں سے تو کبھی بھی شکست نہیں کھائے گی۔ اس کا تو بس یہی علاج ہے کہ آج رات مریم عزرا کے مقدس بت کے سامنے اس کو اپنی ریاضت وعبادت میں شامل کیا جائے۔ دیکھ لینا آج ہی رات میں اس کی کایا پلٹ ہو جائے گی اور اس کا قلب مصلوب مسیح کی طرف رجوع کرنے لگے گا۔''

راہب:

''خداوند مسیح ایسا ہی کریں، مگر بظاہر تو مارگریٹ کا حق کی طرف رجوع کرنا بہت مشکل معلوم ہوتا ہے۔''

میرانو:

''قاعدہ یہی ہے کہ جو شخص جتنا زیادہ سخت ہوگا اسی قدر جلد ایمان کو قبول کرے گا۔ دیکھو! مقدس پولوس خداوند کے کیسے دشمن تھے اور تمام مومنوں کو ان کے ہاتھ سے کیسی کیسی تکلیفیں برداشت کرنی پڑیں، مگر وہی آئندہ چل کر مسیحی مذہب کا ستون قرار

پائے اوران ہی پر سب سے زیادہ خداوند کا فضل نازل ہوا۔"

راہب:

"آپ سچ کہتی ہیں۔! خداوند مسیح مارگریٹ سے بھی یہی سلوک کریں اور یہ بھی تم سے آ کر مل جائے۔"

میرانو:

"اچھا! اب یہاں سے چلنا چاہیے اور اسی بڑے کمرہ میں بیٹھ کر عبادت کی تیاری کر لینی چاہیے۔ دیکھو! ایک پہر رات گزرنے پر مارگریٹ کو ہمارے کمرہ میں پہنچا دینا اور ایک راہبہ کو بھی ہمارے پاس رہنے کی اجازت دے دینا، تاکہ وہ مارگریٹ کی نگرانی کرتی رہے۔"

راہب:

"بہت اچھا! آپ کی خدمت میں مارگریٹ کو وقت مقررہ پر پہنچا دیا جائے گا۔!!!"

میرانو:

"کیا آپ یا کوئی اور راہب بھی رات بھر ہمارے ساتھ رہنے کی تکلیف گوارا فرمائیں گے۔؟"

راہب:

"بسروچشم! مگر آپ جانتی ہیں کہ ہم بھی رات بھر عبادت اور یادالٰہی میں مشغول رہتے ہیں۔؟"

میرانو:

"آپ کی خوشی، کوئی خاص ضرورت نہیں ہے۔ اچھا! صبح گفتگو کے وقت حسب ضابطہ آپ ہمارے ساتھ رہیں۔"

راہب:

"ضرور! صبح تو میں کیا اور راہب بھی آپ کی گفتگو سنیں گے۔"

ہلینا:

"اگر خداوند مسیح نے چاہا تو رات ہی رات میں مقصد حاصل ہو جائے گا اور صبح گفتگو کی

ضرورت ہی نہ پڑے گی۔"

ہلینا نے یہ جملہ اس انداز سے کہا کہ راہب کے سوا اس کے مطلب کو سب لڑکیاں سمجھ گئیں۔

اس کے بعد ہلینا، حنانہ اور میرانو راہب کے ہمراہ تہ خانہ سے باہر نکل آئیں اور خانقاہ کے بڑے کمرہ میں پہنچ گئیں اور راہب نے تہ خانہ کو پھر مقفل کر دیا۔ کھانا کھانے اور دیگر ضروریات سے فارغ ہو کر میرانو، حنانہ اور ہلینا نے پھر ایک دفعہ خانقاہ کی سیر کی اور راہب و راہبات سے گفتگوئیں کی۔ خانقاہ کے راہب اور راہبات رات کی ریاضت کیلئے تیاری میں مشغول ہو گئیں اور یہ تینوں سہیلیاں پھر اپنے کمرہ میں آ گئیں۔ خانقاہ میں گشت کرنے اور راہبات سے گفتگو کرنے کا مقصد یہ تھا کہ کسی ایسی راہبہ کا پتہ چلا جائے جو سب سے زیادہ عابدہ ہو، چنانچہ ایک ایسی راہبہ کا پتہ چل گیا اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ وہ رات کے کن کن اوقات میں مصروف عبادت رہتی ہے۔

اب رات کی ایک پہر گھڑی ختم ہونے کے قریب ہے اور تینوں سہیلیاں خاموشی کے ساتھ گفتگو میں مصروف ہیں۔ اتنے میں بڑے کمرہ کا دروازہ کھلا اور وہی پہلا راہب اندر داخل ہوا۔ تینوں سہیلیاں اس کو دیکھ کر بسروقد کھڑی ہو گئیں، کیونکہ وہ خانقاہ کے تمام راہبوں کا سردار تھا۔ راہب نے آتے ہی اطلاع دی کہ مارگریٹ کو تہ خانہ سے نکال کر آپ کی خدمت میں حسب وعدہ پہنچایا جاتا ہے اور ایک راہبہ کو بھی جلد یہاں بھیج دیا جائے گا۔

میرانو:

"آپ کسی ایسی راہبہ کو یہاں بھیجیں جو سب سے زیادہ عابدہ اور شب زندہ دار ہو جو حقیقت میں ولیہ بھی ہو۔ کیا اس خانقاہ میں کوئی ایسی راہبہ ہے۔؟"

راہب:

"یہاں جتنی راہبات ہیں وہ سب کی سب عابدہ ہیں اور خداوند مسیح کی خاطر طرح طرح کی تکلیفیں برداشت کر رہی ہیں، مگر ان میں ایک راہبہ جس کا نام ارقیہ ہے سب سے زیادہ نیک، عابدہ اور صاحب کشف و کرامت ہے اور خاندان کے اعتبار سے بس یہی کہنا کافی ہوگا کہ فرانس کی شہزادی ہے جو دولت و حکومت پر لات مار کر مریم عزرا کی

خدمت میں حاضر ہوگئی ہے۔"

میرانو:

"بس ہمارا مطلب حاصل ہوگیا، ہم کو ایک ایسی ہی راہبہ کو ضرورت تھی جو ہمارے ساتھ عبادت کرے اور مارگریٹ پر اپنا روحانی اثر ڈالے۔ کیا وہ صاحب کرامت بھی ہیں۔؟"

راہب:

"اس کی کرامت کا دور دور شہرہ ہے۔ کیا آپ نے اپنے والد میکائیل سے کبھی اس کے متعلق تذکرہ نہیں سنا؟ بس یوں خیال کیجئے ۔وہ زہر کا پیالہ پی لیتی ہے اور کوئی اثر قبول نہیں کرتیں۔ ایک دفعہ اسی خانقاہ میں جنگل کا شیر آگیا اور ارقیہ کے پاؤں چاٹنے لگا۔ یہ میرا چشم دید واقعہ ہے۔"

میرانو:

"خداوند کا نام بلند ہو! بس کام ہوگیا۔! اب آپ جایئے اور مارگریٹ اور ارقیہ کو ہمارے پاس بھیج دیا جائے۔"

☆☆☆

تھوڑی دیر کے بعد مارگریٹ کو بڑے کمرہ میں جہاں تینوں سہیلیاں بیٹھی ہوئی تھیں پہنچادیا گیا۔ راہب نے کہا:

"فرانس کی شہزادی ارقیہ ذرا تھوڑی دیر میں اپنی ابتدائی ریاضت کو ختم کر کے تشریف لائیں گی۔"

یہ کہہ کر راہب صاحب تشریف لے گئے۔ اب مارگریٹ کے ساتھ میرانو، ہلینا اور حنانہ کو رازدارانہ گفتگو کرنے کا موقع مل گیا۔ چنانچہ موجودہ حالات کے بارے میں خوب خوب باتیں ہوئیں اور مارگریٹ کو اس مصیبت سے نجات دلانے کے لئے مختلف تدابیر پر غور کیا گیا۔ مارگریٹ کو یہ بھی مشورہ دیا گیا کہ وہ اس دائمی مصیبت سے بچنے کیلئے عارضی طور مسیحیت کا اقرار کرے یا کچھ نرمی اختیار کرے، لیکن مارگریٹ نے اس مشورہ کو ٹھکرادیا اور کہا:

"اسلام کی وجہ سے مجھ پر جو جو مصیبتیں نازل ہوں گی وہ انشاء اللہ! کفارہ سیئات اور ازدیاد ایمان کا موجب ہوں گی۔ اگر خدا کو مجھے ظالموں کے پنجہ سے چھڑانا ہی ہے تو وہ اس کے اسباب بھی مہیا کردے گا۔ ورنہ! اس کے فیصلہ پر کسی کو اختیار نہیں۔"

آخر غور وفکر کے بعد ایک تجویز پیش کی گئی جس پر سب نے اتفاق کیا اور تدبیر پختہ ہو جانے کے بعد سب لڑکیاں ریاضت میں مشغول ہوگئیں۔

مارگریٹ کی عبادت تو صرف یہ دعا تھی:

میرانو، ہلینا اور حنانہ حسب حال مختلف دعائیں کرنے لگیں۔ اتنے میں کمرہ میں فرانس کی مشہور راہبہ اور تارکہ ارقیہ داخل ہوئی جس کا سب نے استقبال کیا۔

ارقیہ:

"مجھے بڑا افسوس ہے کہ مارگریٹ نے خداوند کا دامن چھوڑ کر کفر کے ساتھ رشتہ جوڑ لیا ہے۔ خبر نہیں شیطان نے اس پر کیوں قبضہ جمایا۔ میں نے کل ہی خواب میں مسلمانوں کے بڑے بڑے عالموں کو جہنم میں جلتے دیکھا ہے۔ یہ کم بخت لڑکی بھی ان ہی میں شامل ہونا چاہتی ہے۔ اگر یہ خداوند کی صلیب کو پھر اپنے کندھوں پر اٹھا لے اور چند روز ہی میرے ساتھ رہے تو میں خداوند کی زیارت کرادوں گی۔"

میرانو:

"واقعی! بڑے شرم کی بات ہے کہ ہمارے روحانی باپ کی لڑکی اس طرح مرتد ہو جائے۔ آج ہم نے اسی لئے آپ کو تکلیف دی ہے کہ آپ اپنی روحانی توجہ سے مارگریٹ پر اثر ڈالیں اور اس کو خداوند کے قدموں میں لے آئیں۔ دلائل سے تو مارگریٹ خاموش نہیں ہوتی، مگر اب روحانی طریقہ سے اس کو مطمئن کرنے کی ضرورت ہے۔"

ارقیہ:

"بہتر ہے! آج ہی دعا اور ریاضت سے مارگریٹ کے قلب کو مریم عزرا کی طرف پھیرنے کی کوشش کی جائے گی اور مجھے یقین ہے کہ لڑکی صبح تک ٹھیک ہو جائے گی۔ میں دیکھ رہی ہوں کہ خداوند اپنی آغوش کھولے ہوئے مارگریٹ کی طرف ہاتھ بڑھا رہے ہیں اور مارگریٹ بھی ان کی گود میں جانے کیلئے تیار ہوگئی ہے۔ آپ گھبرائیے نہیں دیکھئے صبح تک کیا ہوتا ہے۔"

مارگریٹ نے کچھ بولنا چاہا، مگر ہلینا نے اشارہ سے منع کر دیا۔

ارقیہ یہیں تک اپنی کرامتوں کا اظہار کرنے پائی کہ دروازہ پھر کھلا اور وہی بڑا راہب اندر داخل ہوا اور میرانو سے مخاطب ہو کر کہنے لگا:

"اگر آپ کو چند راہبات کی اور ضرورت ہو تو وہ بھی حاضر کر دی جائیں۔"

میرانو نے کہا:

"آپ کی نوازش۔! ہمیں اب کسی راہبہ کی ضرورت نہیں ہے۔ البتہ! اگر آپ رات میں ایک دو دفعہ تشریف لا کر اپنے مشوروں سے مستفید فرمائیں تو آپ کی بڑی مہربانی ہوگی۔"

راہب نے وعدہ کیا کہ وہ دو دو گھنٹہ کے بعد ضرور حاضر ہوگا اور آپ کے ہر حکم کی تعمیل کرے گا۔ یہ کہہ کر وہ اُلٹے پاؤں پھر گیا اور دروازہ بند کر لیا گیا۔"

اب نصف رات ہونے میں ایک گھنٹہ باقی رہ گیا ہے۔ اس لئے تمام لڑکیاں ارقیہ کے ساتھ عبادت کرنے میں مشغول ہوگئیں۔ مریم عزرا کے بت کے سامنے ارقیہ کی نشست تھی اور دس دس قدم فاصلہ پر لڑکیوں نے اپنی نشستیں مخصوص کر لیں۔ میرانو نے مارگریٹ کی نشست اپنے قریب ہی مقرر کر لی، تا کہ اگر کوئی ضروری بات کہنی ہو تو آسانی کے ساتھ کہہ سکے اور کوئی دوسرا اس کو سننے نہ پائے۔

جب عبادت کو ایک گھنٹہ گزر گیا تو میرانو نے مارگریٹ سے بہت دھیمی آواز میں کہا:

"دیکھو! ہم جو کچھ بھی گفتگو کریں تم اس میں مداخلت نہ کرنا اور خاموشی سے سنتی رہنا اور ہماری ہر بات کو فوراً مان لینا۔"

یہ کہہ کر میرانو بھی خاموش ہوگئی۔ ارقیہ اپنے ولایت کے جوش میں عجیب عجیب حرکتیں کر رہی ہے۔ کبھی دونوں ہاتھوں کو آگے لے جاتی ہے، گویا وہ کسی کو اپنی آغوش میں لینا چاہتی ہے، کبھی آہ وزاری کرتی ہے اور کبھی چیخیں مارنے لگتی ہے۔ بار بار منہ سے یہ الفاظ نکال رہی ہے:

"ہاں! خداوند! تیرا نام مبارک ہو! اور روح القدس جلد ہماری دستگیری کرے۔!"

رات کا ایک بجا ہوگا کہ مارگریٹ کی سہیلی میرانو نے نہایت زور سے چیخ ماری اور بے ہوش ہوگئی۔ مارگریٹ اپنی جگہ پر نہایت استقلال سے جمی بیٹھی رہی، مگر ارقیہ، ہلینا اور حنانہ دوڑ کر فوراً اس کے پاس پہنچ گئیں اور پانی لے کر اس کے سر پر ڈالنے لگیں۔ ارقیہ نے پانی ڈالنے سے منع کیا اور کہا:

"میرانو نے یقیناً خداوند کی زیارت کی ہے اور ہماری آج کی عبادت یقیناً کامیابی پر ختم ہوگی۔ گھبراؤ نہیں۔ یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ خداوند ہماری خانقاہ میں آئے۔"

مارگریٹ کے پاس جا کر کہا:

"کیوں بھئی مارگریٹ! کیا اب بھی تم کو خداوند کی صلیب اٹھانے میں کوئی عذر ہے۔؟"

مارگریٹ نے کوئی جواب نہیں دیا اور خاموشی سے سنتی رہی۔ مارگریٹ کی خاموشی نے ارقیہ کو اور بھی یقین دلایا کہ واقعی خداوند نے یہاں نزول فرما کر مارگریٹ پر برکت کی نظر ڈالی ہے۔

الغرض میرانو بدستور بے ہوش ہے۔ اتنے میں بڑا راہب کمرہ میں داخل ہوا اور گھبرا کر دریافت کیا:

''ہیں! یہ کیا ہوا۔؟''

ارقیہ نے فوراً اپنی وہم پرستی کی داستان سنانی شروع کر دی اور نہایت وثوق سے کہنا شروع کر دیا کہ میرانو پر خداوند نے نزول فرمایا ہے۔ راہب نے سنتے ہی ارقیہ کے بیان کی تصدیق کی، کیونکہ وہ پہلے ہی سے ارقیہ کی ولایت کا قائل تھا۔ آخر کوشش کر کے میرانو کو ہوش میں لایا گیا اور حواس درست ہونے پر راہب نے یوں سلسلہ کلام شروع کیا:

''میرانو! کہو کیا حال ہے۔؟ کوئی خوشخبری تو سناؤ۔''

میرانو نے ارقیہ کی طرف اشارہ کر کے کہا:

''بس آپ کی کرامت اور برکت کا ظہور ہے۔ آپ کی توجہ نے روح القدس سے آج میری ملاقات کرا دی۔''

ارقیہ:

''خداوند کا نام بلند ہو! مسیح مصلوب کا نام مبارک ہو۔!''

راہب:

''ہاں ہاں!!! تو پھر آپ نے کیا دیکھا۔؟''

میرانو:

''میں عبادت میں مشغول تھی کہ یکا یک ایک نہایت خوبصورت اور شکیل انسان میری طرف دوڑا اور اس نے مارگریٹ کی طرف غور سے دیکھا جس کے بعد اس کے چہرہ سے مسکراہٹ نمایاں ہو گئی۔''

راہب:

''مبارک! مبارک۔!''

میرانو:

''میں اس انسان کو غور سے دیکھ رہی تھی کہ وہ میری طرف متوجہ ہوا اور میں نے اس کے چہرہ پر ایک نشان دیکھا جس پر نورانی حروف میں لکھا ہوا تھا۔ ''روح القدس''

یہاں مارگریٹ کو بلا اختیار ہنسی آ گئی، مگر اس نے ہنسی کو کھانس کر مشتبہ بنا دیا۔

ارقیہ:

''اے خداوند! تیرا نام مبارک ہو!''

میرانو:

''اس کے بعد اس نے ایک شیشی نکالی اور مارگریٹ کے سر پر اس میں سے چند قطرے ٹپکائے۔''

راہب:

''یقیناً وہ ایمان کے قطرے تھے! مارگریٹ! تیری قسمت جاگ اٹھی۔!''

میرانو:

''اس کے بعد روح القدس نے مجھ سے دو باتیں فرمائیں۔''

راہب:

''فرمایئے! وہ باتیں کیا تھیں۔ جلدی فرمایئے۔!!!''

میرانو:

''انہوں نے کہا کہ قرطبہ کے جنوب میں جو مقدس گرجا ہے اور جو آج کل ویران پڑا ہوا ہے اور جس میں مقدس اولیاء کی ہڈیاں زائرین اور برکت چاہنے والوں کیلئے رکھی ہوئی ہیں۔ میں وہاں جاتا ہوں اور دیکھو خداوند! تمہارا وہاں انتظار کر رہے ہیں اور اپنی برکتوں کا ہاتھ پھیلائے ہوئے ہیں۔''

ارقیہ:

''مصلوب خداوند! تیرا نام بلند ہو۔! مقدس مریم کی قسم! کیا مبارک کشف ہے اور میں نے تو یہاں قدم رکھتے ہی خداوند کی زیارت کر لی تھی۔ دیکھا میرانو کے کشف

نے میری کیسی تصدیق کر دی۔"

راہب:

"اچھا! اب دوسری بات بتاؤ کہ روح القدس نے کیا فرمایا۔؟"

میرانو:

"دوسری بات......"

راہب:

"ہاں! جلدی بتاؤ! مبارک ہو پاک خداوند کا نام۔!"

میرانو:

"دوسری بات یہاں نہیں بتائی جا سکتی، کیونکہ مجھے یہی حکم ہوا ہے۔"

راہب:

"کیا روح القدس نے یہ فرمایا کہ دوسری بات کا اظہار نہ کرنا۔؟"

میرانو:

"ہاں! یہ فرمایا ہے کہ سب آدمیوں کے سامنے اس کا اظہار نہ کرنا۔"

راہب:

"اچھا یہ تو بتا دو کہ وہ کسی شخص کے متعلق ہے۔ یا کسی کام کے متعلق۔!"

میرانو:

"میں اتنا ہی بتا دیتی ہوں کہ وہ آپ کے متعلق ہے۔ اے مقدس باپ! مبارک ہو! ہمیں کیا معلوم تھا کہ خداوند کے ہاں آپ کا درجہ اتنا بلند ہے۔"

چونکہ راہب اور رومن کیتھولک مذہب کے بڑے پادری سریع الاعتقاد اور خوش فہم ہوتے ہیں، اس لئے دیگر باتوں کی طرح راہب اس بات پر بھی ایمان لے آیا اور مارے خوشی کے اچھل پڑا اور میرانو کی زبان سے یہ سن کر کہ ہمیں کیا معلوم تھا کہ خداوند کے ہاں آپ کا درجہ اتنا بلند ہے، ارقیہ راہب کے قدموں پر گر پڑی اور اس کے قدموں سے اپنے ماتھے کو رگڑنے لگی۔ راہب نے بھی جو خوشی اور مسرت کا مظہر کامل بنا ہوا سکتہ کے عالم میں

کھڑا تھا، یہ الفاظ منہ سے نکالے:

"بیٹی! اطمینان رکھ! تو بھی میرے ساتھ جنت میں ہوگی۔"

الغرض مسرت اور ابتہاج کے اظہار میں دو گھنٹہ کے قریب گزر گئے اور ہوش آنے کے بعد ارقیہ نے راہب سے کہا:

"تو ہاں! اب ہم کو کیا کرنا چاہیے۔؟"

راہب:

"اپنے خداوند کی تلاش میں اسی جگہ چلنا چاہیے جہاں کیلئے میرانو کو حکم ہوا ہے۔"

راہب نے مارگریٹ کی طرف مخاطب ہو کر کہا:

"ارے لڑکی! سچ تو یہ ہے کہ تیری ہی وجہ سے آج ہم پر روح القدس کا نزول ہوا ہے۔ یقیناً تو خداوند سے ملاقات کرتے ہی ولیہ بن جائے گی اور بادشاہ تیرے کپڑوں سے برکت ڈھونڈیں گے۔"

میرانو:

"کیا ہمیں اس پرانے کلیسا میں جانے کی ضرورت ہے۔ جہاں کے لئے روح القدس نے ارشاد فرمایا تھا۔؟"

راہب:

"بھولی لڑکی! کیا اب بھی تم کو وہاں جانے میں شک ہے، جب کہ مقدس روح کہہ چکی ہے کہ صبح ہونے سے پہلے ہی اس مقام پر پہنچنا چاہیے۔"

میرانو:

"اچھا تو مارگریٹ کو تہ خانہ میں بند کر دو اور چلنے کا سامان کرو۔"

راہب:

"واہ واہ! جس کیلئے مقدس روح یہاں آئی اور ہم کو خداوند سے ملاقات کرنے کا شرف حاصل ہو، اس کو تم یہاں چھوڑے جاتی ہو۔؟ دیکھو! مارگریٹ پر خداوند کا خاص فضل ہوا ہے۔ جس طرح مقدس پولوس پر فضل ہوا تھا کہ باوجود خداوند تعالیٰ سے

انتہائی دشمنی کرنے کے ان پر فضل و کرم ہوا۔ بس اٹھو اور مارگریٹ کو ساتھ لو اور کلیسا کو چلو۔"

حنانہ:

"اگر مارگریٹ راستہ میں کہیں گم ہو جائے تو۔؟"

راہب نے ہنس کر کہا:

"خوب! پھر خداوند نے اپنی مقدس بارگاہ میں یوں ہی بلایا ہے۔؟ گویا خداوند کو اتنی بھی خبر نہیں کہ جس کو میں بلا رہا ہوں وہ بھاگ جائے گی۔"

ارقیہ:

"میرے خیال میں اب تاخیر مناسب نہیں، کیونکہ روح نے فرمایا ہے کہ بہت جلد وہاں پہنچو۔ اے لو! میں تو پیارے روح القدس کو دیکھ رہی ہوں۔! اے خداوند تیرا نام مبارک!"

سب نے ہم آواز ہو کر کہا:

"خداوند! تیرا نام مبارک ہو!"

راہب:

"اچھا! میں خانقاہ کے گدھوں کو کھلوا کر باہر کھڑا کراتا ہوں۔ اتنے میں تم تیار ہو جاؤ۔ گدھے بھی بس برق رفتار ہیں۔ آدھ گھنٹہ میں وہاں پہنچا دیں گے۔"

یہ کہہ کر راہب نے چند خادموں کو بلا کر گدھوں کو باہر نکالنے کا حکم دیا۔ چنانچہ فوراً اس حکم کی تعمیل کی گئی اور اپنے چلنے کو راز میں رکھا اور کسی پر ظاہر نہ ہونے دیا۔ راہب صاحب بڑے خوش تھے کہ مارگریٹ وہاں پہنچتے ہی خداوند مسیح کی زیارت کرتے ہی اپنے گناہوں سے توبہ کر کے مسیح کی صلیب کو فوراً اٹھا لے گی اور اسقف اعظم اس معجزہ کو دیکھ کر حیران رہ جائیں گے۔

اب سب چلنے کو تیار ہو گئے اور مارگریٹ، حنانہ، ہلینا، میرانو، ارقیہ اور راہب برق رفتار گدھوں پر سوار ہو گئے۔ میرانو کے کہنے سے احتیاطاً مارگریٹ کو وسط میں رکھ کر روانگی

ہوئی۔ اور پون گھنٹے کے بعد یہ سب حضرات کلیسائے پطرس میں پہنچ گئے۔ اس کلیسا میں ان مسیحی شہداء کی لاشوں اور ہڈیوں کو رکھا جاتا تھا جو عالم مسیحیت میں ممتاز درجہ رکھتے تھے۔ یہاں دور دور سے مسیحی خواتین برکتیں حاصل کرنے کیلئے آیا کرتی تھیں۔

صبح صادق کے نمودار ہونے میں ابھی بہت وقت باقی ہے اور کلیسا کا خوفناک منظر دلوں میں استہزاز اور خوف پیدا کر رہا ہے۔ ارقیہ اور راہب دو بڑے ڈھانچوں کے سامنے کلیسا میں گھستے ہی گر پڑے اور چیخیں مار مار کر رونے لگے، کیونکہ ان کو توقع تھی کہ صبح سے پہلے پہلے خداوند کی زیارت ہوگی اور روح القدس ان کو اپنے سینے سے لگائے گا۔

ادھر تو نالہ نیم بے ہوشی کا بازار گرم تھا اور دوسری طرف مارگریٹ اور اس کی تینوں سہیلیاں کسی اور ہی تدبیر میں مشغول تھیں۔ یکایک چاروں لڑکیوں نے ایک رسی لی، بہت سی پرانی روئی اپنی جیبوں سے نکالی اور فوراً راہب کو جو کسی ولی کے ڈھانچہ کے سامنے پڑا آہ و بکا کر رہا تھا، جا کر پکڑ لیا۔ دو لڑکیوں نے راہب کے ہاتھ پکڑے اور دو نے پیر، ہاتھ اور پیر کو رسی سے خوب جکڑ دیا اور منہ میں روئی ٹھونس دی۔ وہ بچارا اس ناگہانی آفت پر واویلا بھی نہ مچا سکا۔

ارقیہ ایک دوسرے بت کے سامنے خداوند کی زیارت کے شوق میں سجدہ ریز تھی۔ راہب کا انتظام کرنے کے بعد یہ لڑکیاں ارقیہ کے پاس گئیں اور اس کے کان میں جا کر کہا:

"مقدس بہن! آؤ میں تم کو خداوند کی زیارت کراؤں۔!"

یہ سنتے ہی ارقیہ وفورِ جوش سے ایک دم کھڑی ہو گئی اور جب بے بس راہب کے پاس پہنچی تو اس کے منہ سے بے ساختہ نکلا:

"ہیں! یہ کیا۔؟"

مارگریٹ:

"یہ تمہارے خاوند ہیں جس کی زیارت کیلئے تم یہاں آئی ہو۔"

یہ کہہ کر سب نے ارقیہ کو اپنے مستقبل سے آگاہ کیا اور اس کو اسلام کی تبلیغ کی اور کہا کہ اگر تم کو روح حق اور انسان کامل کی زیارت کرنی ہے تو لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھو!

ورنہ تمہارا مصنوعی خداوند قیامت تک تم کو نظر نہ آئے گا۔ یہ کہہ کر چاروں سہیلیاں گدھوں پر سوار ہو کر بسرعت روانہ ہو گئیں۔

ان کے چلے جانے کے بعد ارقیہ سکتہ کے عالم میں کھڑی رہی، گویا اس کا عقل و شعور کھو گیا۔ آخر تمتماتی موم بتی کی روشنی میں راہب نے اس کو کسی طرح اشارہ کر کے متوجہ کیا اور ارقیہ نے اول تو اس کے منہ سے روئی نکالی اور پھر اس کے ہاتھ پیر کھولے۔ چیخنے چلانے پر دیگر زائرین اپنے اپنے حجروں سے باہر نکل کر آئے، مگر مارگریٹ اور اس کی سہیلیاں ان کو کہاں نظر آتیں۔

مارگریٹ اپنی تینوں سہیلیوں کے ساتھ کلیسائے پطرس سے نکل کر اور اپنے برق رفتار گدھوں کو سرپٹ دوڑا کر سیدھی زین العابدین کے مکان پر پہنچیں اور زین العابدین اور دیگر علماء کو گزرے ہوئے جملہ واقعات کی اطلاع دی۔

حضرت زیاد بن عمر کو بھی ان دلچسپ واقعات سے مطلع کیا گیا۔ تمام مسلمانوں نے میرانو کی دانش مندی پر حیرت کا اظہار کیا اور عیسائیوں کے مظالم سے نجات پانے پر چاروں مہمانوں کو مبارکباد دی۔

حضرت زیاد بن عمر کی مجلس میں یہ چاروں لڑکیاں حاضر ہوئیں۔ جہاں اور بھی بڑے بڑے علماء، فلاسفر، اطباء، مفسرین، محدثین، ارباب لغت و آئمہ رجال بھی تشریف فرما تھے۔ چونکہ قریب قریب جملہ مسلمانوں کو مارگریٹ کے حالات کا علم تھا اور دوسرے تیسرے روز زین العابدین کے پاس خبریں پہنچ جایا کرتی تھیں۔ اس لئے اس مجلس میں بیک وقت ان تمام خواتین کی موجودگی نے جملہ حاضرین میں خوشی و مسرت کی برقی لہر دوڑا دی اور ہر شخص ان کی دلچسپ اور سبق آموز تقریروں کو سننے میں ہمہ تن مصروف ہو گیا۔

☆☆☆

قید سے آزادی ملنے کے بعد بھی راہب پر مدہوشی کا عالم طاری رہا۔ ادھر راہبہ سراسیمہ چاروں طرف دوڑتی رہی۔ زائرین حجروں میں قیام پذیر تھے۔ جب ان کو اس واقعہ کا علم ہوا تو بیچارے سر پیٹنے لگے اور حسبِ عادت ولیوں کے ڈھانچوں کے سامنے کھڑے ہو کر زار و قطار رونے لگے۔ جب ماتم سرائی ختم ہوئی اور راہب اور راہبہ کا شعور بیدار ہوا تو زائرین کے دو گدھوں پر سوار ہو کر خانقاہ روانہ ہو گئے۔ خانقاہ میں قدم رکھتے ہی تمام راہبوں اور راہبات نے ان کا استقبال کیا، لیکن جب ان دونوں کے چہروں پر شرمندگی، ندامت اور شکست کے آثار دیکھے تو وہ بھی حیرت زدہ رہ گئے۔ اتنے میں ایک شخص جرأت کر کے آگے بڑھا اور راہب سے اس طرح گویا ہوا:

”حضور! مقدس باپ نے یہ رقعہ بھیجا ہے اور فرمایا ہے کہ اس کا جواب جلدی لے کر آؤ۔“

راہب سر پکڑ کر کہنے لگا:

”ہائے! میں کس طرح مقدس باپ کو اپنی صورت دکھاؤں گا۔؟ افسوس! شیطان لعین نے دھوکہ دیا۔ ہاں! وہی شیطان جس نے خداوند کو بھی بغیر آزمائے نہیں چھوڑا تھا۔ خبیث مارگریٹ اور ملعون لڑکیو!، لعنت ہو تم پر! او شیطان کی بچیو! تم خود بھی گمراہ ہوئیں اور ہم کو بھی شرمندہ کیا۔ اے خداوند! تو دیکھ رہا ہے کہ تیرے مقدسوں کے ساتھ کیسا سلوک کیا گیا۔؟“

راہب کے اس واویلا کو سن کر خانقاہ کے تمام راہب سکتہ میں رہ گئے اور ایک دوسرے کو تکنے لگے۔ آخر راہب نے ”مقدس باپ“ کا رقعہ لرزتے ہوئے ہاتھوں سے کھولا اور مندرجہ ذیل عبارت پڑھی:

"مارگریٹ کو سمجھانے کیلئے اس کی تین سہیلیاں خانقاہ میں گئی تھیں جس کی اطلاع میں نے تم کو دے دی تھی۔ میرا خیال ہے کہ مارگریٹ کا واپس ہونا مشکل ہے۔ اگر اب بھی اس کی وہی کیفیت ہو تو اس کو محکمہ احتساب کے سپرد کرو۔ اس غرض کیلئے میں چند آدمی آج شام تک تمہارے پاس بھیجوں گا۔ تم لڑکی کو ان کے حوالہ کر دینا۔ اب تم تینوں لڑکیوں کو واپس بھیج دو۔ ایسا نہ ہو کہ شیطان ان کو بھی ورغلائے اور مارگریٹ کے پھندے میں وہ بھی آجائیں۔"

اس عبارت کو پڑھ کر راہب زار و قطار رونے لگا۔ رونے دھونے سے فارغ ہو کر اس نے کہا:

"میں اس کا جواب کیا دوں...؟ میں خود ہی مقدس باپ کی خدمت میں حاضر ہوتا ہوں، تاکہ میں ان کو بتاؤں کہ شیطان کس طرح مقدسین کی آزمائش کیا کرتا ہے۔"

یہ کہہ کر وہ چلنے کیلئے کھڑا ہو گیا اور اپنے ساتھ فرانس کی ولیہ راہبہ کو بھی لے لیا۔ اسقف اعظم کے مکان پر پہنچ کر راہب نے رو رو کر تمام واقعات بیان کرنے شروع کر دیئے۔ اسقف اعظم خاموشی کے ساتھ سنتا رہا۔ جب راہب تمام واقعات بیان کر چکا تو اسقف اعظم نے دریافت کیا:

"جب میں نے تم کو یہ ہدایت کر دی تھی کہ مارگریٹ کی سختی کے ساتھ نگرانی کرتے رہنا، پھر تم لڑکیوں کے دھوکہ میں کیوں آگئے؟ اور تم نے ان کے جھوٹے کشف پر اعتبار کر کے خانقاہ کو کیوں چھوڑا...؟ اگر ایسی حالت پیش آگئی تھی تو مجھے اطلاع کر دینی چاہیے تھی۔"

راہب:

"مقدس باپ! میں اس کا کیا جواب دے سکتا ہوں...؟ بے شک ہم سے قصور ہوا اور ہم شیطان کے دھوکہ میں آگئے۔"

اسقف اعظم:

"اچھا! یہ بتاؤ کہ خانقاہ میں رہنے والے وہ کون کون سے راہب ہیں جو اس سازش میں شریک ہیں۔"

راہب:

"سازش میں تو کوئی بھی شریک نہیں اور ہم نے تو احتیاطاً اس امر کی کسی کو اطلاع بھی نہ دی تھی۔ صرف میں اور یہ راہبہ جن کے تقدس کی دنیا قائل ہے، اس واقعہ میں شریک تھیں۔"

اسقف اعظم نے اپنے ملازم سے کہا:

"ذرا میکائیل اور پطرس کو تو بلا کر لاؤ! ان سے کہنا کہ تمام کاموں کو چھوڑ کر چلے آئیں۔"

ملازم چلا گیا اور تھوڑی دیر بعد میکائیل، پطرس اور دو تین پادری 'مقدس باپ' کے مکان پر پہنچ گئے۔ اسقف اعظم نے میکائیل سے یوں خطاب کیا:

"میری لڑکی مارگریٹ کے ساتھ آپ کی صاحبزادی میرانو بھی چمپت ہو گئی...!"

میکائیل:

"ہیں! مقدس باپ! یہ کیا فرمایا...؟"

اسقف اعظم:

"مارگریٹ اور میرانو ہی نہیں، بلکہ حنانہ اور ہلینا بھی خانقاہ والوں کو دھوکہ دے کر روانہ ہو گئیں۔"

میکائیل:

"مقدس باپ! جلدی ارشاد فرمائیے...! واقعہ کیا ہوا...؟"

اسقف اعظم نے راہب سے کہا:

"ان کو بھی واقعہ سنا دو...!"

چنانچہ راہب نے رو رو کر تمام واقعہ از اول تا آخر پوری تفصیل سے بیان کیا جس پر میکائیل اور پطرس بھی رو پڑے۔

اسقف اعظم:

"روتے کیوں ہو...؟ لعنت بھیجو ان خبیث روحوں پر...! صرف افسوس اس بات کا ہے کہ مارگریٹ محکمہ احتساب کی گرفت سے چھوٹ گئی۔"

میکائیل:

"مقدس باپ! یہ معمولی واقعہ نہیں ہے۔ تمام قرطبہ میں عیسائیوں کی سخت بدنامی ہوگی اور ہم کو شکل دکھانے کی بھی جگہ نہ رہے گی۔"

اسقف اعظم:

"اچھا! اب اس بات کا پتہ لگاؤ کہ یہ چاروں لڑکیاں کہاں گئیں۔؟ اس کیلئے ہمیں بہت جلد کارروائی شروع کر دینی چاہیے۔"

جس روز اسقف اعظم سے راہب کی گفتگو ہوئی ہے، اس کے تیسرے روز ایک رات کو شب کا ایک ثلث حصہ گزر جانے کے بعد قرطبہ کے بڑے کیتھڈرل میں شہر کے تمام پادری اور پرجوش عیسائی جمع ہونے لگے۔ اس سے پیش تر مخفی طور پر سب کو اس بڑے کیتھڈرل میں جمع ہونے کی ہدایت کر دی گئی تھی۔ بظاہر کسی بڑے مجمع کا سامان نظر نہیں آتا تھا، کیونکہ نہ تو روشنی کا کوئی اہتمام تھا اور نہ فرش اور صلیب وغیرہ کا کوئی انتظام کیا گیا تھا۔ لوگ برابر آتے جاتے تھے اور خاموشی اور متانت کیساتھ گرجا کے بڑے ہال میں مقدس قربان گاہ کے سامنے بیٹھتے جاتے تھے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس خاص جلسہ میں حاضر ہونے کیلئے خفیہ طریق پر ہر عیسائی کو اطلاع دے دی گئی تھی۔

قربان گاہ پر ایک بڑی صلیب نصب تھی جس پر جناب مسیح لٹک رہے تھے اور صلیب کے نیچے مریم بتول بڑی حسرت کے ساتھ گھٹنے ٹیکے ہوئے، اطاعت کا مظاہرہ کر رہی تھیں۔ کیتھڈرل کی تمام دیواریں گزشتہ پادریوں اور حواریوں کی تصاویر سے رومی اور مصری بت پرستی کا مرقع بنی ہوئی تھیں۔ ان ہی پادریوں کے نیچے تمام حاضرین ادب اور خاموشی کے ساتھ آآ کے بیٹھتے رہے۔ نن یا وہ کنواریاں جو پاک نفس راہبوں کا دلچسپ مشغلہ ہوتی تھیں۔ وہ بھی پادریوں کے جھرمٹ میں نظر آنے لگیں۔ اسقف اعظم جو اس کیتھڈرل کا سردار اور مارگریٹ کا باپ تھا، بڑے تپاک سے سب مہمانوں کا استقبال کر رہا تھا۔ ان تمام کارروائیوں کے باوجود خاموشی اور متانت کا یہ عالم تھا کہ باہر سے کسی کو یہ محسوس نہ ہوتا تھا کہ اندر کچھ ہو رہا ہے، تاہم اس خفیہ جلسہ کی اطلاع بھی کسی طرح مسلمانوں کو مل گئی اور پادریوں کا یہ راز چھپا نہ رہ سکا۔ اسقف اعظم اور میکائیل دروازہ پر کھڑے ہوئے پرجوش

عیسائیوں کو اشارہ سے خاموش رہنے کی ہدایت کر رہے تھے اور لوگ تھے کہ برابر چلے آرہے تھے۔ کیتھڈرل میں کئی ہزار عیسائی جمع ہو چکے تھے، مگر اسقف اعظم لوگوں کی مزید آمد کے منتظر تھے۔

کیتھڈرل میں عین مسیح مصلوب کے بت کے نیچے ایک شخص نے اپنے روبرو والے سے کہا:

"بھائی! خداوند کا نام مبارک ہو! دیکھو! یہ ایک لفافہ ہے، جو مقدس باپ کو دینا ہے اور جلسہ کے آغاز سے پیشتر ہی دینا ہے، مگر مجھے میکائیل نے حکم دیا ہے کہ تم فلاں فلاں پادریوں کو بلا کر جلد لاؤ۔ اب مجھے اس حکم کی بھی تعمیل کرنی ہے۔ اس لئے اگر آپ تکلیف فرما کر یہ رقعہ مقدس باپ کو یہاں آتے ہی دیدیں تو بڑی مہربانی ہوگی۔"

دوسرا شخص:

"بڑی خوشی سے! جناب! اتنے سے کام کیلئے اتنی لمبی گفتگو کی کیا ضرورت تھی۔؟ آپ اطمینان رکھیں۔ یہ ملفوف مقدس باپ کو یہاں آتے ہی دے دیا جائے گا۔"

شخص:

"بہت بہت شکریہ! اچھا! اب میں جا کر اپنے فرض کو انجام دیتا ہوں۔"

یہ کہہ کر شخص مذکور کیتھڈرل سے آنکھ بچا کر اور کسی بہانہ سے نکل گیا۔

اب گرجا عیسائیوں اور پادریوں سے کھچا کھچ بھر چکا ہے اور یہ اطمینان بھی ہو گیا ہے کہ اب اور کوئی آنے والا نہیں ہے۔ جب سب لوگ آ گئے تو اس امر کی تفتیش کی گئی کہ اس جلسہ میں کوئی کافر (مسلمان) تو نہیں ہے۔؟

اکثر پادریوں نے تمام مجمع میں پھر کر اور ایک ایک کو دیکھ کر اپنا اطمینان کر لیا۔ اس کے بعد حکم دیا گیا کہ کیتھڈرل کے تمام دروازے بند کر دیئے جائیں اور جلسہ کی کارروائی شروع کی جائے۔ عیسائیوں کے جوش و خروش کا یہ عالم تھا کہ اگر ان کو خاموش رہنے کی ہدایت نہ کی گئی ہوتی تو ایک طوفان بپا ہو جاتا۔ مزید اطمینان کے لئے چند معتمد لوگ گرجا کے باہر کھڑے کر دیئے گئے کہ باہر سے کوئی شخص جلسہ کی کارروائی نہ سن سکے۔ جب یہ تمام کام تکمیل کو پہنچ گئے تو اسقف اعظم مع میکائیل اور دس بارہ پادریوں کے اونچے مقام پر کھڑے

ہو گئے۔ اتنے میں اگلی صف میں سے ایک شخص اٹھا اور اس نے خاموشی سے اسقف اعظم کے ہاتھ میں وہی ملفوف پکڑا دیا جو ایک شخص اس کو پیش کرنے کیلئے دے گیا تھا۔ ملفوف کھولنے اور پڑھنے سے پیشتر اسقف اعظم نے متین آواز میں کہا:

"میرے بچو اور بچیو! آج ایک نہایت اہم مقصد کیلئے تم کو یہاں آنے کی تکلیف دی گئی ہے، جس کو پادری میکائیل آپ کے سامنے پیش کریں گے۔ آپ سکون و اطمینان کے ساتھ پادری صاحب کی تقریر سنیں۔"

چنانچہ پادری میکائیل تقریر کرنے کیلئے کھڑے ہوئے اور ادھر اسقف اعظم نے بیٹھے بیٹھے ملفوف کو کھول کر پڑھنا شروع کر دیا۔ پادری صاحب نے چند سطریں ہی پڑھی ہوں گی کہ ان کے منہ سے بے ساختہ ایک چیخ نکلی، ایک دم کھڑے ہو گئے اور مارے غصے کے تھر تھر کانپنے لگے۔ تمام مجمع متحیر ہو کر اسقف اعظم کی طرف دیکھنے لگا اور میکائیل کو بھی اپنی تقریر روک دینا پڑی۔ کچھ وقفہ کے بعد "مقدس باپ" نے ارشاد فرمایا:

"دیکھو! ابھی ابھی کسی شخص نے مجھے مارگریٹ کا یہ خط دیا ہے، جس میں اس نے ہم سب کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی ہے۔ یہ ملفوف کس نے مجھے دیا ہے۔؟"

ایک عیسائی:

"مقدس باپ! میں نے دیا ہے اور ایک شخص اس کو آپ کی خدمت میں پیش کرنے........"

یہ غریب جملہ پورا بھی نہ کرنے پایا تھا کہ چاروں طرف سے ایک ہنگامہ دار و گیر بپا ہو گیا۔ اور اس پر چاروں طرف سے گھونسے مکے اور لاتیں پڑنے لگیں۔ ہزاروں انسانوں کا مجمع اور پھر باری باری سے گھونسوں اور لاتوں کا پڑنا اس غریب کیلئے قیامت سے کم نہ تھا۔ بہتیرا چلاتا تھا کہ میرا اس میں کیا قصور ہے؟ مگر آج جوش و خروش کے عالم میں اس صدا کو کون سنتا تھا۔؟ آخر جب وہ بے ہوش ہو گیا تو اس کو ٹانگوں سے پکڑ کے کیتھڈرل کی ایک کوٹھڑی میں بند کر دیا گیا۔ اس کے بعد ہنگامہ بڑی مشکل سے فرو ہوا۔ سکوت کے بعد اسقف اعظم خود کھڑے ہوئے اور فرمایا:

"یہ شخص مسلمان معلوم ہوتا ہے۔ جو ہماری صورت بنا کر اور ہمارا لباس پہن کر جاسوسی

کرنے کی غرض سے یہاں آ گیا ہے۔ خیر اس کے متعلق تو کل دیکھا جائے گا اب تو یہ دیکھنا ہے کہ جن لڑکیوں کیلئے یہ جلسہ منعقد کیا گیا ہے، وہ خود ہم کو اسلام جیسے خونی اور وحشی مذہب کی تبلیغ کر رہی ہیں۔ بتاؤ! اب ہم کس طرح ان کو نکالنے میں کامیاب ہو سکتے ہیں اور ان کے رجوع کرنے کی اب کون سی امید باقی رہ گئی ہے۔"

میکائیل نے کھڑے ہو کر کہا:

"بھائیو! جس غرض کیلئے یہ خفیہ جلسہ طلب کیا گیا تھا۔ اس پر مارگریٹ کی اس تازہ تحریر نے پانی پھیر دیا ہے۔ اس کے بعد ہم کیا کر سکتے ہیں۔؟ سوائے اس کے کہ صبر کریں اور خداوند سے دعا کریں کہ وہ اس کو یا تو اپنے سایہ میں لے لے یا جلد جہنم رسید کرے۔"

اسقف اعظم نے کھڑے ہو کر فرمایا:

"اچھا! اس شخص کو ذرا یہاں تو لاؤ۔ ممکن ہے دباؤ میں آ کر وہ باتیں ہم کو بتا دے۔ گو ہم جانتے ہیں کہ مسلمان بہت سخت ہوتے ہیں اور وہ آسانی سے اپنا بھید نہیں بتایا کرتے، تاہم اس وقت وہ ہمارے قبضہ میں ہے۔ شاید وہ ڈرانے دھمکانے سے مقصد بر آ ہو جائے۔"

اس کے بعد اس بے چارے ملزم کو کیتھڈرل کی کوٹھڑی سے نکال کر سٹیج پر لایا گیا۔ غریب مارے زخموں کے نڈھال ہو رہا تھا۔

اسقف اعظم نے دیکھ کر کہا:

"ہیں۔ یہ تو شالی گرجا کے پادری اور میرے بھتیجے ہیں!! ارے توبہ ان کا تو سانس چل رہا ہے۔!"

الغرض جب بچارے مجروح کو شناخت کر لیا گیا تو تمام پادریوں کو سخت افسوس ہوا۔ دوسرے روز جب اس کو ہوش آیا تو اس نے اصل واقعہ بیان کیا اور بتایا کہ کس طرح ایک شخص اس کو مکتوب دے کر بسرعت تمام گرجا سے چلا گیا۔ اس واقعہ کو سن کر تمام پادری سمجھ گئے کہ یہ مسلمانوں کی "شرارت" ہے، لہٰذا وہ مارگریٹ اور اس کی سہیلیوں کی طرف سے بھی مایوس ہو گئے۔ رات کا خفیہ جلسہ بھی ناکام رہا اور گڑبڑی میں کوئی بات طے نہ ہو سکی۔ یہاں

وہ خط درج کیا جاتا ہے۔ جو مارگریٹ نے اپنے والد کو لکھا اور جس میں پادریوں کو اسلام کی دعوت دی گئی ہے۔ خط حسب ذیل ہے:

''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم الحمدللہ رب العالمین۔ سب تعریفیں اللہ رب العالمین کے لئے ہیں جس نے زمین و آسمان اور کائنات کے ذرہ ذرہ کو اپنی قدرت کاملہ سے پیدا کیا اور جس نے جسمانی نظام کے ساتھ ساتھ روحانی نظام بھی اپنی وحی اور انبیاء علیہم السلام کے ذریعے قائم کیا۔ ہزاروں ہزار درود اور سلامتی ہو اس مقدس اور مزکی پیغمبر پر جس نے آ کر دنیا کو گمراہی اور تاریکی سے نکال کر اس پر روحانی آفتاب چمکایا اور ہم کو صراط مستقیم کی ہدایت فرمائی۔ جس پر سارے انبیاء اور صلحاء چلتے رہے اور جس پر چلنے والا بلا ریب خدا کا قرب حاصل کر لیتا ہے اور اس کو دائمی امن و سلامتی حاصل ہو جاتی ہے۔

اے میرے والد محترم! آپ کو واضح ہو کہ میں نے دین اسلام غور و فکر کے بعد قبول کیا ہے، کیونکہ میری تحقیق میں یہی مذہب افراط اور تفریط سے محفوظ اور اعتدال و اقتصاد کی تعلیم دینے والا ہے۔ مسیحی مذہب کو میں نے اس لئے ترک کیا کہ وہ افراط و تفریط میں مبتلا اور جملہ انبیاء کی تعلیم کا نقیض واقع ہوا ہے۔ مختصراً ذیل کے تقابل سے آپ پر اصل حقیقت روشن ہو جائے گی:

1: اسلام کی تعلیم ہے کہ خدا اپنی ذات و صفات میں وحدہ لاشریک ہے۔ وہ بے مثل ہے اور تمام حسنات و کمالات کا جامع ہے۔ قرآن حکیم کہتا ہے کہ خدا ایک ہے، جو مستغنی اور بے پرواہ ہے۔ نہ وہ کسی کا بیٹا ہے اور نہ اس کا کوئی بیٹا ہے۔ اس کی برابری کرنیوالا بھی کوئی نہیں وہ حی اور قیوم ہے۔ سونے، اونگنے، کھانے پینے اور حاجات بشری سے پاک ہے۔ غرض اس کے محامد کہاں تک بیان کئے جائیں۔ اس کیلئے آپ قرآن حکیم کا مطالعہ فرمائیں۔

اس کے خلاف مسیحی مذہب کا عقیدہ ہے کہ خدا ایک نہیں تین ہیں، باپ، بیٹا اور روح القدس۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا کے اکلوتے بیٹے ہیں۔ وہ بھی باپ کی طرح خالق، ازلی اور ابدی ہیں، حالانکہ انجیل شریف میں بھی لکھا ہے کہ حضرت کھانے پینے ،سونے، جاگنے، آب و ہوا سب کے محتاج تھے اور تمام انسانی حاجات آپ میں موجود

نہیں۔ اگر خدا بھی انسان کی طرح تمام چیزوں کا محتاج ہے تو وہ خدائی کے لائق کس طرح ٹھہرا اور خدا اور انسان میں امتیاز کیا رہا؟ قرآن نے صاف صاف اعلان کر دیا کہ حضرت مسیح کو خدا یا خدا کا بیٹا کہنے والے مشرک اور کافر ہیں اور عیسائی مسیح کو خدا قرار دے کر اللہ پر افتراء کر رہے ہیں۔ قرآن حکیم نے بتایا کہ حضرت مسیح، حضرت موسیٰ، داؤد، سلیمان، ایوب، ہود، نوح اور دیگر انبیاء علیہم السلام اجمعین کے مانند ایک نبی اور رسول تھے۔ انسان اور مخلوق تھے، معبود نہ تھے، بلکہ عابد تھے۔ اب آپ غور کیجئے کہ قرآن کا فیصلہ کس قدر صاف اور قابلِ تسلیم ہے اور عیسائیوں کا عقیدہ کس قدر ہیچ اور ناقابل قبول!

2: اسلام کے نزدیک ہر انسان فطرتاً پاک اور بے گناہ پیدا ہوتا ہے، مگر بالغ ہونے کے بعد دوسرے لوگ اس کو گمراہ کر دیتے ہیں۔ نیز ہر انسان میں خدا نے اتنی طاقت ودیعت کی ہے کہ وہ احکام الٰہی پر عمل کر سکے اور نواہی سے بچ سکے۔ قرآن مجید کہتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے کوئی گناہ نہیں کیا اور تمام پیغمبر معصوم اور بیگناہ تھے۔ اس لئے موروثی گناہ کا مسئلہ غلط اور شیطان کی ایجاد ہے۔

مسیحی مذہب کہتا ہے کہ ہر انسان پیدائش سے ہی گناہگار ہے۔ یہاں تک کہ انبیاء کرام نے بھی گناہ کئے اور حضرت آدم علیہ السلام کے گناہ نے تمام انسانوں کو گناہگار بنا دیا۔ ظاہر ہے کہ یہ تعلیم عقل و فطرت اور وجدانی شہادت کے کس قدر خلاف ہے کہ گناہ کریں آدم (حالانکہ یہ بھی ثابت نہیں) اور سزا بھگتنی پڑے تمام انسانوں کو۔ پس اس باب میں بھی اسلام کی تعلیم ہی حق و صواب ہے اور اسی کا فیصلہ عقل و فطرت اور منہاج نبوت کے مطابق ہے۔

3: قرآن حکیم نے عمل پر جس قدر زور دیا ہے اور انسان کو جس قدر مکارم اخلاق سکھائے ہیں اس کی نظیر کسی مذہب میں نہیں ملتی۔ اسلام کہتا ہے:

''لیس للانسان الا ماسعی''

''انسان کوششوں سے کامیاب ہوگا اور اپنے ہی اعمال صالحہ کا ثمر پائے گا۔''

وہ کہتا ہے کہ سارے انبیاء کی یہی تعلیم ہے:

''لا تزر وازرۃ وزر اخری''

"کوئی شخص کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا، بلکہ ہر انسان اپنے اپنے اعمال کا آپ ذمہ دار ہوگا۔"

یہی وہ پاک تعلیم ہے جو انسان کو شرافتِ نفس کا سبق دیتی ہے اور اس کو عمل کرنے پر آمادہ کرتی ہے۔

عیسائی مذہب کی تعلیم یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تمام گناہگاروں کے گناہ اٹھا کر مصلوب ہوگئے اور آپ دوسروں کی خاطر کفارہ بنے، گویا گناہ کیے لاکھوں اور کروڑوں انسانوں نے مگر سزا ملی بے گناہ اور خدا کے اکلوتے بیٹے کو! یہ تعلیم جہاں انسان کو نکما، ناکارہ اور اپاہج بنا دیتی ہے، وہاں اس کو اپنے اوپر اعتماد بھی نہیں رہتا اور اس طرح اعمال کی قدر و قیمت اس کی نظر سے گر جاتی ہے۔ نیز اس عقیدہ سے خدائے قدوس کی قدوسیت پر بھی سخت الزام آتا ہے۔

4: قرآن حکیم نے دنیا میں آکر تمام صداقتوں کو پیش کیا۔ وہ صداقتیں جو مدتوں سے فراموش ہو چکی تھیں اور جن کے سرچشمے گندے کر دیئے گئے تھے۔ اسلام نے آکر تمام انبیاء کی عظمت کو قائم کیا اور ان پر لگائے گئے الزامات کی تردید کی۔ ان کی کتابوں میں جو دجل و تحریف کا عمل کیا گیا تھا اس کو نمایاں کر کے اصل حقیقت کو واضح کیا۔ اسلام سے پہلے بعض دشمنوں اور دوست نما غداروں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر جو الزامات لگائے تھے قرآن حکیم نے ان کی تردید کی۔ یہ اسلام ہی کا احسان ہے کہ اس نے حضرت سیدنا مسیح علیہ السلام کو اصل شکل میں پیش کیا اور یہود و نصاریٰ کے اتہمات سے ان کو پاک و صاف کیا۔

اس کے مقابلہ میں عیسائیوں نے انبیاء پر جھوٹ، زنا اور قتل تک کے الزام لگائے اور حضرت مسیح علیہ السلام کی سیرت کو ایسے پیرایہ میں بیان کیا کہ اگر اسلام آکر حقیقتِ حال واشگاف نہ کرتا تو حضرت مسیح کو کوئی شخص بااخلاق انسان بھی ماننے کیلئے تیار نہ ہوتا۔ اسلام کا یہ وہ احسان ہے جس سے مسیحی دنیا قیامت تک عہدہ برآ نہیں ہو سکتی۔

عیسائیوں نے اپنی کتابوں کو نہ صرف محرف کیا، بلکہ حضرت مسیح کے نام پر سینکڑوں

انجیلیں بنا ڈالیں۔ آج ہمارے سامنے وہی موضوع، جعلی اور جھوٹی انجیلیں پیش کی جاتی ہیں۔ جن کو سیدنا مسیح سے دور کا بھی تعلق نہیں۔ قرآن مجید نے آکر دعویٰ کیا کہ میرے اندر تمام آسمانی کتابیں محفوظ ہیں اور ہر نبی کی پاک تعلیم مجھ میں بتمام و کمال موجود ہے۔ پس میں آپ کو اور دیگر پادریوں کو اس قرآن کی دعوت دیتی ہوں جس نے عیسائیوں کی عزت باقی رکھی اور جو بیک وقت جملہ انبیاء کی تعلیمات کو ہمارے سامنے پیش کرتا ہے۔

5: اسلام نے ظاہر ہو کر عورتوں کے حقوق قائم کیے۔ غلاموں کی آزادی کے فرمان جاری کیے۔ اخوۃ اور مساوات کی روح انسان میں پھونکی اور انسان کا خدا کے ساتھ رشتہ جوڑ دیا۔ مگر عیسائیت میں عورتوں کے حقوق کی طرف کوئی اشارہ نہیں صرف مردوں کو بتایا گیا ہے کہ وہ زنا کرنے پر اپنی بیویوں کو طلاق دے دیں۔ یہ نہیں بتایا کہ مرد کے خراب ہو جانے پر بیوی اس کے ساتھ کیا سلوک کرے۔ عیسائیت میں غلاموں کی آزادی کے متعلق ایک حرف بھی نہیں پایا جاتا۔

6: اسلام نے انسانی اخلاق کی آبیاری کی اور اس کے خصائل کے لئے ایک ایسا ضابطہ مقرر کر دیا جس پر عمل کر کے انسان اپنے کمالات باطنی کا اعتدال کے ساتھ استعمال کر سکتا ہے۔ قرآن کہتا ہے:

"تم نہ تو صرف معافی پر زور دو اور نہ صرف انتقام کو استعمال کرو۔"

"برائی کا بدلہ برائی ہے، مگر جو شخص اصلاح کی خاطر معاف کر دے تو اس کا اجر اور ثواب اللہ پر ہے۔"

لیکن مسیح مذہب صرف ایک پہلو پر زور دیتا ہے اور کہتا ہے کہ مجرم کو سزا نہ دو، بلکہ جو کوئی ایک گال پر طمانچہ مارے تم اس کے سامنے دوسرا گال بھی پھیر دو۔ بھلا اس تعلیم پر دنیا میں کہاں عمل ہو سکتا ہے۔؟ اور دنیا کا نظام اس تعلیم سے کس طرح قائم رہ سکتا ہے۔؟

اگر خدا تعالیٰ کا منشاء یہی تھا کہ انسان اپنے رحم و کرم کا ہی ہر وقت مظاہرہ کرتا رہے تو اس نے انسان میں قوت غضبیہ کیوں پیدا کیا اور پھر انسانی درخت کی اس شاخ کو بھی

خود ہی کیوں سکھا دیا۔

یہ چند باتیں بطور نمونہ لکھی گئی ہیں جن کو سمجھ کر میں نے اسلام قبول کیا ہے۔ پس آپ کیلئے صحیح راستہ یہی ہے کہ آپ جلد از جلد اسلام قبول کر لیں اور عیسائیت کی ان مشرکانہ باتوں سے توبہ کریں جو خدا کی کل صفات کے منافی اور انسانی ترقی کے راستہ میں حائل ہیں۔ خدا آپ کو قبول حق کی توفیق عنایت کرے۔ آمین۔!

میں ہوں آپ کی خادمہ اور کنیز: مارگریٹ۔

☆☆☆

پادریوں نے جو مخفی جلسہ کیا تھا اس کا حال مسلمانوں کو معلوم ہو گیا اور مارگریٹ کے خط نے ان کے حوصلے پست کر دیئے۔ چار پانچ روز کے بعد حضرت زیاد بن عمر کی مجلس میں اکابر و اعیان اور علماء جمع تھے۔ مارگریٹ اور اس کی سہیلیاں بھی وہاں موجود تھیں۔ ایک شخص نے کہا:

"یا حضرت! عیسائی مارگریٹ کو فریب دینے اور اس کو مرتد کرنے کی خفیہ کوششیں کر رہے ہیں، مگر اب تک اسلامی گورنمنٹ کی طرف سے کوئی کارروائی نہیں کی گئی۔ جب مارگریٹ مسلمان ہو چکی ہے تو اسلامی حکومت کا فرض تھا کہ وہ عیسائیوں کے پنجہ سے ان کو نکالتی، مگر اس نے ایسا نہیں کیا۔ اب بھی عیسائیوں کی شرارتیں بدستور جاری ہیں، مگر اسلامی گورنمنٹ ان کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کرتی۔"

زیاد بن عمر:

"بات یہ ہے کہ اب تک عیسائیوں نے جو کچھ بھی کوششیں کی ہیں وہ اعلانیہ نہیں، بلکہ خفیہ طور پر انجام دی ہیں۔ اس لئے اسلامی گورنمنٹ ان کی کارروائیوں پر کس طرح احتساب کر سکتی ہے۔؟ دوسری بات یہ ہے کہ بے شک کسی غیر مسلم کے مسلمان ہو جانے پر اسلامی گورنمنٹ کا فرض ہے کہ وہ کفار کے مظالم سے اس کو چھڑائے اور اعلانیہ اسلام قبول کرنے والے کی حمایت کرے، مگر ہم نے دانستہ اسلامی حکومت کو اس قسم کی کارروائی کرنے سے باز رکھا۔ صرف اس لئے کہ مارگریٹ اور اس کی سہیلیوں کو حق کے راستہ میں تکلیفیں برداشت کرنے کی عادت پڑ جائے اور ان کے ایمان کو یقین کی بھی پرکھ ہو جائے، ورنہ! اگر ہم چاہتے تو اعلانیہ مارگریٹ کو ان کے پنجے سے چھڑا سکتے تھے۔"

شخص:

"مگر آئندہ کیلئے تو عیسائیوں کو اس معاملہ میں متنبہ کر دینا چاہیے۔ مبادا کسی اسلام قبول کرنے والے کیساتھ وہ پھر ایسا ہی سلوک کریں گے۔"

زیاد بن عمر:

"آپ مطمئن رہیے۔!!! آئندہ حکومت آزادی رائے کی حمایت میں سرگرمی کا اظہار کرے گی۔ اس لئے میں نے چند پادریوں کو مارگریٹ کی قیام گاہ اور اس کے تمام حالات سے آگاہ کر دیا ہے اور ان کو اطلاع دے دی ہے کہ ہم کو مارگریٹ کے چھپانے کی قطعاً ضرورت نہیں ہے، کیونکہ حکومت اس کے مرتد کرنیوالوں کو گوشمالی کرنے کی ذمہ دار ہے۔ اگر آئندہ تم نے مارگریٹ کے خلاف کوئی حرکت کی تو حکومت کے سامنے جوب دہ ہوگے۔"

زین العابدین:

"یا حضرت! مارگریٹ کی سہیلیوں کو بھی اسلام کے اصول بتا کر مشرف بہ اسلام کر لیا جائے، کیونکہ یہ ان کی درخواست ہے۔!!!"

زیاد بن عمر:

"بہت اچھا! آپ بسم اللہ کیجئے اور ان کو مشرف بتوحید و رسالت کیجئے۔!!!"

زین العابدین:

میرانو، ہلینا اور حنانہ کو اسلام کے کسی مسئلہ پر کوئی شبہ تو نہیں ہے، مگر میرانو مزید تسلی کے لئے اعتراضات پیش کرنا چاہتی ہے۔ ہم نہیں چاہتے کہ اس کو مزید تحقیق سے روکیں اور جواب نہ دیں۔ لطف اسی میں ہے کہ خوب تحقیق کر کے اور اسلام کے ہر پہلو کو جانچ کر اسلام قبول کیا جائے۔"

زیاد بن عمر:

"بہت خوب! میرانو سے کہو کہ وہ اپنے اعتراضات پیش کرے۔ میں آپ کو جواب دینے کیلئے مقرر کرتا ہوں۔!"

میرانو:

"یا سیدی! پہلے ہم سب کو مشرف با ایمان کر لیا جائے، اس کے بعد میں ایک یا دو باتوں کا جواب طلب کروں گی، صرف اس لئے کہ میں آئندہ عیسائیوں کو جواب دے

سکوں، ورنہ میرے دل میں اسلام کے متعلق کوئی شک نہیں ہے۔"

اس کے بعد تینوں سہیلیوں کو مسلمان کر لیا گیا۔ جس پر سب حاضرین نے مبارکباد پیش کی۔ قبول اسلام کے بعد ان سب نے شرعی پردہ کیا اور میرانو نے دریافت کیا:

"عیسائیوں کے نزدیک تورات شریعت ہے اور انجیل کمال ظاہر ہے کہ شریعت اور کمال کے بعد کسی چیز کی ضرورت نہیں رہتی، اس لئے قرآن حکیم کی بھی ضرورت نہیں، چونکہ قرآن حکیم نے تورات وانجیل کی تصدیق کی ہے۔ اس لئے یہ اعتراض اور بھی پختہ ہو جاتا ہے۔"

زین العابدین:

"عیسائی اگر اپنی کتابوں کے مختلف اوصاف بیان کرنے لگیں تو اس سے یہ کہاں لازم آ گیا کہ فی الحقیقت وہ کتابیں ہیں بھی ان اوصاف کی مصداق۔؟ یہ دعویٰ ہے جس کو دلائل سے ثابت کرنا چاہیے، لیکن ہم تسلیم کئے لیتے ہیں کہ تورات شریعت ہے اور انجیل کمال۔ ان کے مقابلہ میں قرآن مہیمن ہے۔ مہیمن کے معنی ہیں: "مشتمل" جو شریعت اور کمال دونوں پر حاوی ہو۔ یہ لفظ خود قرآن مجید نے اپنی نسبت استعمال کیا ہے۔ چنانچہ ارشاد باری ہے:

"اے نبی! ہم نے قرآن کو آپ پر حق کے ساتھ نازل کیا ہے۔ جو پہلی کتابوں کی تصدیق کرنیوالی اور ان پر مہیمن ہے۔"

مگر انجیل کی نسبت انجیل میں کہیں نہیں آیا کہ وہ کمال ہے۔ پس ثابت ہوا کہ قرآن شریعت اور کمال دونوں کا جامع ہے۔"

میرانو:

"تورات اور انجیل کا ذکر قرآن میں موجود ہے اور ہر مسلمان پر ان کو تسلیم کرنا ضروری قرار دیا گیا ہے۔ پھر مسلمان اس کو کیوں نہیں مانتے۔؟"

زین العابدین:

"اس لئے کہ عیسائیوں کے پاس اصل تورات اور انجیل موجود نہیں ہے۔"

میرانو:

"اگر اصلی تورات اور انجیل موجود نہیں تو قرآن مجید نے ان کی کیوں تصدیق کی۔؟"

زین العابدین:

"قرآن حکیم نے اصل تورات اور اصل انجیل کی تصدیق کی ہے نہ کہ محرف، جعلی اور بناوٹی کتابوں کی۔"

میرانو:

"عیسائی کہتے ہیں کہ جن کتابوں کی قرآن نے تصدیق کی ہے وہ یہی تورات اور انجیل ہیں۔"

زین العابدین:

"بہت اچھا! اب ہم قرآن حکیم سے ہی دریافت کرتے ہیں کہ وہ موجودہ تورات اور انجیل کی تصدیق کرتا ہے یا تکذیب۔ قرآن شریف فرماتا ہے:

"اللہ وہ ہے جس نے زمین و آسمان کو پیدا کیا اور وہ ان کے پیدا کرنے سے تھکا نہیں۔"

مگر تورات میں لکھا ہے:

"خدا نے چھ دن میں تمام چیزوں کو بنایا اور ساتویں دن آرام کیا۔"

آرام وہی کیا کرتا ہے جو تھک جاتا ہے۔ پس تورات سے خدا کا تھکنا ثابت ہے، مگر قرآن کہتا ہے کہ خدا تھکا نہیں۔ اب بتاؤ قرآن مجید نے موجودہ تورات کی تصدیق کی یا تکذیب۔؟"

تورات میں لکھا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے بت پرستی کی، مگر قرآن کہتا ہے:

"سلیمان علیہ السلام نے کفر کا ارتکاب نہیں کیا۔"

یہ موجودہ تورات کی تصدیق ہے یا تکذیب۔؟

اب انجیل کو لیجئے۔!!! چاروں انجیلوں میں لکھا ہے کہ حضرت مسیح نے صلیب پر چلا کر جان دی، یعنی آپ مصلوب ہوئے، مگر قرآن کہتا ہے:

"یہودیوں نے نہ تو حضرت مسیح کو قتل کیا اور نہ ان کو صلیب دی۔"

پھر انجیل میں لکھا ہے کہ حضرت مسیح نے خدائی کا دعویٰ کیا، مگر قرآن کہتا ہے:

"جو لوگ مسیح بن مریم کے بیٹے کو خدا کہتے ہیں، وہ کافر ہیں۔"

اب انصاف سے کوئی پادری بتائے کہ قرآن نے موجودہ تورات اور انجیل کی تصدیق

کی ہے یا تکذیب۔؟"

یہ تو صاف ظاہر ہو گیا کہ قرآن حکیم نے موجودہ تورات اور انجیل کی ہرگز تصدیق نہیں کی، بلکہ اس نے ان کی زبردست تکذیب کی ہے اور ان کے بیان کردہ واقعات و عقائد کو کفر و شرک سے تعبیر کیا ہے۔

اب میں قرآن حکیم سے ایک عام اصول بیان کرتا ہوں جس کو پیش نظر رکھ کر ہر کتاب کو آزمایا جا سکتا ہے، گویا قرآن حکیم نے ہمارے ہاتھ میں ایک کسوٹی دے دی ہے جس پر ہم ہر کتاب کے متعلق فیصلہ کر سکتے ہیں۔ قرآن حکیم فرماتا ہے:

"اگر قرآن حکیم اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہ ہوتا تو اس میں اختلافات کی بھرمار ہوتی۔"

اس آیت کریمہ سے معلوم ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب کے سوا اور کوئی کتاب اختلافات سے خالی نہیں ہو سکتی، کیونکہ بشر سہو و نسیان سے مبرا نہیں ہے۔ انسان خواہ کیسی ہی احتیاط سے کوئی کتاب لکھے اس میں اختلاف ضرور ہو گا اور جس میں اختلاف ہو گا اس کو خدا کی طرف منسوب نہیں کیا جا سکتا۔ ورنہ! خدا کو جھوٹا یا بھول میں مبتلا ہونیوالا قرار دیا جائے گا۔ کیا اس اصول سے کسی انسان کو انکار ہو سکتا ہے۔؟"

میرانو:

"یہ اصول تو بالکل سچا اور فطرت کے عین مطابق ہے۔ واقعی جس کتاب میں اختلاف ہو گا اس کو خدائے واحد و قدوس کی طرف منسوب نہیں کیا جا سکتا، مگر تورات اور انجیل میں اختلافات کہاں ہیں۔؟"

زین العابدین:

"بہت اختلافات! اتنے اختلافات کہ ان کو دیکھ کر انسان کا دماغ چکر کھانے لگتا ہے۔ اس کسوٹی پر عیسائیوں کی آسمانی کتابوں کو پرکھ کر دیکھتا ہوں تاکہ تم کو بھی معلوم ہو جائے کہ عیسائیوں کی موجودہ کتابوں کو الہامی قرار دینا اللہ تعالیٰ کو تمام عیوب کا حامل قرار دینے کے مترادف ہے۔ بہن میرانو! تمہاری کیا عمر ہے۔؟"

میرانو:

"اکیس اور بائیس سال کے درمیان۔ بس بائیس سال کی عمر سمجھئے۔!"

زین العابدین:

"بہت خوب! اچھا اگر تم یہ کہو کہ میری عمر اس وقت بائیس سال ہے اور ایک گھنٹہ کے بعد کہنے لگو کہ میری عمر بیالیس سال ہے۔ تو کیا دونوں بیان صحیح ہوں گے۔؟"

میرانو:

"دونوں بیان کس طرح صحیح ہو سکتے ہیں؟ میرا یہ کہنا کہ میری عمر بیالیس سال ہے بالکل غلط ہے۔"

زین العابدین:

"اچھا! اب دیکھو! ۲ تواریخ ۸/۲۰ میں لکھا ہے کہ اخزیا کی عمر 22 سال کی تھی، جب اس نے حکومت کرنی شروع کی، مگر ۲ سلاطین میں لکھا ہے کہ حکومت شروع کرتے وقت اخزیا کی عمر 42 سال کی تھی۔ کیا یہ دونوں بیان صحیح ہو سکتے ہیں۔؟"

میرانو:

"ہرگز نہیں ان میں سے ایک بیان صحیح ہوگا اور دوسرا غلط۔!"

زین العابدین:

"اب یہ سوال کہ دونوں میں کونسا بیان صحیح ہے، کبھی حل نہیں ہو سکتا۔ جب تک کہ اللہ تعالیٰ ہی نہ بتائے۔ اس لئے بائبل کی یہ دونوں کتابیں مشکوک ہو گئیں اور ایک کی کذب بیانی پر مہر لگ گئی!!! اچھا اب اور دیکھو ۲ سموئیل ۲۴ میں لکھا ہے کہ آٹھ لاکھ اسرائیلی اور پانچ لاکھ یہودی تھے جنہوں نے تلوار کو ہاتھ میں اٹھایا، مگر اول تواریخ ۲۱ میں لکھا ہے کہ اسرائیلی گیارہ لاکھ تھے اور یہودی چار لاکھ چوہتر ہزار تھے۔ اب بتاؤ کیا یہ دونوں اعداد و شمار صحیح ہیں۔؟"

میرانو:

"ہرگز نہیں! دونوں میں ایک بیان بالکل غلط ہے۔!"

زین العابدین:

"اور جس کتاب میں اس قسم کا غلط بیان درج ہو کیا اس کو خدا کی طرف منسوب کیا جا سکتا ہے۔؟"

میرانو:

"ہرگز نہیں!!! توبہ توبہ!!! نعوذ باللہ! اس سے تو خدا کی قدوسیت پر بڑا حرف آتا ہے۔ اس لئے بہتر یہی ہے کہ ان کتابوں کو خدا کی طرف منسوب ہی نہ کیا جائے۔"

زین العابدین:

"اب اور ملاحظہ کرو ۲ سلاطین ۸/۲۴ میں ہے کہ تخت نشینی کے وقت یہویکین 18 برس کا تھا، مگر ۲ تواریخ ۹/۳۶ میں لکھا ہے کہ وہ تخت نشینی کے وقت صرف 8 برس کا تھا، گویا تخت نشینی ایک زبردست معجزہ تھی کہ بیک وقت یہویکین کی عمر 8 برس کی بھی تھی اور 18 برس کی بھی۔! کیا ان اختلافات کی موجودگی میں کوئی شخص بھی تورات، زبور اور انجیل کو خدا کا کلام اور الہامی کہہ سکتا ہے۔؟ کیا نعوذ باللہ! خدا اس قسم کی غلط بیانی کا ارتکاب کر سکتا ہے۔؟"

میرانو:

"سبحان اللہ! مسیحی کتب کے غیر معتبر ہونے کے یہ وہ دلائل ہیں جن میں کوئی تاویل بھی کام نہیں دے سکتی، بلکہ ایک بچہ بھی ان اختلافات کو دو اور دو چار کی طرح سمجھ جاتا ہے۔"

زین العابدین:

"۲ سموئیل ۸/۲۳ میں ایک ہی واقعہ کے متعلق لکھا ہے کہ ایک شخص ایزنی نے آٹھ سو دشمنوں کو قتل کیا۔ اس کے خلاف اول تواریخ ۱۱/۱۱ میں لکھا ہے کہ صرف تین سو کو قتل کیا۔ لطف یہ کہ واقعہ ایک ہی ہے ۲ سیموئیل ۱۳/۲۴ میں لکھا ہے کہ اے داؤد! میں دشمنوں پر سات سال کا قحط بھیجوں گا، مگر اول تواریخ ۱۲/۲۱ میں لکھا ہے کہ میں تین سال تک قحط ڈالوں گا! شاید پہلے زمانہ میں تین اور سات کے عدد میں فرق نہ کیا جاتا ہوگا جس طرح عیسائی ایک خدا اور تین خدا میں کوئی فرق نہیں کرتے۔؟"

حاضرین نے مسکراتے ہوئے کہا:

"بے شک کچھ ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔!!!"

میرانو:

"تعجب ہے کہ عیسائیوں کو اتنی موٹی موٹی غلطیاں بھی نظر نہیں آتیں۔؟"

زین العابدین:

"ان کو یہ غلطیاں تو اس وقت نظر آئیں جب وہ تحقیق کرنے پر آمادہ ہوں اور یہ ارادہ کریں کہ غلط باتوں سے ہم علی الاعلان انکار کردیں گے۔ وہ اندھے ہیں اور لکیر کے فقیر!"

اور دیکھو! اول سلاطین ۲۶/۴ میں لکھا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی گاڑیوں کے گھوڑوں کے لئے چالیس ہزار تھان تھے اور بارہ ہزار سوار۔ اس کے خلاف ۲ تواریخ ۲۵/۹ میں لکھا ہے کہ حضرت سلیمان کے گھوڑوں اور گاڑیوں کیلئے چار ہزار تھان تھے۔ خدارا! غور کرو کیا چار ہزار اور چالیس ہزار میں کوئی فرق نہیں۔؟ ایک کتاب چالیس ہزار اصطبل بتا رہی ہے اور دوسری کتاب نے 36 ہزار اصطبل کم کر کے صرف چار ہزار رہنے دیئے اور لطف یہ کہ یہ دونوں کتابیں الہامی اور خدائی تصور کی جاتی ہیں۔! کیا قرآن حکیم نے غلط کہا کہ خدا کی کتاب میں اختلاف نہیں ہوتا۔؟"

مارگریٹ:

"سبحان اللہ! قرآن حکیم کے کیا کہنے ہیں۔! اگر یہ مقدس اور مہیمن کتاب نہ آتی تو عیسائیوں کی کتابوں کا پول کبھی نہ کھلتا۔"

زین العابدین:

"ایک اور پرلطف حوالہ۔ دیکھو! ۲ سموئیل ۱۸/۱۰ میں لکھا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے آرامیوں کی سات سو گاڑیوں کے لوگ اور چالیس ہزار سوار کاٹ ڈالے! "سات سو" اور "چالیس ہزار سواروں" کو ذرا ملحوظ رکھئے! اس کے مقابلہ میں اول تواریخ ۱۸/۱۹ میں لکھا ہے کہ حضرت داؤد نے آرامیوں کے "سات ہزار" گاڑی کے سواروں کو اور چالیس ہزار پیادوں کو کاٹ ڈالا۔ دونوں کتابیں الہامی، دونوں من جانب اللہ، دونوں دخل انسانی اور شیطانی سے محفوظ، مگر ایک کتاب کہتی ہے کہ سات سو گاڑیوں کے لوگوں کو اور چالیس ہزار سواروں کو کاٹ ڈالا۔ دوسری کہتی ہے کہ نہیں سات ہزار گاڑیوں کے لوگوں کو اور سواروں کو نہیں، بلکہ چالیس ہزار پیادوں کو کاٹ ڈالا۔ !!! ان ہی کتابوں کے متعلق کہا جاتا ہے کہ یہ الہامی ہیں؟ مسلمانوں کو ایسی کتابوں کی طرف دعوت دی جاتی ہے؟ کیا ان ہی کتابوں کو خدا نے انبیاء پر نازل

فرمایا تھا۔؟"

میرانو:

"توبہ توبہ! کتابوں میں اس قدر اختلافات ہیں۔؟ پھر بھلا ان کو الہامی کس طرح سمجھا جا سکتا ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ عیسائیوں کی عقلوں پر ضمیر فروشی اور کفر نوازی کے ایسے توبڑ توڑ پردے پڑے ہوئے ہیں کہ وہ دیکھتے ہوئے نہیں دیکھتے اور سنتے ہوئے نہیں سنتے۔ اللہ تعالیٰ ان کو ہدایت دے۔!"

زین العابدین:

"یہ تو تورات اور کتب سابقہ کے اختلافات کا بیان تھا جن میں کسی طرح بھی تطبیق نہیں دی جا سکتی۔ اب ذرا انجیل شریف کا حال بھی ملاحظہ ہو۔ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ موجودہ چاروں انجیلوں کی حالت سب سے زیادہ خراب ہے۔ اول تو انجیلیں مختلف زبانوں میں بنتی اور تصنیف ہوتی رہی ہیں۔ پہلے زمانہ میں جن انجیلوں کو خدائی کلام تسلیم کیا جاتا تھا وہ آج اپوکریفہ (موضوعہ اناجیل) کے نام سے پائی جاتی ہیں اور ان کے بجائے دوسری انجیلیں مروج ہوگئی ہیں۔ گویا انجیلیں کیا ہیں طلباء کے لئے نصاب تعلیم ہے کہ جب چاہا حالات کے مطابق بدل دیا اور جب چاہا ایک نیا نصاب تجویز کرلیا۔

دوسری ایک ہی زمانہ میں مختلف انجیلیں رائج رہی ہیں۔ مثلاً: مشرقی کلیسا کی انجیلیں اور ہیں مغربی کلیسا کی اور۔ مغربی کلیسا والے مشرقی کلیسا کی انجیلوں کو تسلیم نہیں کرتے۔ ہر زمانہ میں کونسلیں ہوتی رہی ہیں اور ان میں مختلف کو انتخاب کرلیا جاتا تھا۔ گویا خدا کا کلام اور الہام بھی کلیسا کے فیصلہ کا محتاج ہے۔"

میرانو:

"ہاں! میں نے بھی ایک دفعہ اپنے والد محترم سے سنا تھا کہ کسی کونسل نے انجیل کی بعض کتابوں کو فہرست سے خارج کردیا تھا۔!"

زین العابدین:

"اچھا اب قرآنی اصول اور کسوٹی پر موجودہ انجیلوں کو پرکھ کر دیکھا جاتا ہے، تاکہ موجودہ انجیلوں کی غیر پائیداری اور ان کا غیر معتمد ہونا ثابت ہوجائے۔

انجیل متی باب ۲۷ آیت ۳ سے آٹھ تک لکھا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کے ایک حواری (یہودا اسکریوتی) نے حضرت مسیح کو صرف تیس روپے رشوت لے کر حکومت وقت کے حوالہ کر دیا۔ جب مسیح کو صلیب پر مار دیا گیا تو یہودا اسکریوتی بہت پشیمان ہوا اور وہ رشوت کے تیس روپے لے کر سردار کاہنوں کے پاس آیا اور تیس روپے پھینک کر چلا گیا اور گھر جا کر اس نے خودکشی کر لی۔

لیکن انجیل اعمال باب اول آیت ۱۵ میں لکھا ہے کہ ہودا اسکریوتی نے رشوت کے تیس روپے کا ایک کھیت خریدا۔ جب وہ اس کھیت میں جانے لگا تو اس کا پیر پھسل گیا اور وہ گر پڑا اور اس کی تمام انتڑیاں باہر نکل پڑیں۔

پہلی انجیل میں تھا کہ یہودا نے تیس روپے سردار کاہنوں کو واپس کر دیئے اور اس نے گھر پر جا کر خودکشی کر لی، مگر انجیل اعمال میں ہے کہ یہودا نے رشوت کے روپوں سے کھیت خریدا، وہ کھیت میں گر پڑا اور اس کی انتڑیاں نکل پڑیں۔ یہ دونوں کتابیں الہامی ہیں اور روح القدس نے الہام سے ان کو لکھوایا ہے۔ گویا جس وقت روح القدس انجیل متی کے مصنف کے پاس گئے تو کچھ اور ہی لکھوا دیا اور جب مصنف اعمال کے پاس گئے تو کچھ اور ہی فرما دیا۔ اب یا تو روح القدس کو جھوٹا اور فریبی قرار دو یا پھر ان انجیلوں کے الہامی ہونے سے انکار کرو۔ بہتر یہی ہے کہ روح القدس پر الزام لگانے کے بجائے ان ساری انجیلوں کو جھوٹی اور جعلی قرار دے دیا جائے۔ ورنہ پھر نہ خدائے تعالیٰ کی ذات قدسی صفات عیوب سے بری ٹھہرتی ہے اور نہ روح القدس کی۔"

میرانو:

"بے شک موجودہ انجیلیں جعلی اور جھوٹی ہیں اور حضرت مسیح علیہ السلام کے دشمنوں نے ان کو اپنے مطلب کیلئے گھڑا ہے۔"

زین العابدین:

"یہ تو دو انجیلوں کا اختلاف تھا۔ اب ایک ہی انجیل کی اختلاف بیانی ملاحظہ ہو۔ پولوس کے عیسائی مذہب قبول کرنے کا بیان انجیل اعمال میں تین جگہ ہوا ہے، مگر وہ تینوں بیان آپس میں مختلف ہیں۔ تعجب ہے کہ روح القدس ایک ہی کتاب میں ایک ہی

واقعہ کی نسبت جھوٹ بولتا ہے۔ انجیل اعمال باب ۹ آیت ۳ میں لکھا ہے کہ پولوس رسول جنگل میں اپنے ساتھیوں کے ہمراہ کہیں جا رہا تھا کہ یکایک اس پر آسمان سے ایک نور چمکا اور ایک آواز بھی آئی۔ پولوس آواز کو سن کر زمین پر گر پڑا اور ساتھی کھڑے رہ گئے۔ ساتھیوں نے آواز سنی، مگر کسی کو دیکھا نہیں۔ اسی انجیل کے باب ۲۲ میں لکھا ہے کہ ساتھیوں نے نور دیکھا، مگر آواز نہ سنی۔ اسی انجیل میں تیسری جگہ باب ۲۶ آیت ۱۳ میں مذکور ہے کہ پولوس رسول اور اس کے ساتھی سب زمین پر گر پڑے۔

اب غور کرو ایک ہی انجیل میں ایک ہی واقعہ کی نسبت اس قدر غلط بیانی! کیا ایک ہی واقعہ کے متعلق یہ تینوں باتیں صحیح ہو سکتی ہیں۔؟"

میرانو:

"ہرگز نہیں!!! تینوں باتیں غلط۔ اگر ایک بات صحیح بھی ہو تو اس کو متعین نہیں کیا جا سکتا۔"

زین العابدین:

"دو انجیلوں میں اختلاف، پھر ایک ہی انجیل میں اختلافات کی بھرمار اور اب ایک شگوفہ اور ملاحظہ کرو کہ ایک ہی آیت میں اختلاف۔ انجیل لوقا باب ۲۱ آیت ۱۶ میں حضرت مسیح اپنے شاگردوں سے فرماتے ہیں کہ تم کو لوگ قتل بھی کریں گے، گھروں اور شہروں سے بھی نکالیں گے، مگر دشمن تمہارا بال بیکا بھی نہ کر سکیں گے۔

مطلب یہ ہوا کہ حواریوں کو دشمن قتل کر دیں گے، مگر ان کا بال بیکا نہ کر سکیں گے! گویا قتل کر دینا بال بیکا کرنے کی منافی نہیں ہے۔ خبر نہیں انجیل نویسوں کو خدا نے عقل بھی دی تھی یا نہیں۔ ایک ہی آیت میں یہ مضحکہ خیز اختلاف!"

مارگریٹ:

"آخر عیسائی ان تمام اختلافات کا کیا جواب دیتے ہیں۔؟"

زین العابدین:

"جواب کیا دیتے۔؟ صرف اِدھر اُدھر کی باتیں بنا کر پیچھا چھڑانا چاہتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ یہ کتابت کی غلطیاں ہیں جن سے اصل مقصد میں فرق نہیں پڑتا۔ اگر اس جواب کو تسلیم بھی کر لیا جائے تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ پھر اصل عبارت کیا تھی اور

کتابت کی غلطیاں کون کون سی ہیں۔؟ مثلاً: جہاں لکھا ہے کہ فلاں شخص کی عمر ایک ہی وقت میں ۲۲ سال اور ۴۲ سال تھی تو ان دونوں عددوں میں کتابت کی غلطی کون سی ہے اور اصل عبارت کیا ہے۔؟ آج کوئی عیسائی نہیں بتا سکتا کہ اصل عبارت تو یہ تھی، مگر کتابت کی غلطی سے ا ی کی جگہ یہ عبارت آ گئی۔ جب یقینی طور پر کتابت کی غلطی بھی ظاہر نہیں ہو سکتی تو یہ عذر اور جواب ہی نامعقول ہے۔ پس ثابت ہوا کہ خود عیسائیوں کے نزدیک بھی یہ تمام کتابیں مشکوک ہیں اور جب ایک کتاب میں ایک جگہ غلطی تسلیم کر لی گئی تو تمام کتاب سے امان اور اعتماد بھی اٹھ گیا۔"

مارگریٹ:

"کیا کتابت کی غلطیاں اصل کو سامنے رکھ کر درست نہیں کی جا سکتیں۔؟"

زین العابدین:

"اگر اصل کتابیں موجود ہوتیں تو یہ مشکلات ہی کیوں پیش آتیں۔ اصل کتابیں تو ہیں ہی نہیں۔ صرف ان کے ترجمہ در ترجمہ اور نقل در نقل پر اعتماد کیا جاتا ہے۔ پھر لطف یہ ہے کہ اب تک انجیلوں کے متعلق نہ تو یہ فیصلہ ہو سکا کہ وہ کس زبان میں اور کس زمانہ میں لکھی گئیں اور نہ یہ معلوم ہو سکا کہ ان کے لکھنے والے کون تھے۔ کوئی کہتا ہے کہ اصل انجیلیں عبرانی زبان میں لکھی گئی تھیں۔ کوئی کہتا ہے کہ یونانی زبان میں جو اس وقت عام طور پر فلسطین میں بولی جاتی تھیں۔ کسی کا یہ قول ہے کہ عبرانی اور یونانی دونوں میں لکھی گئی تھیں۔ خیر کسی زبان میں لکھی گئی ہوں انکا موجود ہونا تو ضروری تھا، مگر اب وہ بھی کسی جگہ موجود نہیں۔ صرف ترجمہ در ترجمہ موجود ہے جو قابل اعتماد نہیں۔ پھر مصنفوں کا بھی حال معلوم نہیں ہوتا۔ کوئی لکھتا ہے کہ یوحنا حواری نے اپنی انجیل کو لکھا۔ کوئی لکھتا ہے کہ یہ کسی اور شخص کی تصنیف ہے جس کا نام بھی اتفاق سے یوحنا تھا۔ مزے کی بات یہ ہے کہ انجیلوں کی اندرونی شہادت سے بھی معلوم نہیں ہوتا کہ ان کے مصنف کون تھے۔ متی کی انجیل میں متی کا ذکر غائبانہ طریقہ پر کیا گیا ہے۔"

میرانو:

"عیسائی تو کہتے ہیں کہ کلیسا نے جس کتاب کی تصدیق کر دی بس وہ کتاب اللہ اور الہام ہے۔؟"

زین العابدین:

"تو گویا کلیسا کے فیصلہ پر کسی کتاب کے الہامی ہونے کا دارومدار رہا۔ خود الہامی کتاب گونگی اور بے زبان ٹھہری۔!!!"

مارگریٹ:

"عیسائی کہتے ہیں کہ کلیسا کا فیصلہ خطاؤں سے محفوظ ہوتا ہے، گویا ان کا فیصلہ بھی الہامی فیصلہ ہوتا ہے۔"

زین العابدین:

"اگر کلیسا کا فیصلہ خطاؤں سے محفوظ ہوتا، تو پھر مختلف کلیساؤں کے فیصلوں میں اختلاف کیوں پیدا ہوا۔؟ کونسل نائس منعقدہ قسطنطنیہ میں جو کتابیں الہامی قرار دی گئی تھیں ان میں سے بعض کو کونسل ٹرنٹ اور کونسل فلاڈلفیا نے الہامی فہرست سے خارج کیا تھا۔ انکو کونسل ٹرنٹ نے پھر الہامی فہرست میں درج کر دیا! الہامی کتاب کیا ہوئی موم کی ناک ہو گئی کہ جس کلیسا نے جیسا چاہا موڑ توڑ کر رکھ دیا۔"

اس مجلس کے بعد سب لوگ منتشر ہو جاتے ہیں۔ مارگریٹ اور اس کی سہیلیوں کی تعلیم کا انتظام کر دیا جاتا ہے اور سب کی سب تعلیم دین کے حصول میں مشغول ہو جاتی ہیں۔ چار سال کے بعد یہ تمام خواتین عربی زبان اور مختلف اسلامی علوم وفنون کی ماہرہ بن جاتی ہیں۔

مارگریٹ کچھ دنوں کے بعد خواتین قرطبہ کا مرجع بن گئی، کیونکہ وہ تعلیم دین کے بعد اسلامی احکام کا عملی نمونہ تھی۔ تمام قرطبہ میں لوگ اسے محدثہ کہتے تھے، کیونکہ علم حدیث اور اس کے متعلقات میں اس نے مہارت تامہ حاصل کر لی تھی۔ زہد و اتقاء، ریاضت و عبادت، تعلق باللہ اور عشق رسول ﷺ میں وہ برابر ترقی کرتی گئی اور بہت سی خواتین اس کے فیوض و برکات سے اپنے دامنوں کو پر کرتی ہیں۔

☆☆☆

ہدایت، اسلام کا نور اور عشق نبی ﷺ اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی نعمت ہے وہ جس کو چاہتا ہے اپنے خزانہ غیب سے یہ نعمتیں عطا کرتا ہے۔ مارگریٹ کہاں ایک بڑے پادری کی لڑکی، پختہ عیسائی اور مسیحی مذہب کی ماہرہ تھی، لیکن اب وہ ایک ولیہ، محدثہ اور عابدہ ہے۔ بڑے بڑے علماء وفقہاء کو اس کی شاگردی کا فخر حاصل ہے اور تمام اندلس میں اس کے علم و فضل کی دھوم مچی ہے۔ شریعت کا مشکل سے مشکل مسئلہ اس کے سامنے پیش کیا جاتا ہے اور وہ ان سب کو حل کر کے رکھ دیتی ہے۔ اس کو مسلمان ہوئے اب دس سال کا عرصہ ہو چکا ہے اور اس عرصہ میں عیسائیوں کی یورشیں ختم ہو چکی ہیں۔ اس دوران سینکڑوں عیسائی مردوں اور عورتوں نے اس کے ذریعے ہدایت پائی اور بہت سے علمی میدانوں میں اس نے کفار پر فتح حاصل کی۔

اسی زمانہ میں مشہور ہوا کہ طلیطلہ کی ایک صبح نامی عیسائی عورت قرآن و حدیث اور کتب سابقہ کی بڑی ماہرہ ہے اور اس کے پاس مسیح مذہب کی صداقت پر اس قدر دلائل اور بینات موجود ہیں کہ اندلس کا بڑے سے بڑا عالم بھی ان کا جواب نہیں دے سکتا۔

علاوہ ازیں کہ شہرت نے اس کو عیسائیوں میں وہ درجہ دے دیا ہے جو کسی پوپ کو بھی حاصل نہیں۔ دور دور سے عیسائی مرد اور عورتیں اس کے کپڑوں کو چھونے اور برکت حاصل کرنے کیلئے آتے ہیں اور سنا ہے کہ وہ نگاہ ڈالتے ہی خطرناک سے خطرناک مریض کو بھی اچھا کر دیتی ہے۔ اس مسیحی خاتون کو معلوم تھا کہ مارگریٹ دس سال سے پہلے مسلمان ہو چکی ہے۔ اس لئے اس نے اندلس میں عام اعلان کر دیا کہ اگر مارگریٹ میرے مقابلہ پر آ جائے تو میں اپنی کرامتوں کے زور سے اور دلائل کی قوت سے اس کو پھر مسیحی بنا لوں گی، مگر وہ مقابلہ میں ہرگز نہ آئے گی، کیونکہ دس سال کے عرصہ میں اس پر اسلام کی خامیاں ظاہر ہو چکی

ہیں اور وہ اس دھوکہ کو محسوس کر چکی ہے۔ جس نے اس کو مسیحی مذہب سے جدا کیا تھا۔

اس اعلان نے تمام اندلس میں ایک دفعہ پھر ہلچل مچا دی اور عیسائی شوخی پر آمادہ ہو گئے۔ آخر ایک روز حلقہ درس میں بیٹھے ہوئے کسی عالم نے مارگریٹ سے کہا:

"آپ نے ایک نیا اعلان بھی سنا ہے۔؟"

مارگریٹ:

"وہ کیا۔؟"

عالم:

"ایک مسیحی عورت نے آپ کو مقابلہ پر بلایا ہے اور اعلان کیا ہے کہ اول تو مارگریٹ میرے مقابلہ پر نہیں آئے گی اور اگر آ گئی تو میں اس کو دلائل اور کرامتوں سے عیسائی بنا کر چھوڑوں گی۔"

مارگریٹ:

"لاحول ولاقوۃ الا باللہ۔ !ایک عیسائی اور دلائل سے کسی سچے مسلمان کو عیسائی بنا لے؟ سچ تو یہ ہے کہ اب مجھے ان باتوں سے کوئی دلچسپی نہیں رہی۔ جس کو خدا ہدایت دیتا ہے وہ میرے پاس چلا آتا ہے اور اسلام قبول کر لیتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ عیسائی خاتون مشہور ہونا چاہتی ہے۔"

عالم:

"وہ مشہور تو وہ بہت دنوں سے ہو رہی ہے، مگر اس کے سر پر یہ جنون سوار ہے کہ وہ آپ سے مقابلہ کر کے چھوڑے گی۔ تمام شہر میں اس کا چرچا ہو رہا ہے اور عیسائی شوخیاں کر رہے ہیں۔"

مارگریٹ:

"خیر شوخیاں کرنے کی تو ان کی عادت ہے، مگر یہ بتاؤ کہ کچھ جانتی بھی ہے، یا نہیں۔؟"

عالم:

"سنا تو یہی ہے کہ وہ بڑی عالمہ اور فاضلہ ہے۔ عیسائی تو یہاں تک کہتے ہیں کہ قرآن و

حدیث میں بھی کوئی عالم اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔"

مارگریٹ:

"بہت خوب! بہرحال اگر خاتون کو مقابلہ ہی کا شوق ہے تو وہ اپنے ساتھیوں کو لے کر یہاں آ جائے اور جو کچھ پوچھنا ہو پوچھے۔"

اس گفتگو کے بعد چھٹے روز مارگریٹ کو مسیحی خاتون کی تحریر آئی جس میں لکھا تھا:

"کیا تم مجھ سے اسلام اور مسیحیت کے بارے میں گفتگو کرو گی۔؟ اگر مجھے حاضر ہونے کی اجازت دی جائے تو میں بڑے شوق سے تمہارے شکوک کو رفع کرنے کی کوشش کروں گی۔"

مسیحی دین کی خادمہ: صبح خاتون

مارگریٹ نے اس کے جواب میں لکھا:

"باتیں بنانے اور وقت ضائع کرنے کیلئے نہیں، بلکہ احقاقِ حق کے لئے تم ہر وقت غریب خانہ پر آ سکتی ہو۔"

مارگریٹ کا جواب ملتے ہی صبح خاتون نے اس مقابلہ کی عام شہرت دے دی اور دوسرے ہی روز تقریباً ایک سو مسیحی خواتین کے ساتھ وہ مارگریٹ کے مکان پر جو در اصل علوم قرآن و حدیث کی درس گاہ تھی، پہنچ گئی۔

مارگریٹ نے تمام مہمانوں کا خیر مقدم کیا اور پھر یوں گفتگو شروع ہوئی:

صبح:

"افسوس ہے کہ تم نے خداوند یسوع مسیح اور تمام راہبوں کو چھوڑا اور اسلام جیسے جھوٹے مذہب کو قبول کر لیا۔! بہتر ہے تجربہ کے بعد مسیحی دین میں واپس آ جاؤ۔!"

مارگریٹ:

"مجھے اگر کوئی زندہ آگ میں بھی جلا ڈالے، تب بھی اسلام کو نہیں چھوڑ سکتی اور نہ عیسائیوں کے مشرکانہ اور شرمناک عقائد کو قبول کر سکتی ہوں۔! البتہ! یہ دریافت کرنے کا حق رکھتی ہوں کہ تم کس اصول سے مجھے مسیحی دین کی دعوت دینے آئی ہو۔؟ تمہاری انجیل میں تو کہیں یہ نہیں لکھا کہ دوسری قوموں کو عیسائیت کی دعوت دی جائے، بلکہ

اس کے خلاف یہ لکھا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام صرف بنی اسرائیل کے پیغمبر تھے اور ان ہی کو دعوت دینے آئے تھے۔"

صبح:

"واہ واہ! تو کیا انجیل شریف میں لکھا ہے کہ انسانوں پر مسیح دین کے دروازے بند کر دیئے جائیں۔؟ بس یہی تمہاری تحقیق ہے۔ جس کے بل بوتے پر مسیحت کو چھوڑ بیٹھی ہو۔؟"

مارگریٹ:

"ہاں! انجیل میں یہی لکھا ہے اور قرآن شریف سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے۔ چنانچہ فرمایا:

"حضرت مسیح بنی اسرائیل کے لئے رسول بن کر آئے تھے۔"

دوسری جگہ ارشاد ہے:

"اور ہم نے حضرت مسیح کو بنی اسرائیل کیلئے نمونہ بنایا۔"

صبح:

"ہم قرآن کو کب مانتے ہیں کہ تم اس کو ہمارے مقابلہ میں پیش کرنے لگیں۔؟ یہ دعویٰ انجیل سے تو ثابت کر کے دکھاؤ۔؟"

مارگریٹ:

"میں موجودہ انجیل کو کب مانتی ہوں کہ تم مجھے انجیل کے بارے میں بتا رہی تھی کہ انجیل میں کہاں لکھا ہے۔؟ قرآن حکیم کا نام میں نے اس لئے لیا تاکہ معلوم ہو جائے کہ اس معاملہ میں انجیل اور قرآن کا اتحاد ہے۔ اچھا سنو انجیل متی ۱۰/۵ میں لکھا ہے:

"بارہ حواریوں کو یسوع نے بھیجا اور انہیں حکم دے کر کہا کہ غیر قوموں کی طرف نہ جانا اور سامریوں کے کسی شہر میں داخل نہ ہونا، بلکہ اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے پاس جانا۔"

پھر اسی انجیل کے ۲۱/۱۵ میں اس طرح لکھا ہے:

"اور دیکھو ایک کنعانی عورت ان سرحدوں سے نکلی اور پکار کر کہا کہ اے خداوند بن

داؤد! مجھ پر رحم کر۔ ایک بدروح میری بیٹی کو بری طرح ستاتی ہے۔ مگر اس نے کچھ جواب اسے نہ دیا۔ اور اس کے شاگردوں نے پاس آ کر اس سے یہ عرض کی کہ اسے رخصت کر دے، کیوں کہ ہمارے پیچھے چلاتی ہے۔ اس نے جواب میں کہا کہ میں اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے سوا اور کسی کے پاس نہیں بھیجا گیا۔"

دیکھو! تمہاری انجیل سے بھی ثابت ہو گیا کہ حضرت مسیح ہمارے لئے نہیں، بلکہ بنی اسرائیل کیلئے مبعوث ہوئے تھے۔ تم کو چاہیے کہ اپنے خداوند کے حکم پر عمل کرو، ہم کو عیسائی بنانا دراصل انجیل کی خلاف ورزی اور حضرت مسیح سے بغاوت ہے۔"

صبح خاتون:

"انجیل کا حال تم کیا جانو۔؟ ان آیات کا مطلب ہم سے پوچھو۔ کیا انجیل شریف میں یہ نہیں لکھا کہ انجیل کی ہر جگہ منادی کرو۔؟"

مارگریٹ:

"ہرگز نہیں۔!"

صبح:

"اتنا سفید جھوٹ۔؟ مارگریٹ! تم اس مجمع میں تو کذب بیانی سے پرہیز کرو۔ دیکھو! انجیل مرقس ۱۵/۱۶ میں اس طرح لکھا ہے:

"اور اس نے ان سے کہا کہ تم تمام دنیا میں جا کر ساری مخلوق کے سامنے انجیل کی منادی کرو جو ایمان لائے اور بپتسمہ لے وہ نجات پائے گا۔"

دیکھا کیسا صاف بیان ہے کہ ساری دنیا کو عیسائی بناؤ۔"

مارگریٹ:

"یہ عبارت مرقس کی انجیل، ۱۶ باب، ۱۵ آیت میں ہے۔ شاید تم کو یہ معلوم نہیں کہ اصل انجیل صرف ۸ آیت پر ختم ہو گئی ہے اور ۱۲ آیتیں بعد میں ملائی گئی ہیں۔ اس لئے محرف آیت کو استدلال میں پیش نہیں کیا جاسکتا۔"

صبح خاتون:

"یہ کیسے معلوم ہوا کہ یہ آیات بعد میں ملائی گئی ہیں۔؟"

مارگریٹ:

"خود عیسائیوں کی تحقیقات سے، کیوں کہ انجیل کے پرانے نسخوں کا مقابلہ کرنے سے یہ معلوم ہو گیا ہے کہ قدیم ترین نسخوں میں مرقس کے آخری باب کی ۱۲ آیتیں موجود نہیں ہیں۔"

(آج کل بائبل کا جو ایڈیشن اردو میں موجود ہے اس میں بھی اس آیت کے حاشیہ میں اس تحریف کا اقرار کر لیا گیا ہے۔)

صبح خاتون:

"چونکہ ہمارے پاس انجیل کے اصل نسخے موجود نہیں ہیں، اس لئے تمہارے جواب میں فی الحال کچھ نہیں کہہ سکتی۔ اصل نسخوں کو دیکھ کر جواب دیا جائے گا، مگر یہ تو بتاؤ کہ قرآن مجید کی وہ کون سی تعلیم ہے جو انجیل میں نہیں۔؟ پھر تم نے اسلام کو کیوں قبول کیا۔؟"

مارگریٹ:

"اس سوال پر تو میں اندلس کے تمام مشہور پادریوں سے مفصل بحث کر چکی ہوں۔ ان سے ذرا دریافت کر لینا اور پھر یہ سوال کرنا۔"

صبح:

"مجھے کیا خبر تم نے پادریوں کو کیا جواب دیا۔ آخر یہ تو بتاؤ کہ تم نے اسلام میں کیا فضیلت دیکھی۔؟ کیا انجیل فضائل سے خالی ہے۔؟ کچھ تو اسلام کی فضیلت بیان کرو۔؟"

مارگریٹ:

"کیا تمہارا خیال یہ ہے کہ میں نے اسلام کو آنکھیں بند کر کے تسلیم کیا ہے؟ کوئی بات تو ہے، جس نے عیسائیت سے بیزار اور اسلام کا شیدا بنا دیا۔"

صبح خاتون:

"تم اسلام کی فضیلت بیان کیوں نہیں کر دیتیں۔؟ مگر بات یہ ہے کہ اسلام میں کوئی بھی فضیلت نہیں ہے۔ دیکھو! مارگریٹ! آج میرے علم کا مقابلہ کرنے والا تمام اندلس میں ایک شخص بھی نہیں ہے۔ مجھے جو باتیں معلوم ہیں ان کی تم کو ہوا بھی نہیں لگی۔ اچھا! اب میں تم سے ایک ایسی بات دریافت کرتی ہوں، جس سے حق و باطل کا

فیصلہ روزِ روشن کی طرح ہو جائے گا۔ یہ بتاؤ کہ عدل اور فضل میں کس کو فضیلت حاصل ہے۔ شریعت عدل افضل ہے، شریعت فضل سے یا شریعت فضل افضل ہے شریعت عدل سے۔؟"

مارگریٹ:

"اپنی اپنی مناسب جگہ دونوں افضل ہیں۔ غیر محل میں دونوں ناقص۔"

صبح:

"تم سمجھیں بھی کہ میں نے کیا کہا؟ دیکھو تورات شریعت عدل ہے، کیونکہ اس میں ہر جرم کی سزا مقرر ہے اور انجیل شریعت فضل ہے کہ جس میں صرف خداوند یسوع مسیح کے کفارہ کو گناہوں کا بدلہ قرار دیا گیا ہے۔ اب بتاؤ کہ شریعت فضل سے تم کو انکار ہے۔؟"

مارگریٹ:

"میں نے تو کہا کہ اپنی اپنی جگہ دونوں صحیح ہیں۔ اگر کسی مجرم کو اس بنا پر معاف کر دیا جائے کہ درگزر سے اس کی اصلاح ہو جائے گی تو عفو اور درگزر پر ہی عمل کرنا چاہیے اور اگر معاف کرنے سے مجرم کے دلیر ہونے کا اندیشہ ہوا اور پھر بھی اس کے جرم کو معاف کر دیا جائے تو یہ معافی جرم ہو گی اور مجرم کے حق میں ظلم۔"

صبح:

"اب یہ بتاؤ کہ قرآن شریف عدل ہے یا شریعت فضل۔؟"

مارگریٹ:

"تمہارے فیصلہ کے مطابق تورات شریعت عدل ہے نہ کہ شریعت فضل اور انجیل شریعت فضل ہے نہ کہ شریعت عدل تو گویا دونوں کتابیں اپنی جگہ ناقص ٹھہریں۔ اس کا اقرار پولوس رسول نے حضرت مسیح کی موجودگی میں اس طرح کیا کہ ہمارا علم ناقص ہماری نبوت ناتمام۔ کرنتھیوں ۹۔ ۱۳/۲، مگر قرآن عدل اور فضل دونوں کا جامع ہے اور ان دونوں کے استعمال کے صحیح طریقے بھی بتاتا ہے۔ مثلاً: قرآن کریم نے فرمایا:

برائی کا بدلہ برائی ہے۔"

یہ شریعت عدل ہے۔ آگے فرمایا:

"پس جو معاف کر دے اور اسی میں اصلاح دیکھے تو وہ ماجور ہو گا۔"

یہ شریعت فضل ہے۔"

دوسری جگہ فرمایا:

"اگر تم پر ظلم ہو تو ظلم کے مطابق بدلہ لے لو۔"

یہ عدل ہے۔

"لیکن اگر تم صبر اختیار کرو، تو صبر کرنے والوں کیلئے یہ بھی بہتر ہے۔"

یہ فضل ہے۔

تیسری جگہ ارشاد ہے:

"اگر مقروض تنگدست ہو تو آسانی کے وقت تک اسے مہلت دے دینی چاہیے۔"

یہ عدل ہے۔

"اگر تم قرض کو صدقہ کر دو تو تمہارے لئے بہتر ہے۔"

یہ فضل ہے۔ پس قرآن کریم عدل اور فضل دونوں کا جامع ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"آج ہم نے تمہارے دین کو مکمل کر دیا۔"

صبح:

"قرآن میں تو ظالم سے بدلہ لینے کا بھی حکم ہے، مگر انجیل شریف میں تو بدلہ لینے کی ممانعت اور معاف کرنے کا حکم ہے۔ پس انجیل شریف کی فضیلت ثابت ہو گئی۔"

مارگریٹ:

"فضیلت نہیں، بلکہ نقص ثابت ہو گیا۔ اگر ہر جگہ بدمعاشوں اور مجرموں کو معاف کر دیا جایا کرے تو دنیا میں فساد مچ جائے اور کائنات کا نظام درہم و برہم ہو جائے، لیکن قرآن کریم نے مصلحت اور حکمت کے ماتحت عفو و انتقام دونوں پر عمل کرنا جائز قرار دیا۔ نیز انجیل کی تعلیم سے تو خدا پر بھی اعتراض پیدا ہوتا ہے اور وہ اس طرح کہ خدا نے انسان میں غضب اور جوش کیوں پیدا کیا۔؟ کیا قوت غضبی بالکل بیکار پیدا کی گئی ہے۔؟ ہرگز نہیں خدا نے انسانی قوتوں میں سے ایک قوت بھی بیکار اور غیر مفید پیدا نہیں کی۔ اسی لئے قرآن کریم نے رحم و غضب اور عفو و انتقام کو استعمال کرنے کے صحیح

طریقے بتائے اور انسانی درخت کی کسی شاخ کو بھی خشک ہونے نہیں دیا۔"

صبح:

"دیکھو! یہ تمہارا کتنا بڑا ظلم ہے کہ ہر خوبی کا انکار کرتی چلی جا رہی ہو۔؟ ہمارے خداوند نے کبھی کسی سے جنگ نہیں کی اور دشمنوں کو معاف کر کے ان کی اذیتوں پر صبر کیا، مگر تمہارے پیغمبر نے دشمنوں سے بدلہ لیا اور کسی کو معاف نہیں کیا۔ پس ثابت ہوا کہ انجیل اور خداوند کا نمونہ ہی ہمارے لئے نجات کا ذریعہ ہے۔"

مارگریٹ:

"صبر، عفو، استقلال، شجاعت اور عدالت وغیرہ ایسے اوصاف ہیں جن کی خوبی سے ہر انسان واقف ہے، لیکن ان کی حقیقت بہت کم لوگوں کو معلوم ہے۔ ہر اخلاقی قوت اپنے موقعہ کے استعمال سے اچھی اور بری بنتی ہے۔ ورنہ فی نفسہ صبر و عفو وغیرہ اپنے اندر کوئی خوبی نہیں رکھتے۔ دیکھو! عفو اور درگزر کو اس وقت کمال کے درجہ میں رکھا جائے گا جب معاف کرنے والا انتقام کی بھی طاقت رکھتا ہو۔ اگر کسی مجبور اور کمزور انسان میں بدلہ لینے کی قوت نہیں ہے تو اس کی چشم پوشی اور درگزر کو خوبی پر نہیں، بلکہ مجبوری پر محمول کیا جائے گا۔ یہ عفو و درگزر کی اخلاقی خوبی خاتم المرسلین ﷺ میں بدرجہ اتم موجود تھی۔ چنانچہ فتح مکہ کے بعد جب ظالم کفار آپ ﷺ کے سامنے لائے گئے تو آپ ﷺ نے ان کو یہ کہہ کر آزاد کر دیا:

"آج تم پر کوئی الزام نہیں۔"

حالانکہ حضور ﷺ چاہتے تو ان کفار کی بوٹی بوٹی کر ڈالتے، کیونکہ آپ ﷺ بادشاہ تھے اور صحابہ کی فوج آپ کے حکم کی منتظر، لیکن یہ تو بتاؤ کہ آپ کے خداوند نے جو دشمنوں کو معاف کیا تھا، اس کی کیا صورت تھی؟ ظاہر ہے کہ آپ مظلوم تھے۔ کوئی آپ کا ساتھی نہ تھا۔ نہ بدلہ لینے کی آپ میں قوت تھی۔ پھر اگر معاف نہ کرتے تو کیا کرتے؟ ہاں! اگر صاحب اقتدار ہوتے اور پھر دشمنوں کو معاف کرتے تو تمہارے لئے کوئی فخر کی بات ہوتی۔ مجبوری کا نام صبر اور عفو نہیں ہو سکتا۔"

صبح:

"توبہ توبہ! مارگریٹ! خونیوں کو تم خلیق کہتی ہو اور اس شخص کو کوئی درجہ ہی نہیں دیتیں،

جس نے کبھی خون کا ایک قطرہ بھی نہیں گرایا۔؟"

مارگریٹ:

"یہ آپ کی سمجھ کا پھیر ہے کہ صاف بات کو بھی الٹا ہی سمجھتی ہو۔ میں دریافت کرتی ہوں کہ شجاعت آپ کے نزدیک کوئی خوبی ہے یا نہیں؟ اور عدل کو اچھا سمجھتی ہو یا برا۔؟"

صبح:

"یہ دونوں صفتیں بہت اچھی ہیں۔ ان سے کس کو انکار ہو سکتا ہے۔؟"

مارگریٹ:

"بہت ٹھیک! اب یہ بتاؤ کہ شجاعت کا کامل ظہور بغیر جنگ کے ممکن ہے۔؟ کیا عدل کی صفت بغیر قیام حکومت درجہ تکمیل کو پہنچ سکتی ہے۔؟ ہرگز نہیں! اس لئے ہمارے پیغمبر ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے یہ دونوں مواقع عنایت فرمائے یعنی آپ ﷺ نے کفار سے جنگ بھی کی اور تخت شاہی کو بھی حاصل کیا، تاکہ ایک طرف جنگ کے موقعہ پر آپ کی شجاعت و شہامت کا ظہور ہو اور دوسری طرف قیام حکومت کے بعد صفت عدل کی تکمیل ہو جائے۔ کیا تم یہ دونوں صفتیں اپنے خداوند میں دکھا سکتی ہو۔؟"

صبح:

"گویا ہمارے نزدیک لڑنا جھگڑنا بھی کوئی بڑی خوبی ہے۔ ہمارے خداوند صلح و سلامتی کا پیغام لے کر آئے تھے نہ جنگ کا۔"

مارگریٹ:

"مگر ہمارے پیغمبر ﷺ میں دونوں باتیں جمع تھیں۔ ایک طرف تو آپ رحمۃ اللعالمین اور رؤف و رحیم تھے اور دوسری طرف مجاہد اکبر اور پہلوان رب جلیل، تاکہ آپ انسانی زندگی کے ہر شعبہ کیلئے نمونہ عمل اور اسوۂ حسنہ بن سکیں۔"

صبح:

"مارگریٹ! تم کیسی الٹی الٹی باتیں کرتی ہو، بھلا ایک لڑاکو آدمی ایک صلح پسند کی برابری کس طرح کر سکتا ہے۔؟"

مارگریٹ:

"اگر دشمنوں سے لڑنا اور ان کی شرارتوں کا سدباب کرنا کوئی بڑا جرم ہے تو پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے جن کی تمام زندگی دشمنوں سے لڑنے میں گزری اور جس پر تورت گواہ ہے۔؟ بے شک حضرت مسیح علیہ السلام صلح و سلامتی کے پیغمبر تھے اور انہوں نے کبھی اپنی عمر میں جنگ نہیں کی، لیکن خاتم المرسلین ﷺ جلال اور جمال دونوں کے جامع تھے۔ اگر ایک طرف آپ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف کفار سے جنگ کی تو دوسری طرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرح آپ نے دنیا کو امن و سلامتی کا پیغام دیا، گویا آپ ﷺ حضرت موسیٰ اور عیسیٰ علیہ السلام کے مظہر اتم تھے۔"

صبح:

"معلوم ہوتا ہے کہ تم بڑی ہوشیار ہو گئی ہو۔ مگر میں تم کو پوری طرح شکست دے کر چھوڑوں گی۔ میں تم سے صاف صاف بات کرنا چاہتی ہوں، تا کہ یہاں جو خواتین موجود ہیں وہ بھی دو اور دو چار کی طرح سمجھ لیں۔ ذرا قرآن اور انجیل شریف کا مقابلہ کر کے دیکھو کہ حقیقت کتنی جلدی ظاہر ہوتی ہے۔"

مارگریٹ:

"آپ جو دریافت کریں گی، اس کا جواب فوراً پیش کر دوں گی۔؟"

صبح:

"دیکھو! جب تک تمہارے پیغمبر کی نبوت ثابت نہ ہو جائے اس وقت تک یہ تمام باتیں فضول ہیں۔ پہلے حضرت محمد کی صداقت و نبوت ثابت کرو اور پھر سلسلہ کلام آگے بڑھاؤ۔"

مارگریٹ:

"آپ کے نزدیک نبوت کا معیار کیا ہے۔؟"

صبح:

"اگر تم دو باتیں حضرت محمد میں ثابت کر دو تو اسلام سچا، ورنہ جھوٹا، کیونکہ ہر نبی کیلئے دو باتوں کا ثبوت ضروری ہے۔ اول یہ کہ کسی سابق رسول نے اس کی آمد کی پیشن گوئی کی ہو۔ دوم یہ کہ اس نے معجزات دکھائے ہوں۔ پس یہ دونوں باتیں تم محمد کے متعلق

ثابت کر کے دکھاؤ۔"

مارگریٹ:

"پہلے میں آپ کے سوال کا جواب دے دوں، پھر آپ کے سوال پر اٹھنے والے اعتراضات کو بیان کروں گی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کئی معجزات ہیں اور آپ سے پہلے نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے آپ کے بارے میں بشارت بھی دی ہے۔ اس کا ثبوت یوحنا کی انجیل باب سولہ آیت ۱۳ میں ملاحظہ کرو۔ اب میرا سوال کہ کیا تمہارے نزدیک حضرت آدم نبی تھے۔؟"

صبح خاتون:

"کیوں نہیں۔؟"

مارگریٹ:

"ان کے متعلق کسی سابق پیغمبر نے کوئی پیشگوئی کی تھی۔؟"

صبح خاتون:

"ان سے پہلے دنیا ہی موجود نہ تھی۔ پھر کوئی پیغمبر ان کے حق میں کس طرح پیشگوئی کرتا۔؟"

مارگریٹ:

"معلوم ہوا کہ آپ کا یہ اصول غلط ہے کہ ہر نبی کیلئے کسی سابق نبی کی پیشگوئی کا ہونا ضروری ہے۔ ورنہ حضرت آدم علیہ السلام دائرۂ نبوت سے خارج ہو جاتے ہیں۔ رہا معجزات کا صدور تو یہ بھی نبوت کیلئے ضروری نہیں، کیونکہ خود تمہاری انجیلوں میں لکھا ہے کہ جھوٹے نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے بھی بڑھ کر معجزے دکھائیں گے۔"

صبح:

"تم کسی بات کو تسلیم نہیں کرتیں، آخر کس طرح تم اپنے پیغمبر کی پیغمبری ثابت بھی کرو گی یا نہیں۔؟"

مارگریٹ:

"ایک چیز تو میں آپ سے دریافت کر رہی ہوں کہ عیسائیوں نے حضرت موسیٰ، داؤد،

سلیمان، یعقوب، یوسف، ایوب، نوح، ابراہیم علیہم السلام کو کس دلیل سے تسلیم کیا؟
وہ دلیل ذرا پیش کرو، اسی پر انشاء اللہ! خاتم المرسلین ﷺ کی نبوت بدرجہ اتم ثابت کر دی جائے گی اور آپ کو انکار کی گنجائش باقی نہ رہے گی۔"

صبح:

"ہم نے ہر نبی کو اس کے کاموں سے شناخت کیا ہے۔؟"

مارگریٹ:

"کون سے کام؟ ذرا تشریح کر کے بتاؤ، تاکہ دلیل قائم کرنے میں کوئی دشواری پیش نہ آئے۔"

یہاں مسیحی خاتون ذرا سوچ میں پڑ گئی اور بہت دیر تک سر جھکائے بیٹھی رہی۔ جو خواتین اس مجلس میں شریک تھیں انہوں نے محسوس کر لیا کہ مارگریٹ کی زبردست گرفت سے اس کا چھوٹ جانا محال ہے اور یہ یقیناً عیسائیوں کی ذلت اور رسوائی کا باعث بنے گی۔
اتنے میں خاتون نے سر اٹھا کر کہا:

"ہم اور پیغمبروں کے متعلق کچھ نہیں جانتے۔ ہمیں صرف اپنے خداوند مسیح سے سروکار ہے اور انہیں کی وجہ سے ہم تمام رسولوں پر ایمان لائے ہیں۔"

مارگریٹ:

"تو آپ اپنے خداوند کی صداقت کا کوئی معیار پیش کیجئے، تاکہ اسی پر پیغمبر کی نبوت کو بھی ثابت کر دیا جائے۔"

خاتون:

"ہمارے خداوند کی صداقت کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ انہوں نے مردوں کو زندہ کیا، اندھوں کو آنکھیں بخشیں، کوڑھوں کو پاک وصاف کیا اور لوگوں کو شیطان کے چنگل سے چھڑایا۔"

مارگریٹ:

"کیا ثبوت ہے کہ آپ کے خداوند نے یہ سب کام کیے۔؟ وہ مردے کہاں ہیں جن کو حضرت مسیح نے زندہ کیا تھا؟ وہ اندھے اور کوڑھے کس جگہ رہتے ہیں جو آپ کے

خداوند کے وسیلہ سے شفایاب ہوئے تھے، مگر اس کے مقابلہ میں آپ کے سامنے اپنے پیارے رسول ﷺ کا صرف ایک معجزہ پیش کرتی ہوں جو اب بھی ایسا ہی زندہ معجزہ ہے، جیسا کہ حضور ﷺ کے زمانہ میں تھا اور قیامت تک زندہ رہے گا۔ وہ معجزہ قرآن پاک ہے۔ قرآن کریم نے ساری دنیا کو للکارا کہ اگر یہ کلام انسانی، اختراع ہے تو اس جیسا کلام تم بھی بنا کر پیش کر دو۔ دس آیتیں، چند آیتیں، بلکہ صرف ایک آیت ہی اس کے مقابلہ پر بنا کر لاؤ، مگر آج تک عیسائیوں، یہودیوں، بت پرستوں، مجوسیوں اور صابیوں سے اس کا مقابلہ نہ ہو سکا۔ یہ ہے زندہ معجزہ جو تمام دنیا کو قیامت تک عاجز کرتا رہے گا۔ اس کے مقابلہ میں دیگر انبیاء کے معجزات وقتی تھے جن کا آج سوائے نقل کے اور کوئی ثبوت نہیں۔"

...نے تو ادھر ادھر کی باتیں بنانی شروع کر دیں! بھلا وہ کتاب بھی کہیں معجزہ ہو سکتی ہے جس میں چار چار شادیاں کرنے کا حکم ہو، دیکھو! ہمارے خداوند نے فرمایا کہ راہ حق اور زندگی میں ہوں اور بغیر میرے وسیلہ کوئی شخص خدا باپ کے پاس نہیں جا سکتا۔"

مارگریٹ:

"قرآن کریم نے چار چار شادیوں کا حکم ہرگز نہیں دیا۔ اس نے تو بعض شرائط کے ساتھ اس کی اجازت دی ہے۔ اگر تعدد ازواج کوئی جرم ہے تو آپ حضرت داؤد اور حضرت سلیمان جیسے پیغمبروں کے متعلق کیا کہیں گی۔؟ جنہوں نے بقول تورات کئی کئی عورتوں سے شادیاں کیں؟ رہا آپ کے خداوند کا یہ قول کہ راہ حق اور زندگی میں ہوں، تو اس سے قرآن کریم معجزہ کی تردید کس طرح ہو گئی؟ ہر نبی راہ حق اور زندگی لے کر دنیا میں آتا ہے۔ اس کے مقابلہ میں ذرا ہمارے پیارے رسول ﷺ کا عمل ملاحظہ ہو۔ آپ کے خداوند تو فرماتے ہیں کہ راہ حق اور زندگی میں ہوں، لیکن قرآن کریم نے حضرت محمد ﷺ کے متعلق فرمایا:

"آپ نہ صرف خود راہ حق پر ہیں، بلکہ دوسروں کو بھی راہ حق دکھاتے ہیں۔"

قرآن کریم کہتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نہ خود ہی زندگی تھے، بلکہ آپ تمام دنیا کو زندہ

کرنے آئے تھے۔

''اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول جب تم کو بلائیں تو ان کی دعوت کو قبول کرو تا کہ وہ تم کو زندہ کر دیں۔''

اس کا ثبوت یہ ہے کہ حضور پر نور ﷺ نے عرب کے وحشی، ظالم، مشرک اور بت پرستوں کو خلیق، عادل، خدا پرست اور متقی بنا دیا اور لاکھوں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ کے جھنڈے تلے جمع ہو گئے، گویا آپ ﷺ نے اپنی زندگی ہی میں تمام عرب کو زندہ کر دیا! اس کے خلاف تمہارے خداوند نے اپنی ساری عمر میں بارہ حواریوں کو اپنا پیرو بنایا، مگر ان کو کامل زندگی عطاء نہیں فرمائی، کیونکہ خود حضرت مسیح علیہ السلام نے ان میں سے کسی کو شیطان، کسی کو بے ایمان، کسی کو ملعون اور کسی کو چور کہا۔''

صبح:

''باتیں تو بناتی چلی جا رہی ہو، مگر اب تک یہ ثابت نہ کیا کہ تمہارے پیغمبر نے کونسا معجزہ دکھایا تھا۔''

مارگریٹ:

''میرے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کئی معجزات ہیں، ان میں سے چند ایک یہ ہیں:

1: ابن اسحاق لکھتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قوم کو کفر و شرک اور جہالت کے اندھیرے سے نکالنے کی بے پناہ کوشش فرمایا کرتے تھے۔ آپ ان کے خیر خواہ اور ان کی نجات کے متمنی تھے۔ قریش اس نصیحت کے جواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جانی دشمن بن گئے۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کر دینا چاہتے تھے مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اللہ تعالیٰ جل مجدہ کی مدد شامل تھی۔ قریش نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوتِ حق کا راستہ روکنے کے لیے بے شمار منصوبے اور پروپیگنڈے کیے۔ ان میں سے ایک یہ تھا کہ جب بھی کوئی مہمان یا مسافر حج یا کاروبار کی غرض سے مکہ مکرمہ آتا تو یہ اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بچ کر رہنے کی تلقین کرتے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف لوگوں کے دلوں میں نفرت پیدا کرتے۔

حضرت طفیل بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ قبیلہ ''دوس'' کے ایک معزز سردار اور معروف

شاعر تھے، وہ بیان کرتے ہیں کہ جب میں مکہ میں داخل ہوا تو قریش کے سرداروں نے میرا استقبال کیا اور کہا:

''اے طفیل! تم ہمارے شہر میں آئے ہو، ہم تمہیں خوش آمدید کہتے ہیں اور تمہاری خیر خواہی کے لیے مشورہ دیتے ہیں کہ ہمارے نوجوان (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) سے بہت محتاط رہنا۔ اس کا کام خاصا خطرناک ہے۔ اس نے ہماری قوم کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے ہمیں منتشر کر دیا ہے۔ اس کا کام جادو کی مانند ہے جس کی وجہ سے باپ بیٹے سے، بھائی بھائی سے اور میاں بیوی سے جدا ہو جاتا ہے۔ ہمیں ڈر ہے کہ جو مصیبت ہم پر نازل ہوئی ہے کہیں تم اور تمہاری قوم بھی اس کی زد میں نہ آ جائے۔ پس اے طفیل! آپ نہ تو اس نوجوان (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) سے کوئی کلام کریں اور نہ ہی اس کی بات سنیں۔''

حضرت طفیل بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ خدا کی قسم! قریش کے سرداروں نے مجھے اتنی تاکید کی کہ میں نے ان کی بات کو سچ سمجھ لیا اور فیصلہ کیا کہ ''صاحبِ قریش'' (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کی نہ تو بات سنوں گا اور نہ ہی اس سے کلام کروں گا۔ میں اپنے کانوں میں روئی ڈال کر خانہ کعبہ میں جاتا اور پھر بھی مجھے ڈر ہوتا کہ کہیں اس نوجوان (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کا جادو مجھ پر نہ چل جائے۔

ایک دن صبح کے وقت میں خانہ کعبہ میں آیا تو خانہ کعبہ کے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز پڑھتے دیکھا۔ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک کھڑا ہو گیا۔ خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک سے کچھ کلام سن لیا۔ وہ بہت اچھا کلام تھا۔ میں نے اپنے دل ہی دل میں کہا:

''میری ماں مجھے روئے! میں نے کیا طرزِ عمل اختیار کر رکھا ہے۔؟ خدا کی قسم! میں عقل مند بھی ہوں اور شاعر بھی، اچھے برے کی تمیز کر سکتا ہوں، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام سننے میں کیا حرج ہے؟ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام سننا چاہیے۔ اگر اچھی بات ہوگی تو قبول کر لوں گا اور اگر بری بات ہوگی تو رد کر دوں گا۔''

حضرت طفیل بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ مزید فرماتے ہیں کہ میں نے تھوڑی دیر انتظار کیا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہوئے تو گھر کی جانب چلے

۔ میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے پیچھے چلنے لگا۔ میں نے عرض کیا:

"اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کی قوم نے آپ کے بارے میں مجھے بہت کچھ کہا۔ انھوں نے اتنا پروپیگنڈا کیا کہ میں اس قدر متاثر ہوا کہ آپ کی آواز اپنے کانوں میں پڑ جانے کے خوف سے میں نے اپنے کانوں میں روئی ٹھونس لی، مگر اللہ تعالیٰ کو منظور تھا کہ میں آپ کا کلام سنوں، چنانچہ میں نے آپ کا کلام سنا اور اسے اچھا پایا۔ پس آپ اپنی دعوت کا تعارف کرائیں۔"

حضرت طفیل دوسی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے سامنے اسلام کی دعوت پیش فرمائی اور قرآنِ حکیم کی تلاوت سنائی۔ خدا کی قسم! میں نے زندگی بھر اس سے بہتر کلام نہیں سنا اور نہ ہی اس سے زیادہ انصاف وعدل سے بھرپور کلام مجھ تک پہنچا۔ میں نے اسلام قبول کر لیا اور کلمۂ شہادت پڑھ کر آئندہ شہادتِ حق کا فریضہ سرانجام دینے کا عہد کر لیا۔ میں نے عرض کیا:

"یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں اپنی قوم میں محترم و معزز ہوں اور میری ساری قوم میری بات مانتی ہے۔ اب میں اپنی قوم کے پاس واپس جا کر انہیں اسلام کی دعوت دوں گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم میرے لیے دعا فرما کر مجھے ایسی نشانی عطا فرما دیں جو دعوتِ حق کے کام میں میری معاون ہو۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرماتے ہوئے کہا:

"اے اللہ جل جلالہ! اسے کوئی نشانی عطا فرما۔"

حضرت طفیل بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں اپنی قوم کی جانب واپس لوٹتے ہوئے ایک پہاڑی پر پہنچا جہاں سے میرے قبیلے کے گھر اور آبادی نظر آ رہی تھی۔ اچانک میری پیشانی پر دونوں آنکھوں کے درمیان مشعل کی طرح روشنی چمکنے لگی۔ میں نے دعا کی:

"اے اللہ! یہ روشنی میرے چہرے کے علاوہ کسی اور چیز میں پیدا فرما دے، کیونکہ میری جاہل قوم اسے مرض قرار دے کر کہے گی کہ یہ مرض طفیل کو باپ دادا کے دین کے چھوڑنے کی وجہ سے لاحق ہو گیا ہے۔"

حضرت طفیل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ پس یہ روشنی میری چھڑی کے سرے پر

آ گئی۔ قوم نے دور سے دیکھا کہ یہ چھڑی ایسے معلوم ہوتی تھی جیسے قندیل روشن ہو۔ میں پہاڑ سے اترا اور سب لوگ دیکھ رہے تھے، یہاں تک کہ میں رات کے اندھیرے میں سفر کرتے ہوئے قبیلے کے درمیان اپنے گھر پہنچا۔

2: ابن اسحاق نے محمد بن ابراہیم ابن الحارث التیمی سے، انہوں نے ابوالہیثم نصر بن دھر اسلمی سے اور انہوں نے اپنے والد سے سنا کہ ایک سفر کے دوران حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سلمہ بن عمر بن اکوع کے چچا عامر بن اکوع رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا:

"ابن اکوع (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)! ذرا شعرخوانی کرو، تا کہ اونٹ تیز چلیں۔"

ابن اکوع رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے اونٹ سے اتر کر پیدل چلنے لگے اور شعرخوانی کے لیے رجز یہ شعر پڑھنے لگے، جن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یقین دلایا گیا تھا کہ جنگ کے میدان میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ثابت قدم رہیں گے۔

ابن اکوع رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ شعر پڑھے:

"واللہ لو لا اللہ ما اھتدینا
ولا تصدقنا و لا صلینا
انا اذا قوم بغوا علینا
و ان ارادو فتنة ابینا
فانزلنا سکینة علینا
و ثبت الاقدام ان لا قینا"

"اللہ کی قسم! اگر توفیق خداوندی ہمارے ساتھ شامل حال نہ ہوتی تو ہمیں ہدایت نہیں مل سکتی تھی۔ نہ ہم صدقہ دیتے نہ ہم نمازیں پڑھتے (یعنی اللہ تعالیٰ نے ہمیں خصوصی رحمت سے اسلام کی ہدایت دی اور ہم کو ان پاکیزہ اعمال سے نوازا) اس راستے پر چلتے ہوئے جب کوئی دشمن ہمارے خلاف چڑھائی کر کے آئے تو ہم بزدلی نہیں دکھاتے۔ جو ہمارے لیے فتنہ پیدا کرنا چاہیں ہم ان کے مقابلے پر غیرت و حمیت کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ اے مولائے کریم! ہمارے دلوں پر سکینت نازل

فرما اور دشمن سے مقابلہ ہو جائے تو ہمیں ثابت قدمی عطا فرمانا۔"

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ شعر سنے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم خوش ہوئے اور ابن اکوع رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یوں دعا دی:

"اللہ تعالیٰ تجھ پر رحم فرمائے۔"

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب کبھی کسی صحابی کو یہ دعا دیتے تو وہ شہادت کے مرتبے پر فائز ہو جاتے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تو اسی وقت عرض کر دیا:

"یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! خدا کی قسم! ابن اکوع رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تو شہادت لازمی ہو گئی ہے۔ اگر وہ کچھ عرصہ مزید ہمارے ساتھ رہتے تو کیا ہی اچھا ہوتا۔"

عامر بن اکوع رضی اللہ تعالیٰ عنہ جنگِ خیبر میں شہید ہو گئے۔ ان کی شہادت کا واقعہ یوں نقل کیا گیا ہے کہ دشمن سے لڑتے ہوئے ان کی اپنی ہی تلوار پلٹ کر ان کو زخمی کر گئی۔ زخم بہت گہرا تھا اسی سے ان کی وفات ہو گئی۔ لوگوں کو ان کی شہادت کے بارے میں شک ہوا اور انہوں نے یہ کہا:

"وہ تو اپنی ہی تلوار سے زخمی ہو کر قتل ہو گئے ہیں۔"

عامر بن اکوع رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بھتیجے سلمہ بن عمرو نے یہ باتیں سنیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور لوگوں کی گفتگو کا ذکر کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ باتیں سن کر فرمایا:

"بیشک وہ راہِ حق میں شہادت پانے والے تھے۔"

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور سب مسلمانوں نے ان کی نماز جنازہ پڑھی۔

3: ابن اسحاق نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلایا اور فرمایا:

"بنو کندہ کے بادشاہ اُکیدر بن عبدالمالک کی طرف جاؤ اور اس کو مطیع کرو۔"

یہ بادشاہ نصرانی تھا۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ حکم ملتے ہی روانہ ہونے لگے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"تم اسے جنگلی گائے کا شکار کرتے ہوئے پاؤ گے۔"

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدینہ منورہ سے روانہ ہو کر اپنے ساتھیوں کے

ہمراہ دیار بنو کندہ پہنچے تو منظر العین میں اکیدر کے قلعے کے قریب چاندنی رات کے وقت انہوں نے دیکھا کہ اکیدر قلعے کی چھت پر بیٹھا ہے اور اس کی بیوی بھی اس کے پاس ہے۔ اسی دوران ایک عجیب منظر یہ دیکھنے میں آیا کہ اکیدر بادشاہ کے محل کے صدر دروازے پر ایک جنگلی گائے آئی اور دروازے کے ساتھ سینگ مارتی رہی۔

اکیدر بادشاہ کو اس کی بیوی نے کہا:

"کیا ایسا منظر تم نے کبھی پہلے بھی دیکھا ہے۔؟"

اس کی بیوی نے جواب دیا:

"خدا کی قسم! پہلے کبھی ایسا منظر دیکھنے میں نہیں آیا۔"

اس کے بعد اکیدر کی بیوی نے کہا:

"اس شکار کو کون چھوڑ سکتا ہے۔؟"

اکیدر نے جواب دیا:

"کوئی بھی نہیں۔"

یہ کہہ کر وہ چھت سے نیچے اُترا اور غلاموں کو حکم دیا کہ اس کے گھوڑے پر زین کسی جائے۔ پھر وہ اپنے بچوں اور ساتھیوں کے ہمراہ ہتھیار بند ہو کر شکار کے لیے نکلا۔ اس کی معیت میں اس کا بھائی حسان بھی تھا۔

جونہی یہ لوگ قلعے سے نکل کر کھلی جگہ آئے تو ان کا سامنا حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دوسرے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے ہو گیا۔ اسی لڑائی میں اکیدر کا بھائی قتل ہو گیا اور وہ خود صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ہاتھوں گرفتار ہو گیا۔ اس نے ایک نہایت قیمتی قبا اوڑھ رکھی تھی جس میں ریشمی دھاگے کے اوپر سونے کا منقش کام کیا گیا تھا۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس سے اس کی قبا لے لی اور مدینہ پہنچنے سے قبل یہ قبا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیج دی۔

ابن اسحاق نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب اکیدر کی قبا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچی تو میں موجود تھا۔ مسلمان اس قبا کی خوبصورتی اور نرمی کو دیکھ کر متعجب ہو رہے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ صورت حال

دیکھ کر فرمایا:

''کیا تم اس پر تعجب کر رہے ہو؟ اس ذات کی قسم! جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے۔ سعد بن معاذ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے پاس جنت میں اس سے کہیں زیادہ جمیل و نفیس رومال ہیں۔''

پھر حضرت خالد بن ولید اکیدر بادشاہ کو لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی جان بخشی اور جزیئے کی ادائیگی پر اس کے ساتھ صلح فرمائی۔ اکیدر کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رہا فرما دیا تو وہ واپس اپنے قبیلے میں چلا گیا۔

قبیلہ بنو طے کے ایک شخص حضرت بجیر بن بجرہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک قصیدہ پیش کیا جس میں انہوں نے (آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس گائیں کے شکار کرنے والے معجزہ کو بیان کرتے ہوئے) کہا:

"تبارك سألق البقرات انى
رأيت الله يهدى كل هاد
فمن يك حائداعن ذى تبوك
فانا قد امرنا بالجهاد"

''بابرکت ہے وہ ذاتِ پاک جو جنگلی گایوں کو ہانک کر مقام مقررہ تک پہنچا دیتی ہے۔ میں نے دیکھا ہے کہ ہر ہدایت دینے والے کی رہنمائی خود اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے۔ جو کوئی غزوۂ تبوک کا حکم دینے والے (نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم) سے الگ ہونا چاہتا ہے اسے جان لینا چاہیے کہ ہم الگ نہیں ہوں گے۔ ہمیں جہاد کا حکم دیا گیا ہے اور ہمارا سر تسلیم خم ہے۔

یہ اشعار سن کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اللہ تیرے دانتوں کو کبھی بوسیدہ نہ کرے۔''

راوی کہتے ہیں کہ بجیر بن بجرہ نوے سال زندہ رہے، نہ کبھی ان کا کوئی دانت ٹوٹا، نہ دانتوں میں تکلیف ہوئی اور نہ کبھی کوئی داڑھ ہلی۔''

4: ابن اسحاق نے بیان کیا ہے کہ بریدہ بن سفیان اسلمی نے ان کو یہ واقعہ کئی

راویوں کے واسطے سے سنایا کہ ابوالیسر کعب بن عمرو کہتے ہیں کہ ہم نے یہودیوں کے قلعے کا محاصرہ کر رکھا تھا اچانک بھیڑ بکریوں کا ایک ریوڑ وہاں سے گزرا وہ ایک یہودی کی ملکیت تھا اور قلعے میں واپس جا رہا تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''ان بکریوں میں سے ہمارے کھانے کے لیے کچھ بکریاں کون لائے گا۔؟''

ابوالیسر کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا:

''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں یہ کام کر سکتا ہوں۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''ٹھیک ہے۔''

ابوالیسر فرماتے ہیں:

''چنانچہ میں شتر مرغ کی طرح چلتا ہوا ریوڑ میں گھس گیا، بکریوں کا پہلا حصہ قلعے میں داخل ہو چکا تھا۔ میں نے آخری حصے میں سے دو بکریاں پکڑ لیں اور انہیں اپنے بازوؤں کے نیچے دبا کر اپنی فوج کی جانب لے آیا۔ میں یوں چلا آ رہا تھا گویا کہ بکریوں کا کوئی بوجھ ہی نہیں ہے۔ جب میں نے بکریاں لا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ذبح کرنے کا حکم دیا اور سب لوگوں نے ان کا گوشت کھایا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے میری لمبی عمر کی دعا فرمائی۔''

یہی وجہ ہے کہ ابوالیسر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے آخر میں فوت ہوئے۔ انہوں نے بڑی لمبی عمر پائی۔ حضرت ابوالیسر رضی اللہ عنہ اپنی عمر کے آخری حصے میں جب کبھی یہ واقعہ بیان فرماتے تو آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے اور پھر فرمایا کرتے:

''مجھ سے استفادہ کر لو! میری عمر کی قسم! تمام صحابہ کی جماعت میں سے میں ہی رہ گیا ہوں۔ باقی سب رخصت ہو گئے ہیں۔''

5: ابن عبدالبر بیان کرتے ہیں کہ عمر بن اخطب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کئی جنگوں میں حصہ لیا۔ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سر پر ہاتھ پھیرا اور خوب صورتی و جمال کے لیے دعا فرمائی۔

اس دعا کے وسیلے کے سبب حضرت عمر بن اخطب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سو سال سے زیادہ عمر پائی اور وہ آخر وقت تک بہت حسین وجمیل رہے۔ سو سال عمر ہونے کے باوجود ان کے سر اور داڑھی میں گنتی کے چند ایک بال سفید ہوئے، باقی بالکل سیاہ تھے۔

6: امام بخاری سے مکی بن ابراہیم نے، انہوں نے جعید سے سنا، انہوں نے عائشہ بنت سعد بن ابی وقاص سے سنا۔ وہ کہتی ہیں کہ ان کے والد سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ مکہ میں شدید بیمار ہو گئے۔ بچنے کی کوئی امید نہ رہی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی عیادت کے لیے تشریف لائے تو انہوں نے عرض کیا:

''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرا کافی مال اور جائیداد ہے اور صرف ایک بیٹی ہے۔ میں اپنے ترکے کا تیسرا حصہ راہِ خدا میں وقف کرنا چاہتا ہوں۔''

یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اتنا وقف نہ کرو۔''

انہوں نے عرض کیا:

''اچھا نصف اللہ کی راہ میں وصیت کرتا ہوں اور نصف (اپنی بیٹی کے لیے) چھوڑتا ہوں۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بار بھی فرمایا:

''نہیں (اتنا وقف نہ کرو۔)''

انہوں نے عرض کیا:

''پھر تیسرا حصہ وصیت کرتا ہوں اور دو حصے اپنی بیٹی کے لیے چھوڑتا ہوں۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''ثلث کی وصیت کرو اور ثلث بھی کثیر ہے۔''

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دست مبارک میری پیشانی پر رکھا، میرے چہرے اور پیٹ پر اپنے ہاتھ مبارک سے مسح کیا اور دعا مانگی:

''اے اللہ! سعد کو شفا دے اور اس کی ہجرت کو مکمل فرما دے۔''

حضرت سعد رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ مبارک کی ٹھنڈک اپنے جگر اور کلیجے میں آج تک محسوس کرتا ہوں۔

پھر اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کے وسیلے سے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شفا بخشی، انہوں نے طویل عمر پائی اور کثیر اولاد سے اللہ تعالیٰ نے انہیں نوازا۔

7: ابوعمر بیان کرتے ہیں کہ حضرت نابغہ جعدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے ایک قصیدہ پڑھا جس کی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لیے دعا فرمائی۔ ان کا قصیدہ ''قصیدہ رائبہ'' کے نام سے مشہور ہے۔ قصیدہ رائبہ کا پہلا شعر یہ تھا:

اتیت رسول الله اذجاء الهدی

ویتلوا کتابا کالجرة نیرا

''جب اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہدایت کے ساتھ دنیا میں تشریف لائے تو میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم انسانوں کو ہدایت دیتے اور کتاب کی تلاوت فرماتے ہیں، جس کی آیات روشن اور چمکدار ستاروں کی طرح ہیں۔''

حسن بن عبداللہ نے بیان کیا ہے کہ انہوں نے اس شخص سے سنا جو حضرت نابغہ جعدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہونے کا واقعہ روایت کیا کرتا تھا۔ وہ کہتا ہے کہ حضرت نابغہ جعدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے تو انہوں نے یہ شعر پڑھے:

''ہم اس قوم کے سپوت ہیں جو جنگ لڑنا جانتی ہے۔ ہمارے شہسوار اور سپہ سالار اس وقت تک جنگ سے واپس نہیں آتے جب تک جنگ کا فیصلہ نہ ہو جائے، گویا کہ وہ پیٹھ پھیرنا جانتے ہی نہیں۔ گھبراہٹ کے وقت ہم دشمن کا خوب قتلِ عام کرتے ہیں اور خون کی ندیاں بہا دیتے ہیں۔ ایسے وقت میں ہمارے گھوڑوں کا رنگ پہچاننا مشکل ہو جاتا ہے۔ سیاہ مشکی گھوڑے سرخ رنگ کے نظر آتے ہیں۔ ہمارے ہاں یہ معمول ہی نہیں کہ ہمارے گھوڑے میدانِ جنگ سے صاف ستھرے اور صحیح سلامت

لوٹ آئیں، بلکہ ہم بوقتِ ضرورت ان کی کونچیں بھی کاٹ دیتے ہیں اور میدانِ جنگ میں جم کر دشمن کا صفایا کرتے ہیں۔ ہم اپنے عظیم کارناموں کی وجہ سے شہرت کے بلند آسمانوں کی بلندیوں پر چمکدار ستارے کی طرح چمک رہے ہیں اور ہمارا حسب ونسب اتنا بلند، عالی اور بے داغ ہے کہ اَجداد کا ذکر کرنا باعث عزت وتکریم سمجھا جاتا ہے۔ یہ سب کچھ ہمارے پاس ہے، مگر ہم اس سے بھی بلند مقام کی تمنا وآرزو ورکھتے ہیں۔"

یہ سن کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت نابغہ جعدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا:

"اے ابولیلیٰ! اس سے بلندتر کہاں کی جستجو ہے۔؟"

حضرت نابغہ جعدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا:

"یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہم جنت کی آرزو رکھتے ہیں۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"ضرور۔ اِن شاءَ اللّٰہ"

حضرت نابغہ جعدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ۔ یہ شعر سنائے:

"ایسا علم جس کے ساتھ جرأت اور بہادری شامل نہ ہو کس کام کا؟ اسے تو بزدلی کہنا زیادہ بہتر ہے۔ علم کے ساتھ شجاعت ہونی چاہئے تا کہ حوض کے پانی کو گدلا کرنے والوں کو منہ توڑ جواب دیا جائے۔ ایسی بہادری جس کے ساتھ حلم، علم اور نرمی نہ ہو جہالت کے مترادف ہے۔ شجاعت کا سکہ جمالینے کے بعد عفو ودرگزر سے دلوں کو فتح کیا جاتا ہے۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ شعر سن کر فرمایا:

"اللہ تیرے دانتوں کو ہمیشہ سلامت ومستحکم رکھے۔"

حسن کہا کرتے تھے کہ نابغہ جعدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دانت سب لوگوں سے زیادہ خوب صورت تھے۔ وہ منہ کھولتے تھے تو دانت سفید برق اور بجلی کی طرح چمکدار نظر آتے تھے۔ ان کا نہ تو کوئی دانت ٹوٹا، اکھڑا اور نہ کمزور ہوا۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کا اثر تھا کہ حضرت نابغہ جعدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک سو سال زندہ رہے

اوران کے دانت آخری سانس تک بالکل صحیح وسلامت رہے۔

8: امام بخاری سے یحییٰ، ان سے اسماعیل، ان سے قیس اور ان سے حضرت جریر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اے جریر! کیا تو ذی الخلصہ بت کو منہدم کر کے مجھے راحت نہیں پہنچائے گا۔؟"

بنو خثعم اور بنو بجلیہ نے ایک مکان بنا رکھا تھا جس میں ذی الخلصہ بت دیگر بتوں کے ساتھ رکھا ہوا تھا۔ اس مکان کا نام کعبۃ الیمانیہ تھا۔ حضرت جریر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں ایک سو پچاس سواروں کے ساتھ اس مہم پر روانہ ہوا۔ میرے ساتھی سب قبیلہ بنو احمس کے تھے۔ وہ سارے ماہر گھوڑ اسوار تھے۔ جب کہ میں گھوڑے کی پیٹھ پر بھی اچھی طرح جم کر نہیں بیٹھ سکتا تھا۔ جب میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زور سے اپنا ہاتھ میرے سینے پر مارا۔ یہاں تک کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلیوں کے نشانات اپنے سینے پر دیکھ سکتا تھا۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی:

"اے اللہ! اسے گھوڑے کی پیٹھ پر جم کر بیٹھنے کے قابل بنادے اور اسے ہادی و مہدی (ہدایت یافتہ اور ہدایت دینے والا) بنادے۔"

حضرت جریر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بت خانے کو جلا کر راکھ کر دیا اور بتوں کو توڑ پھوڑ دیا، پھر ایک ایلچی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں خوش خبری سنانے کے لیے روانہ کیا۔ ایلچی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں حاضر ہوا اور عرض کیا:

"یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اس ذات کی قسم! جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حق کے ساتھ بھیجا ہے۔ میں وہاں سے اس وقت تک نہیں چلا جب تک کہ اس بت ذوالخلصہ کو جلا کر راکھ نہیں کر دیا گیا۔ اب وہ خارش زدہ اونٹ کی طرح ہے۔"

اس موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بہت خوش ہوئے اور احمس کے پورے قبیلے اوران کے گھوڑ اسواروں کے حق میں پانچ مرتبہ برکت کی دعا فرمائی۔

9: واقدی نے ابوبکر بن سلیمان بن ابی حثمہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رجب نو ہجری میں حضرت علاء بن حضرمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو منذر بن ساوی کے نام خط دے کر بھیجا۔ حضرت منذر بن ساوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

نے اسلام قبول کر لیا اور حضرت علا بن حضرمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ واپس آ گئے۔ واپسی پر یمامہ سے گزرے تو یمامہ کے سردار حضرت ثمامہ بن اثال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے (اسلام لانے سے پہلے) ان سے پوچھا:

''کیا تم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے قاصد ہو۔؟''

انہوں نے جواب دیا:

''ہاں۔''

حضرت ثمامہ بن اثال رضی اللہ تعالیٰ عنہ غضب ناک ہو کر بولے:

''اب تم واپس اس کے پاس زندہ نہیں جا سکو گے۔''

حضرت ثمامہ بن اثال حضرت علا بن حضرمی رضی اللہ عنہ کو قتل کی دھمکیاں دینے لگے۔ حضرت ثمامہ بن اثال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے چچا عامر نے ان سے کہا:

''ثمامہ بن اثال! عقل کی بات کرو۔ تمہاری اس شخص (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) سے کیا دشمنی۔؟''

عامر کی مداخلت سے حضرت ثمامہ بن اثال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت علا بن حضرمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو چھوڑ دیا۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدینہ پہنچ گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں سارا واقعہ عرض کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی:

''اے اللہ! عامر کو ہدایت سے نواز دے اور ثمامہ پر مجھے غلبہ عطا فرما۔''

امام بخاری بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دستہ نجد کی جانب روانہ فرمایا، ان کے ہاتھ بنو حنیفہ کا ایک آدمی آ گیا جسے انہوں نے گرفتار کر لیا اور مدینہ لا کر مسجدِ نبوی کے ایک ستون سے باندھ دیا۔ اس کا نام ثمامہ بن اثال تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھر سے نکل کر مسجد تشریف لائے تو قیدی سے اس کا نام پوچھ کر فرمایا:

''ثمامہ! کیا حال ہے۔؟''

انہوں نے جواب دیا:

''اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! میرا حال اچھا ہے۔ اگر آپ مجھے قتل کر دیں گے تو یہ ایسے آدمی کا قتل ہو گا جس کے خون کی قیمت کچھ ہے اور اگر مجھ پر احسان کر دیں تو یہ

ایسے آدمی پر احسان ہو گا جو احسان کا بدلہ دینا جانتا ہے اور اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مال و دولت کی ضرورت ہے تو جتنا مانگو گے ملے گا۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دوسرے روز پھر اس کے قریب آئے تو اپنا سوال دہرایا اس نے بھی اپنا وہی جواب دیا جو پہلے دن دیا تھا۔ تیسرے روز بھی یہی سوال جواب ہوئے۔ حضرت ثمامہ بن اثال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جواب سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اسے چھوڑ دو۔''

چنانچہ حضرت ثمامہ بن اثال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو رہا کر دیا گیا۔ رہائی کے بعد حضرت ثمامہ بن اثال رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسجد کے قریب کھجوروں کے ایک باغ میں گئے، غسل کیا، پھر مسجدِ نبوی میں آ کر کلمہ پڑھ لیا اور مسلمان ہو گئے۔ مسلمان ہونے کے بعد حضرت ثمامہ بن اثال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا:

''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! خدا کی قسم! روئے زمین پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے سے زیادہ مجھے کسی شخص کے چہرے سے نفرت نہ تھی مگر اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ میرے نزدیک دنیا بھر کے انسانوں سے زیادہ محبوب ہو گیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین سے زیادہ مجھے دنیا کے کسی دوسرے دین سے اتنی عداوت نہ تھی مگر آج مجھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دین دنیا کے ہر دین سے زیادہ پیارا لگتا ہے۔ مجھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے شہر سے زیادہ کوئی شہر برا نہیں لگتا تھا مگر آج آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا شہر مجھے پوری دنیا سے زیادہ محبوب و عزیز ہو گیا ہے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھڑ سواروں نے مجھے پکڑا تو میں عمرہ کے لیے جا رہا تھا۔ اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا خیال ہے۔؟''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ثمامہ بن اثال رضی اللہ عنہ کو بشارت سنائی اور عمرہ کرنے کے لیے مکہ جانے کا حکم فرمایا۔ جب حضرت ثمامہ بن اثال رضی اللہ عنہ مکہ پہنچے تو قریشِ مکہ ان کے گرد جمع ہو گئے اور کہا:

''کیا تو صابی ہو گیا ہے۔؟''

انہوں نے جواب دیا:

''نہیں بلکہ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دینِ اسلام میں داخل ہو گیا ہوں۔ اب سن لو! خدا کی قسم! اس وقت تک تمہیں یمامہ سے غلے کا ایک دانہ بھی نہیں پہنچے گا جب تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اجازت نہ دے دیں۔''

یمامہ واپس جا کر حضرت ثمامہ بن اثال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اہلِ مکہ کا غلہ بند کر دیا۔ اہل مکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ کرنے کی تیاری میں تھے مگر یہ صورتِ حال دیکھ کر مجبوراً آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور درخواست کرنے لگے کہ یمامہ سے ان کو غلہ منگوا دیجئے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یمامہ سے مکہ غلہ آنا بحال کر دیا۔

10: ابن عساکر نے اسحاق کے حوالے سے ابولہب کے بیٹے عتیبہ کے حالات میں ایک واقعہ لکھا ہے۔ ہبار بن اسود بیان کرتے ہیں کہ ابولہب اور اس کا بیٹا عتیبہ تجارت کے لیے ملکِ شام کی طرف روانہ ہوئے تو میں بھی ان کے ساتھ جانے کے لیے تیار ہو گیا۔ سفر پر جانے سے پہلے عتیبہ نے کہا:

''خدا کی قسم! میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس جاؤں گا اور اس کے رب کے بارے میں اس کے جو عقائد ہیں انکی وجہ سے اسے ضرور اذیت پہنچا کر رہوں گا۔''

چنانچہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہنے لگا:

''اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! میں اس کا انکار کرتا ہوں جس کے بارے میں تم کہتے ہو:

''پھر وہ جلوہ نزدیک ہوا پھر خوب اتر آیا۔ o تو اس جلوے اور اس محبوب میں دو ہاتھ کا فاصلہ رہا بلکہ اس سے بھی کم۔ o''

اس گستاخی پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابولہب کے بیٹے عتیبہ کے حق میں بددعا مانگتے ہوئے رب تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کیا:

''اے اللہ! اس (ابولہب کے بیٹے عتیبہ) پر اپنے کتوں میں سے کسی کتے کو مسلط فرما۔''

عتیبہ اپنے خیال میں بڑا کارنامہ سرانجام دے کر اپنے باپ ابولہب کے پاس

آیا تو ابولہب نے پوچھا:

''پیارے بیٹے تو نے اس (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) سے کیا کہا۔؟''

عتیبہ ابن ابولہب نے بتایا کہ میں نے ایسے اور ایسے، یہ اور یہ کہا۔

اس نے پوچھا:

''اس کے جواب میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے کیا کہا۔؟''

عتیبہ ابن ابولہب نے بتایا کہ انہوں نے یہ بددعا کی۔

یہ سنتے ہی ابولہب کا رنگ اڑ گیا اور اس نے کہا:

''اے بیٹے! خدا کی قسم! بیشک میں تم کو اس شخص (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کی بددعا سے محفوظ نہیں سمجھتا۔ (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ بددعا ضرور پوری ہوگی۔)''

ہبار بن اسود مزید بیان کرتے ہیں کہ ہم ملکِ شام کی طرف روانہ ہو گئے۔ ہم نے کچھ سفر کرنے کے بعد ابراہ کے مقام پر قیام کیا۔ وہاں ایک گرجا گھر تھا ہم گرجا گھر میں ہی ٹھہرے۔ گرجا گھر کے پادری نے کہا:

''اے عرب کے رہنے والو! تم یہاں کیوں ٹھہرتے ہو؟ یہ تو بڑی خطرناک جگہ ہے۔ یہاں پر شیر ایسے گھومتے پھرتے ہیں جیسے عام علاقوں میں بکریاں!''

یہ سن کر ابولہب کے ہوش اڑ گئے اور اس نے ہم کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

''تم جانتے ہو کہ میں بوڑھا ہوں۔ میرے مقام و مرتبہ سے بھی تم واقف ہو اور میرے جو تم پر احسان ہیں تم ان سے بھی بے خبر نہیں ہو۔ اس شخص (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) نے میرے اس بیٹے (عتیبہ) کے بارے میں بددعا کی ہے۔ جس کی وجہ سے میں فکر مند ہوں۔ پس تم سارا سامان اس گرجا گھر کے صحن میں جمع کر دو! اس کے اوپر میرے بیٹے کا بستر لگا دو! پھر اس سامان کے گرد تم سب جمع ہو کر سو جاؤ!''

ہبار بن اسود کہتے ہیں کہ ہم نے ایسا ہی کیا۔ رات کے وقت جب ہم سو گئے تو جنگل سے شیر آیا۔ اس نے ہم سب کے چہروں کو سونگھنا شروع کیا مگر کسی کو کچھ نہ کہا۔ وہ اپنے شکار (عتیبہ بن ابولہب) کی تلاش میں تھا۔ اس نے پیچھے جا کر دوڑ لگائی اور زوردار چھلانگ لگا کر سامان کے بلند ڈھیر پر چڑھ گیا۔ اس نے

عتیبہ کے چہرے کو سونگھا اور اسے چیر پھاڑ کر دیا۔ پھر اس کا سر کھول دیا۔ عتیبہ کے باپ ابولہب کا برا حال تھا اور وہ کہہ رہا تھا:

"میں جانتا تھا کہ میرا بیٹا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بددعا سے کبھی نہیں بچ سکتا۔"

سوال: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عتیبہ بن ابولہب کے لیے بددعا فرمائی کہ اے اللہ! اس (ابولہب کے بیٹے عتیبہ) پر اپنے کتوں میں سے کسی کتے کو مسلط فرما۔" اس دعا میں لفظ "کلب" ہے، جس کا معنی ہے: "کتا"، لیکن عتیبہ ابن ابولہب کو تو شیر نے چیر پھاڑ کیا نہ کہ کتے نے۔ معلوم ہوا کہ اس واقعہ کا وقوع حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بددعا کی وجہ سے نہیں ہوا۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے "کلب" فرمایا نہ کہ "اسد"، بہر حال یا تو یہ مانو یہ واقعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بددعا سے نہیں ہوا یا پھر یہ مانو کہ حدیث شریف میں 'کلب' نہیں بلکہ "اسد" ہے۔

جواب: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کلب اور عتیبہ کو اسد نے کھایا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسد کو کلب اس لیے فرمایا کہ اسد بھی کلب کی طرح ٹانگ اٹھا کر پیشاب کرتا ہے۔ حضرت علامہ ابوموسیٰ بن عیسیٰ کمال الدین الدمیری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہی لکھا ہے۔

11: ابن اسحاق نے بیان کیا ہے کہ انہوں نے جعفر بن عبداللہ بن ابی الحکم سے سنا کہ ابوعامر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دورِ مدینہ کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور اس نے پوچھا:

"جو دین تم لے کر آئے ہو کیا ہے۔؟"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"میں ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کا دین لے کر آیا ہوں جو شرک سے پاک اور حنفیت پر مبنی ہے۔"

اس نے کہا:

"میں بھی اسی دین پر ہوں۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"نہیں تم اس دین پر نہیں ہو۔"

ابوعامر نے کہا:

"میں یقیناً اسی دین پر ہوں۔ مگر اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! تم نے دینِ حنیف میں اپنی طرف سے نئی چیزیں داخل کر دی ہیں جو حقیقت میں اس دین میں نہ تھیں۔"

یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"میں نے تو اس دین میں کوئی ملاوٹ نہیں کی بلکہ اسے اصلی صورت اور پاک صاف حالت میں پیش کیا ہے۔"

ابوعامر نے کہا:

"ہم میں سے جو جھوٹا ہے اسے اللہ تعالیٰ بے یار و مددگار چھوڑ دے اور غربت و تنہائی میں اس پر موت مسلط فرمائے۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"بالکل ٹھیک ہے۔ جھوٹے کے ساتھ اللہ تعالیٰ ایسا ہی معاملہ فرمائے۔"

ابوعامر کچھ عرصہ بعد مدینہ سے مکہ چلا گیا۔ جب مکہ فتح ہوا تو وہ طائف کی طرف بھاگ گیا۔ طائف بھی فتح ہو گیا تو اس دشمنِ خدا نے شام کی راہ لی اور وہاں وہ بے یار و مددگار غربت و تنگدستی میں ہی مر گیا۔

12: ابن اسحاق بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جب بنو عامر کا وفد آیا تو اس میں عامر بن طفیل اور اربد بن قیس بھی تھے۔ اربد حضرت لبید بن ربیعہ شاعر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اخیافی بھائی تھا۔ اس وفد میں تیسرا اہم شخص جبار بن سلمیٰ تھا اور یہ تینوں اپنے اپنے قبیلے کے سردار اور پرلے درجے کے شیاطین تھے۔ دشمنِ خدا عامر بن طفیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور وہ پہلے ہی سے غدر کا ارادہ کیے ہوئے تھا۔ اس کی قوم کے لوگوں نے اس سے کہا تھا کہ چونکہ سارے قبائلِ عرب نے اسلام قبول کر لیا ہے اس لیے تم بھی اسلام قبول کر لو۔

اس نے جواب دیا:

"خدا کی قسم! میں نے عہد کر رکھا تھا کہ اس وقت تک چین نہیں لوں گا جب تک سارے عربوں کو اپنا تابع فرمان نہ بنا لوں۔ اب کیا میں اس قریشی جوان (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کی اتباع کر لوں۔؟ نہیں ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔"

پھر اس نے اربد سے کہا:

''جب ہم اس شخص (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس پہنچیں تو میں اسے باتوں میں لگاؤں گا تم تاک لگا کر بیٹھنا اور جونہی موقع ملے اسی وقت اس کا کام تمام کر دینا۔''

یہ لوگ مدینہ پہنچے تو عامر بن طفیل نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا:

''اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! میں تمہارے ساتھ علیحدگی میں کچھ بات کرنا چاہتا ہوں۔ ذرا میرے ساتھ باہر چلیے۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''خدا کی قسم! نہیں۔ میں تمہارے ساتھ علیحدگی میں کوئی بات نہیں کرنا چاہتا جب تک کہ تم اللہ وحدہ لاشریک پر ایمان نہ لے آؤ۔''

عامر بار بار اپنا مطالبہ دہراتا رہا اور منتظر رہا کہ اس بحث کے دوران اربد منصوبے کے مطابق کام کر گزرے مگر اربد ٹس سے مس نہ ہوا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عامر کا مطالبہ رد فرما دیا تو اس نے فخر کے ساتھ کہا:

''خدا کی قسم! میں اس علاقے کو سواروں اور پیادہ فوج سے بھر دوں گا کہ تمہیں ختم کر ڈالیں۔''

یہ دھمکی دیکر وہ چلا گیا، اس کے جانے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی:

''اے اللہ! عامر بن طفیل کے مقابلے میں میرے لیے تو کافی ہو جا۔ (عامر بن طفیل کے مقابلے میں میری مدد فرما)''

نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے رخصت ہونے کے بعد عامر نے اربد سے کہا:

''اے اربد! تیرا ستیاناس ہو۔ میں نے تمہیں جو حکم دیا تھا تو نے اس کا کیا کیا۔؟ میں نے کئی مرتبہ تجھے موقعہ دیا مگر تو ٹس سے مس نہ ہوا۔ خدا کی قسم! روئے زمین پر میں اپنی جان کے بارے میں تجھ سے زیادہ کبھی کسی سے نہ ڈرا تھا۔ خدا کی قسم! آج تمہاری بزدلی دیکھ لی ہے۔ اب میں تجھ سے کوئی خوف نہ کھاؤں گا۔''

یہ سن کر اربد نے کہا:

''تیرا باپ مرے۔ اس معاملے میں جلد بازی نہ کر۔ خدا کی قسم! میں نے تیرے حکم کی تعمیل کرنے کا ارادہ کیا مگر میرے اور اس (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کے درمیان تم حائل ہو جاتے تھے۔ مجھے وہ نظر نہیں آ رہا تھا محض تم ہی نظر آ رہے تھے۔ میں اسے نہیں دیکھ سکتا تھا۔ مجھے تیرے سوا کچھ بھی سجھائی نہیں دیا۔ کیا میں تیرے اوپر تلوار چلا دیتا۔؟''

یہ دونوں آپس میں ایک دوسرے کو کوستے ہوئے واپس جا رہے تھے۔ ابھی راستے میں ہی تھے کہ اللہ تعالیٰ نے عامر بن طفیل کو طاعون کی بیماری میں مبتلا کر دیا۔ وہ بنو سلول کی ایک عورت کے گھر میں اس عذاب سے مر گیا۔

ابن اسحاق مزید بیان کرتے ہیں کہ اس کے ساتھی اسے دفن کر کے روانہ ہوئے اور اپنی قوم میں سردیوں کے دنوں میں پہنچے۔ قوم کے لوگوں نے پوچھا:

''اے اربد! کیا خبر لائے ہو۔؟''

اربد نے کہا:

''خدا کی قسم! کوئی اچھی خبر نہیں ہے۔ اس (نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم) نے ہمیں کسی غیر مرئی چیز (اللہ تعالیٰ) کی عبادت کی طرف دعوت دی۔ میری خواہش ہے کہ اگر اس وقت وہ میرے سامنے آئے تو میں اسے تیر کا نشانہ بنا کر قتل کر دوں۔''

ان ہرزہ سرائی کی باتوں کے ایک یا دو دن بعد اربد اپنے اونٹ پر سوار ہو کر اسے بیچنے کی غرض سے گھر سے چلا، اللہ تعالیٰ نے آسمان سے بجلی بھیجی جس نے اربد اور اس کے اونٹ کو ہلاک کر دیا۔

12: ولید بن کثیر ابو بدرس سے اور وہ حضرات اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جب سورۃ:

''تباہ ہو جائیں ابولہب کے دونوں ہاتھ اور وہ تباہ ہو ہی گیاo اسے کچھ کام نہ آیا اس کا مال اور نہ جو کمایاo اب دھنستا ہے لپیٹ مارتی آگ میں وہo اور اسکی بیوی لکڑیوں کا گٹھا سر پر اٹھاتیo اسکے گلے میں کھجور کی چھال کا رساo''

نازل ہوئی تو ابولہب کی بیوی ام جمیل بنت حرب بہت پریشان ہوئی۔ وہ غصے کی حالت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاش میں نکلی۔ اس کے ہاتھ میں پتھر تھا اور وہ

یہ شعر گاتی آرہی تھی:

مذمما انینا

و دینہ قلینا

وماره عصینا

''جس شخص (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کی مذمت کی جاتی ہے، ہم نے اس کا انکار کر دیا ہے۔ ہم اس کے دین کو نفرت اور حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں اور ہم اس کے حکم کو ٹھکراتے ہیں۔''

اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف فرما تھے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس (ابولہب کی بیوی) دشمن خدا کو آتے ہوئے دیکھا تو عرض کیا:

''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ بد بخت آرہی ہے، مجھے ڈر ہے کہ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ہاتھ اٹھائے گی اور گستاخی کرے گی۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''ابوبکر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)! فکر نہ کرو وہ مجھے نہیں دیکھ سکے گی۔''

یہ فرما کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کریم کی اس آیت کریمہ کی تلاوت شروع فرمادی جس میں اللہ تعالیٰ جل جلالہ ارشاد فرماتا ہے:

''اے محبوب (صلی اللہ علیہ وسلم)! تم نے قرآن پڑھا، ہم نے تمہارے اور ان کے درمیان جو آخرت پر ایمان نہیں لاتے ایک چھپا ہوا پردہ کر دیا۔o''

ام جمیل (ابولہب کی بیوی) بڑھتی ہوئی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آئی اور پوچھنے لگی:

''اے ابوبکر (صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ)! تمہارا ساتھی (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کہاں ہے۔؟''

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا:

''اس گھر (بیت اللہ) کے مالک (اللہ تعالیٰ) کی قسم! میرے ساتھی (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) نے تیری ہجو بالکل نہیں کی۔'' (بلکہ اللہ تعالیٰ نے کی ہے۔)

یہ سن کر وہ پلٹی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو اسے دکھائی ہی نہ دیئے اور وہ یہ کہتے ہوئے گھر کو لوٹی:

''قریش اچھی طرح جانتے ہیں کہ میں ان کے سردار کی بیٹی ہوں۔''

13: ابن اسحاق نے یزید بن زیاد سے انہوں نے محمد بن کعب القرظی سے یہ واقعہ بیان کیا ہے کہ جب قریش کے منتخب لوگوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر کا محاصرہ کرلیا تو ابوجہل بن ہشام نے جو کہ محاصرین میں شامل تھا، اپنے ساتھیوں سے کہا:

''محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا خیال ہے کہ اگر تم اس کی اتباع کرو گے تو عرب وعجم کے مالک بن جاؤ گے اور پھر یہ بھی کہ مجھ پر ایمان لاؤ گے تو موت کے بعد دوبارہ زندگی میں تمہیں اردن کے بہترین باغوں کی طرح کے باغات مل جائیں گے اور اگر ایسا نہ کرو گے تو اس (رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم) کے ہاتھوں مارے جاؤ گے اور موت کے بعد دوبارہ زندگی میں تمہیں آگ میں بھی ڈالا جائے گا جس میں جلتے رہو گے۔''

یہ گفتگو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازے پر ہو رہی تھی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حکمِ خداوندی کے مطابق اپنے گھر سے نکلے مٹھی بھر خاک ہاتھ میں لی اور ان کفار (جو محاصرہ کیے ہوئے تھے) کی طرف پھینکتے ہوئے فرمایا:

''ہاں! میں یہ سب کچھ کہتا ہوں۔ یہ بھی کہتا ہوں کہ تو (ابوجہل) انہی لوگوں میں سے ہے کہ آگ جن کا مقدر بن چکی ہے۔''

اللہ تعالیٰ نے دشمنوں کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا، وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ دیکھ سکے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مٹھی بھر خاک ان کے سروں میں ڈال دی۔ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم سورۂ یٰسین کی تلاوت فرمارہے تھے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب ان آیات کو تلاوت فرما کر فارغ ہوئے تو اتنی دیر میں سارے کافروں کے سر اور چہرے خاک آلود ہو چکے تھے۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سے ہجرت کے ارادے سے چلے۔

رات کے کسی حصے میں کافروں کے پاس ان کا کوئی ساتھی آیا جو کسی وجہ سے ان کے ساتھ محاصرہ میں شریک نہیں ہو سکا تھا۔ اس نے پوچھا!

"تم لوگ یہاں کس کا انتظار کررہے ہو۔؟"

انہوں نے کہا:

"محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا۔"

وہ بولا:

"خدا نے تمہیں ناکام کردیا ہے۔ اللہ کی قسم! محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تو تمہارے درمیان سے نکل کر بخیریت جاچکا ہے اور جاتے وقت تم سب کے سروں میں مٹی بھی ڈال گیا ہے۔ جس کے انتظار میں تم کھڑے ہو وہ جاچکا ہے۔ اب یہاں کیا کررہے ہو۔؟"

راوی کہتے ہیں کہ یہ سن کر جب ہر شخص نے اپنے سر پر ہاتھ پھیرا تو اسے خاک آلود پایا۔ اس کے بعد کفارِ مکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر کے اندر دیواروں سے جھانکنے لگے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بستر مبارک پر حضرت علی کرم اللہ وجہہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہی چادر تان کر سورہے تھے۔ کفار یہ دیکھ کر کہنے لگے۔ خدا کی قسم! محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تو اپنے گھر میں سویا پڑا ہے اور اس کے اوپر چادر بھی ہے۔

وہ صبح تک یہی سمجھتے رہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم محوِ استراحت ہیں۔ لیکن صبح جب حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بستر سے اٹھے اور چادر اتاری تو کافروں کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ اب انہوں نے یہ کہنا شروع کیا:

"خدا کی قسم! خبر دینے والے کی خبر درست تھی۔ وہ سچا تھا اور اس نے سچی خبر دی تھی۔"

14: ابن اسحاق نے زہری کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ عبدالرحمٰن بن مالک بن جشم نے سراقہ بن مالک بن جشم سے سنا وہ بیان کیا کرتے تھے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کرکے مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ روانہ ہوئے تو قریش نے اعلان کردیا کہ جو محمد بن عبداللہ کو پکڑ کر ان کے پاس لے آئے اسے سو 100 اونٹ انعام دیا جائے گا۔ میں (سراقہ) اپنی قوم کے چوپال میں بیٹھا تھا اور یہی موضوع زیرِ بحث تھا۔ عین اس وقت قبیلے کا ایک فرد دروازے پر آکر رکا اور اس نے کہا:

"خدا کی قسم! میں نے تین آدمیوں کا ایک قافلہ دیکھا ہے۔ وہ ابھی ابھی میرے پاس سے گزرے تھے۔ میرا پختہ خیال ہے کہ وہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کے ساتھی (رضوان اللہ علیہم اجمعین) تھے۔"

میں نے اس شخص کو آنکھ سے اشارہ کیا کہ وہ خاموش رہے۔ پھر میں نے لوگوں کو بتاتے ہوئے کہا:

"وہ تو فلاں قبیلے کے لوگ تھے اور گم گشتہ اونٹ تلاش کررہے تھے۔"

خبر دینے والے نے کہا:

"ممکن ہے ایسا ہی ہو۔"

پھر وہ خاموش ہوگیا۔ میں تھوڑی دیر تو مجلس میں بیٹھا رہا اور اِدھر اُدھر کی باتیں ہوتی رہیں پھر میں اٹھ کر گھر چلا گیا۔ میں نے حکم دیا کہ میرا گھوڑا تیار کیا جائے اور میرے ہتھیار نکالے جائیں۔ چنانچہ گھوڑا تیار کرکے وادی کے بطن میں پہنچا دیا گیا اور میں گھر کے پچھلے دروازے سے اسلحے سمیت نکل کر گھوڑے تک جا پہنچا۔ اب میں نے تیروں سے فال نکالی۔ فال میری مرضی کے خلاف نکلی۔ جو تیر فال میں نکلا اس پر لکھا ہوا تھا:

"اسے (تین آدمیوں کے قافلے کو) مت نقصان پہنچاؤ۔"

مگر میں تو سو اونٹوں کے لالچ سے اندھا ہوگیا تھا۔ میں نے فال کو نظر انداز کردیا اور چل پڑا۔ قافلے کا کھوج مجھے مل گیا اور میں ان کے نقشِ قدم پر چلتا رہا۔ اسی دوران اچانک گھوڑا بدکا اور پھسل گیا۔ میں اس کی پشت سے نیچے گر گیا۔ ایسا پہلے کبھی نہیں ہوا تھا۔ میں نے سوچا:

"یہ کیا ہوا ہے۔؟"

پھر میں نے اپنے تیر نکالے اور پھر فال معلوم کی۔ اب کی بار بھی وہی تیر نکلا جو پہلے دیکھ چکا تھا۔ میں نے اس مرتبہ بھی فال کو نظر انداز کردیا اور فیصلہ کیا کہ تعاقب جاری رکھا جائے۔ میں ان کے پیچھے پیچھے جارہا تھا کہ پھر میرے گھوڑے کی وہی حالت ہوئی اور میں زمین پر گر گیا۔ بڑا تعجب ہوا، میں نے کہا:

"یہ ہو کیا رہا ہے۔؟"

اب تیسری مرتبہ میں نے فال نکالی اور حیران ہوا کہ جواب پھر وہی نکلا جو پہلی اور دوسری مرتبہ نکلا تھا یعنی ''اس قافلے کو نقصان نہ پہنچاؤ۔'' میں اب بھی اپنے ارادے سے باز نہ آیا اور قافلے کے پیچھے چلتا رہا، یہاں تک کہ وہ لوگ مجھے نظر آنے لگے۔ اب تو میرا گھوڑا پھسلنے کی بجائے ایک اور مصیبت میں گرفتار ہو گیا۔ ہوا یہ کہ اس کی اگلی ٹانگیں زمین میں دھنس گئیں اور میں زمین پر آگرا۔ بڑی مشکل سے گھوڑے نے زمین سے پاؤں نکالے اور پاؤں نکلتے ہی زمین سے ایک دھواں بگولے کی طرح برآمد ہوا۔ اب میں سمجھ گیا کہ (حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے خدا کی طرف سے) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی حفاظت کی گئی ہے۔ وہ غالب ہیں مغلوب نہیں ہو سکتے۔

اب میں نے انہیں آواز دی اور کہا:

''میں سراقہ بن جشم ہوں ذرا ٹھہرو۔ میں تم سے بات کرنا چاہتا ہوں۔ خدا کی قسم! میں نہ تو تمہیں دھوکہ دوں گا اور نہ ہی میری طرف سے تمہیں کوئی نقصان پہنچے گا۔''

یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا:

''اے صدیق اکبر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) اسے پوچھو کہ ہم سے کیا چاہتا ہے۔؟''

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا تو میں نے بتایا:

''مجھے ایک تحریر لکھ دو۔ جو میرے اور آپ کے درمیان نشانی اور سند رہے۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا:

''ابوبکر (صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ)! اسے لکھ دو۔''

سراقہؓ فرماتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک ہڈی پر لکھ دیا، ہڈی میری جانب پھینک دی، میں نے وہ اٹھالی اور اپنی ترکش میں رکھ لی۔ (ایک روایت میں ہے کہ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سراقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا: ''اے سراقہ! اس وقت تیرا کیا حال ہو گا جب کسریٰ کے سونے کے کنگن تیرے ہاتھوں میں پہنا دیئے جائیں گے۔'' اس وقت تو حضرت سراقہ کو اس بات پر تعجب ہوا مگر یہ غیبی خبر سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دورِ خلافت

میں پوری ہوئی کہ روم کے خلیفہ نے سونے کے کنگن حضرت سراقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھوں میں ڈالے۔)

حضرت سراقہ رضی اللہ عنہ مزید فرماتے ہیں کہ میں وہ تحریر لے کر واپس لوٹا تو اس واقعہ کا کسی سے کوئی ذکر نہ کیا یہاں تک کہ مکہ فتح ہو گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مکہ کی فتح سے فارغ ہو کر حنین و طائف کے معرکے بھی سر کر چکے اور میں تحریر لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا مکہ اور طائف کے درمیان جعرانہ کے چشمے پر میں آپ کی خدمت میں پہنچا۔ جب انصار کے گھوڑ سوار دستے نے مجھے دیکھا تو نیزوں سے مجھے ڈرانے لگے اور پوچھا!

''تو کون ہے؟ اور کیا چاہتا ہے۔؟''

میں خدا خدا کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب جا پہنچا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اونٹنی پر سوار تھے۔ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پنڈلی دیکھی۔ خدا کی قسم! وہ ایسی سرخ و سپید تھی جیسے کہ آگ کا انگارہ۔

میں نے تحریر ہاتھ میں لے کر اپنا ہاتھ اوپر اٹھایا اور عرض کیا:

''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ میرے ہاتھوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عطا کی ہوئی تحریر ہے۔ میں سراقہ بن جشم ہوں۔''

میری یہ صدا سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''آج نیکی اور وفا کا دن ہے۔ اسے قریب آنے دو۔''

پس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا اور ارادہ کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے چند سوال پوچھوں۔ میں نے سوال پوچھے، جن میں سے یہ مجھے یاد ہے کہ میں نے عرض کیا:

''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اگر میں اپنا حوض اپنے اونٹوں اور مویشیوں کو پانی پلانے کے لیے بھر دوں پھر کوئی آوارہ اونٹ آ کر وہاں سے پانی پی لے تو اس سے مجھے کوئی اجر ملے گا۔؟''

اس کے جواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''ہاں ہر جاندار کو کھلانے پلانے میں اجر ہے۔''

حضرت سراقہ فرماتے ہیں:

''پھر میں واپس اپنی قوم میں آگیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں صدقہ بھیجتا رہا۔''

15: ابن اسحاق کی روایت میں ہے کہ جنگِ احد میں ہزیمت کے بعد یہ افواہ پھیل گئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شہید کر دیئے گئے ہیں۔ مسلمانوں کے لیے یہ خبر قیامت سے کم نہ تھی۔ ابن شہاب الزہری کے بیان کے مطابق جس شخص نے سب سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا اور پہچانا وہ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا آپ کا پورا سر اور چہرہ لوہے کی ٹوپی میں چھپا ہوا تھا اور آنکھیں اپنی چمک اور آب وتاب سے درخشاں تھیں۔ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچان لیا اور بلند آواز سے کہا:

''اے مسلمانو! خوشخبری سن لو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زندہ اور سلامت ہیں۔''

اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اشارہ فرمایا کہ خاموش رہو۔ جب مسلمانوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو ان کی جان میں جان آگئی اور وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب لپکے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک گھاٹی پر چڑھنے لگے۔ حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت علی ابن ابی طالب، حضرت طلحہ بن عبیداللہ، حضرت زبیر بن عوام، حضرت حارث بن صمہ اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی ایک جماعت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھی۔ گھاٹی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک مقام پر پہنچے تو دشمنِ اسلام اُبی بن خلف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب بڑھا اور کہنے لگا:

''اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! آج اگر تو بچ گیا تو مجھے ہرگز نجات نہ مل سکے گی۔''

یہ سن کر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا:

''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہم میں سے کوئی اس دشمنِ خدا سے نپٹ لے۔؟''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''نہیں! اسے چھوڑ دو! ذرا آگے تو آئے۔''

ابی ابن خلف جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب پہنچا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حارث بن صمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ سے ان کا ہتھیار لیا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہتھیار سنبھالا تو اس میں ارتعاش سا پیدا ہوا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم دشمنِ اسلام کی جانب بڑھے اور اس کی گردن پر وار کیا۔ ابی بن خلف کئی مرتبہ اپنے گھوڑے سے لڑکھڑایا، مگر بھاگ نکلا، اس کی گردن پر معمولی سا زخم آیا تھا۔

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ یہی ابی بن خلف مکہ میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دھمکی دیتا اور کہتا:

''اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! میرے پاس ایک بہترین گھوڑا ہے۔ میں نے اسے اچھی طرح سے پال رکھا ہے۔ ہر روز اسے دانہ کھلاتا ہوں۔ اسی پر سوار ہو کر میں تجھے قتل کروں گا۔''

اس کے جواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے:

''تو مجھے کیا قتل کرے گا۔؟ اللہ نے چاہا تو میں تجھے قتل کروں گا۔''

جب احد سے یہی ابی بن خلف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مقابلہ کرنے کے بعد بھاگ نکلا تو وہ قریش کی فوج میں جاملا۔ وہ خوشی خوشی مکہ جا رہے تھے۔ ابی بن خلف کی گردن میں معمولی سا زخم تھا جسے خراش کہنا زیادہ بہتر ہے۔ اس زخم سے تھوڑا سا خون بہا، اس نے لوگوں سے کہنا شروع کر دیا:

''خدا کی قسم! محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے مجھے قتل کر ڈالا ہے۔''

اس کی باتیں سن کر اس کے ساتھیوں نے کہا:

''خدا کی قسم! تم تو پاگل معلوم ہوتے ہو۔ بخدا! تجھے نہ کوئی زخم لگا ہے اور نہ ہی تیری جان کو کسی قسم کا خطرہ ہے۔''

ابی بن خلف نے کہا:

''محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) مجھے مکہ میں کہا کرتا تھا کہ وہ مجھے مار ڈالے گا۔ خدا کی قسم! وہ اگر مجھ پر تھوک بھی ڈالتا تو مجھے ہلاک کر دیتا۔''

یہ لوگ مکہ کی جانب جا رہے تھے کہ یہ دشمن خدا راستہ میں ہی واصلِ جہنم ہو گیا۔

16 ابن اسحاق نے بیان کیا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کا قلعہ فتح کر لیا اور اطمینان سے وہاں قیام فرمایا تو اس دوران سلام بن مشکم یہودی کی بیوی زینب بنت الحارث نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک ہدیہ بھیجا۔ یہ ہدیہ ایک بھنی ہوئی بکری کے گوشت کی صورت میں تھا۔ اس عورت نے ہدیہ بھیجنے سے قبل پوچھتے ہوئے کہا:

''اے محمد! آپ کو بکری کے کونسے حصے کا گوشت زیادہ پسند ہے۔؟''

آپ علیہ السلام نے فرمایا:

''دستی کا گوشت مجھے زیادہ پسند ہے۔''

اس عورت نے بکری کے گوشت کو زہر آلود کر دیا، دستی کو خصوصاً بہت زیادہ زہر آلود کیا اور پھر یہ بھونی ہوئی بکری لے کر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے حاضر ہوئی اور آپ کے حضور پیش کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دستی کا گوشت لیا مگر اسے کھایا نہیں۔ آپکے پاس آپ کے صحابی حضرت بشیر بن براء بن معرور رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی بیٹھے تھے۔ انہوں نے گوشت کا ایک ٹکڑا لیا اور کھا لیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لقمہ منہ میں توڑا لا مگر نگلا نہیں اور اُگل دیا پھر فرمایا:

''بکری کی ہڈی نے مجھے خبر دی ہے کہ یہ زہر آلود ہے۔''

وہ عورت تو بکری رکھ کر چلی گئی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے اسے حاضر کیا گیا۔ وہ آئی تو پوچھنے پر اس نے جرم کا اعتراف کر لیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا:

''تو نے یہ مجرمانہ حرکت کیوں کی۔؟''

اس نے جواب دیا:

''آپ نے جو میری قوم کے ساتھ معاملہ کیا ہے وہ آپ سے پوشیدہ نہیں ہے۔ میں نے سوچا کہ اگر آپ محض دنیا کے بادشاہوں کی طرح بادشاہ ہیں تو زہر آلود گوشت کھا کر مر جائیں گے اور میں راحت پاؤں گی اور آتشِ انتقام ٹھنڈی ہوگی اور اگر آپ واقعی اللہ کے نبی ہیں تو اللہ تعالیٰ آپ کو زہر کی خبر کر دے گا۔''

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ اس کے اس اعتراف کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے

معاف فرما دیا۔ مگر دوسری روایات سے پتہ چلتا ہے کہ اس وقت تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے درگزر فرمایا مگر بعد اس زہر آلود گوشت کھانے کی وجہ سے حضرت بشیر رضی اللہ عنہ کی وفات ہوگئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلامی قانون کے مطابق اس عورت پر قصاص کی حد جاری فرمائی اور وہ قتل کی گئی۔

17: ابن اسحاق نے یزید بن رومان کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبیلۂ بنو نضیر کے ہاں تشریف لے گئے۔ بنو عامر کے دو افراد جو حضرت عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھوں قتل ہو گئے تھے ان کے خون بہا کا مطالبہ طے کرنا مقصود تھا۔ بنو عامر بنو نضیر کے حلیف تھے۔ یہودیوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یوں کہا:

''اے ابو القاسم (صلی اللہ علیہ وسلم)! آپ تشریف رکھیں۔ ہم اس معاملے میں آپ کے ساتھ پورا پورا تعاون کریں گے۔''

اس کے بعد یہودیوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک بلند دیوار کے سائے میں بیٹھا دیا اور آپس میں ایک سازش تیار کی۔ انہوں نے ایک دوسرے سے کہا:

''ایسا سنہری موقعہ تو کبھی نہ ملے گا۔ کوئی شخص مکان کی چھت پر چڑھ جائے اور محمد کے سر پر بھاری پتھر پھینک دے تاکہ ہم اس سے نجات پالیں۔''

سب نے اس رائے کو پسند کیا اور عمرو بن حجاش بن کعب یہودی نے کہا:

''میں یہ کام کروں گا۔''

سازش کے مطابق وہ مکان کی چھت پر چڑھ گیا اور ایک بھاری پتھر گرانے کے لیے تیار ہو گیا۔ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی ایک جماعت کے ساتھ دیوار کے سائے میں تشریف فرما تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی موجود تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آسمان سے خبر ملی کہ یہودیوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف سازش تیار کی ہے، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس دیوار کے سائے سے اٹھ کھڑے ہوئے اور مدینہ کی جانب روانہ ہو گئے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین

کچھ دیر وہیں بیٹھے رہے مگر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کافی دیر تک واپس نہ آئے تو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاش میں نکلے۔

اچانک مدینے کی طرف سے آتا ہوا ایک شخص نظر آیا تو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں دریافت کیا تو اس نے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ پہنچ گئے ہیں۔

چنانچہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین بھی واپس مدینہ چلے گئے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں یہودیوں کی سازش اور بدعہدی کی اطلاع دی۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو جنگ کی تیاری کا حکم دیا اور بنونضیر کی جانب اپنی فوج کے ساتھ روانہ ہوگئے۔

18: ولید بن مسلم سے عبداللہ بن مبارک نے، ان سے ابوبکر الہذلی نے، ان سے ابن عباس کے غلام عکرمہ نے اور ان سے شیبہ بن عثمان نے روایت بیان کی ہے۔ شیبہ کہتے تھے کہ میں نے یوم حنین کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ تنہا ہیں۔ مجھے اپنا باپ اور چچا یاد آئے۔ انہیں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قتل کیا تھا۔ میں نے دل ہی دل میں سوچا کہ آج انتقام کا موقع مل گیا ہے۔

میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دائیں جانب سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا رخ کیا۔ جوں ہی میں قریب پہنچا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دائیں جانب حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھا۔ میں نے دل میں کہا:

''یہ تو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے چچا ہیں اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ساتھ ہرگز نہیں چھوڑیں گے۔ اس وقت حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے زرہ پہن رکھی تھی جو چاندی کی طرح سفید تھی اور اس پر گردوغبار نظر آرہا تھا۔''

پھر میں نے بائیں جانب سے حملہ کرنے کا ارادہ کیا۔ قریب پہنچا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کو پایا۔ میں نے سوچا:

''یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی ہیں۔ یہ تو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم)

کا بڑی بے جگری سے دفاع کریں گے۔''

میں پیچھے واپس چلا گیا اور سوچا:

''پشت سے حملہ کروں۔''

جب پشت کی جانب سے حملہ کرنے کے لیے آیا تو بس تلوار چلانے کی کسر تھی۔ میں نے تلوار کا ارادہ کیا تو اچانک میرے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان آگ کے شعلے حائل ہوگئے۔ یہ شعلے اتنے سخت اور تیز تھے کہ انہوں نے بجلی کی طرح میری آنکھوں کو چکا چوند کر دیا۔ مجھے ڈر لگا کہ کہیں یہ تیز روشنی میری بینائی ہی نہ لے جائے، اس ڈر سے میں نے اپنی آنکھوں پر ہاتھ رکھ لیا اور الٹے پاؤں پیچھے بھاگا۔ اس موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری طرف التفات کیا اور فرمایا:

''اے شیبہ! اے شیبہ! میرے قریب آؤ۔''

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی۔

''اے اللہ! شیبہ سے شیطان کو دور فرما دے۔''

میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب آنکھ اٹھائی تو اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے اپنی آنکھوں، کانوں اور جان سے زیادہ عزیز ہوگئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''یا شیبہ قاتل الکفار''

''اے شیبہ! کفار سے قتال کرو۔''

19: واقدی نے بیان کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی کہ قبیلہ بنوثعلبہ اور بنومحارب کے لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر حملہ کرنے کے لیے ایک بہت بڑا لشکر جمع کر لیا ہے۔ یہ مدینہ پر چاروں جانب سے حملہ کرنے کا منصوبہ بنا چکے ہیں۔ انہیں ایک سردار حضرت دعثور بن حارث بن محارب رضی اللہ تعالیٰ عنہ (جو ابھی ایمان نہیں لائے تھے) نے اکٹھا کیا ہے۔ اس بدوی سردار کا لقب غورث بھی بیان کیا جاتا ہے۔

اس منصوبے کی خبر پا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو جہاد کی تیاری کا حکم دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم پا کر چار سو پچاس صحابہ کرام رضی اللہ علیہم اجمعین

کی جماعت مدینہ منورہ سے نکلی ۔اس غزوہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ گھوڑسواروں کی بھی معقول تعداد تھی۔ پہلے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم عام راستے پر چلے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے معروف شاہراہ چھوڑ کر ایک تنگ گھاٹی کا راستہ اختیار فرمایا۔اس گھاٹی میں سے ہوتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ذی القصہ کے مقام پر پہنچے۔ یہاں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے ایک شخص کو پکڑا۔ یہ بنو ثعلبہ سے تعلق رکھتا تھا اور اس کا نام جبار تھا۔صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اس سے پوچھا:

''تم کہاں جا رہے ہو۔؟''

اس نے جواباً کہا:

''یثرب (مدینہ منورہ) جا رہا ہوں۔''

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے پھر اس سے پوچھا:

''یثرب میں تیرا کیا کام ہے۔؟''

اس نے کہا:

''میں وہاں جا کر حالات کا جائزہ لینا چاہتا ہوں۔''

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے دریافت کیا:

''تم نے لشکر کو دیکھا ہے یا تمہاری قوم کی کوئی تازہ ترین خبر ہے۔؟''

اس نے کہا:

''مجھے کوئی خاص معلومات تو نہیں مگر اتنا ضرور پتا ہے کہ دعثور بن حارث بن محارب نے کچھ لوگوں کو تیار کر رکھا ہے۔''

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اس شخص کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے سامنے اسلام کی دعوت پیش کی جسے سن کر اس نے اسلام قبول کر لیا۔ پھر اس نے عرض کیا:

''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! وہ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلے پر آنے کی جرأت نہیں کریں گے۔ وہ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام سن کر ہی بھاگ جائیں گے۔ وہ پہاڑوں میں جا چھپیں گے۔ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چلوں گا اور آپ

صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے راز بتاؤں گا۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نو مسلم صحابی کو حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حوالے کر دیا اور انہیں ساتھ لے کر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو پیش قدمی کا حکم دیا۔اس صحابی رضی اللہ عنہ نے ایک ایسا راستہ بتایا کہ پہاڑوں سے نکل کر ایک ٹیلے کے دامن میں دعثور بن حارث بن محارب کے ساتھیوں کے اوپر جا پہنچے۔

اعرابیوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کی اطلاع سنی تو سر پر پاؤں رکھ کر بھاگے اور آس پاس کے پہاڑوں میں جا چھپے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب وہاں پہنچے تو ان میں سے کوئی بھی وہاں نہیں تھا۔ وہ تو پہاڑوں کی بلندیوں سے چھپ کر مسلمانوں کو دیکھ رہے تھے مگر مسلمان انہیں نہیں دیکھ سکتے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ذی امر کے مقام پر پڑاؤ ڈالا۔ یہاں موسلا دھار بارش ہوئی۔ بارش کے وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قضائے حاجت کے لیے خیموں سے دور گئے ہوئے تھے۔ بارش میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑے بھیگ گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وادی ذی امر میں ایک اوٹ دیکھ کر اس جگہ اپنے کپڑے اتارے اور سوکھنے کے لیے درخت پر ڈال دیئے۔اس وقت تک دھوپ نکل آئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف تہبند باندھی ہوئی تھی۔ باقی کپڑے اتار دیئے تھے۔ کپڑے سوکھنے کے انتظار میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم درخت کے نیچے بیٹھے ہوئے تھے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم لیٹ گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھ لگ گئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بالکل تنہا تھے اور بدوی فوج پہاڑ کی بلندی سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ رہی تھی۔

بدوی لوگوں نے اپنے سردار اور سب سے زیادہ طاقت ور دعثور بن حارث بن محارب نامی آدمی سے کہا:

''اے دعثور! اب سنہری موقع ہے محمد اپنے ساتھیوں سے جدا ہو گیا ہے اور سویا ہوا بھی ہے۔ یہاں سے اگر وہ اپنے ساتھیوں کو مدد کے لیے پکارے گا بھی تو کوئی اس کی آواز نہ سن سکے گا۔ تم جاؤ اور اس کا کام تمام کر دو۔''

حضرت دعثور بن حارث بن محارب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی بہت سی تلواروں میں سے ایک تیز ترین اور چمکدار تلوار نکالی ، دبے پاؤں پہاڑی سے اترے ، آ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک پر کھڑے ہو گئے اور تلوار لہراتے ہوئے کہا:

''اے محمد! اب بتاؤ میری تلوار سے آج تجھے کون بچا سکتا ہے۔؟''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آنکھیں کھولیں اور بڑے اطمینان سے فرمایا:

''اللہ''

راوی کہتے ہیں کہ اسی لمحے حضرت جبریل علیہ السلام نے حضرت دعثور بن حارث بن محارب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سینے میں دو ہتھڑ مارا اور ان کی تلوار ان کے ہاتھ سے گر گئی۔ جب کہ وہ خود بھی زمین پر گر پڑے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تلوار اٹھالی اور ان کے سر پر کھڑے ہو کر فرمایا:

''اب تم بتاؤ کہ آج تمھاری جان کون بچا سکتا ہے۔؟''

حضرت دعثور بن حارث بن محارب نے جواب دیا:

''کوئی نہیں۔''

اور پھر اس کے فوراً بعد کلمۂ شہادت پڑھا اور عرض کیا:

''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! خدا کی قسم! آج کے بعد میں کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت نہیں کروں گا اور نہ ہی لشکر کشی کا ارادہ کروں گا۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تلوار انہی کے حوالے کر دی تو وہ واپس چلنے کے لیے مڑ گئے مگر پھر پلٹے اور عرض کیا:

''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! خدا کی قسم آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے بہت بہتر اور بہت اعلیٰ ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سلوک کتنا اچھا اور کتنا اعلیٰ ہے۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''مجھے ایسا ہی ہونا چاہئے اور یہی میری شایانِ شان ہے۔''

حضرت دعثور بن حارث بن محارب رضی اللہ عنہ کی قوم کے لوگ سارا منظر دیکھ رہے تھے۔ جب حضرت دعثور بن حارث بن محارب رضی اللہ عنہ ان کے پاس واپس پہنچے تو

انہوں نے حضرت دعثور سے پوچھا:

''تمہیں کیا ہو گیا تھا۔؟''

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا:

''خدا کی قسم! عجیب معاملہ ہوا۔ میں تلوار اٹھا کر وار کرنا ہی چاہتا تھا کہ میرے اور ان کے درمیان ایک لمبا تڑنگا اور گورا چٹا شخص اچانک حائل ہو گیا اور اس نے میرے سینے پر دو ہتھڑ رسید کیے۔ میں اپنی پیٹھ کے بل زمین پر جا گرا اور تلوار میرے ہاتھ سے چھوٹ گئی۔ میں سمجھ گیا کہ وہ فرشتہ تھا جس نے مجھے مار گرایا۔ چنانچہ میں نے بلاتوقف شہادت دی کہ محمد اللہ کے سچے رسول ہیں اور اللہ وحدہ لاشریک ہے۔ خدا کی قسم! میں اب کبھی ان کے خلاف فوج کشی نہیں کروں گا۔''

اس کے بعد حضرت دعثور بن حارث بن محارب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی قوم کے لوگوں کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دیا کرتے تھے۔

20: زہری بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب عمرے کے لیے مدینہ سے نکلے اور رابغ اور مکہ کے درمیان عسفان کے مقام پر پہنچے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بشر بن سفیان الکعبی ملا۔ اس نے عرض کیا:

''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! قریش کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی روانگی کا علم ہو گیا تھا اور وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا راستہ روکنے کے لیے نکل کھڑے ہوئے ہیں۔ عورتیں اور بچے بھی ان کے ساتھ ہیں۔ انہوں نے چیتوں کی کھال کا لباس پہن رکھا ہے یعنی عداوت میں بہت پختہ ہیں اور وادیِ ذی طویٰ میں پہنچ چکے ہیں وہ آپس میں عہد و پیمان کر رہے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ میں ہرگز داخل نہیں ہونے دیں گے۔ انہوں نے گھڑ سوار دستوں کی کمان حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ (یہ حضرت خالد بن ولید کے اسلام قبول کرنے سے پہلے کا واقعہ ہے) کے حوالے کی ہے اور وہ ان سے قبل کراع الغمیم میں پہنچ چکا ہے۔''

یہ خبر سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''افسوس! قریش پر۔ جنگوں نے انہیں پہلے ہی مار ڈالا ہے اور یہ ابھی تک ہوش میں نہیں آئے۔ انہیں کیا ہو گیا ہے؟ اگر یہ عقل سے کام لیتے تو میری مخالفت کی بجائے

مجھے میرے حال پر چھوڑ دیتے۔ اگر عرب کے باقی قبائل اور سرداروں سے مجھے مقابلہ کرنے دیتے تو وہ قبائل مجھے شہید کر دیتے اور قریش کی دلی مراد پوری ہو جاتی یا پھر اللہ تعالیٰ مجھے ان پر فتح عطا فرما دیتا تو یہ جوق در جوق اسلام میں داخل ہو جاتے۔ اگر اسلام میں داخل نہ ہونا چاہتے تو لڑائی لڑ کر میرا مقابلہ کرتے۔ اس صورت میں ان کی قوت زیادہ ہوتی۔ اب قریش کا کیا گمان ہے؟ خدا کی قسم! میں اس دین حق کے لیے جہاد کرتا رہوں گا یہاں تک کہ یہ دین غالب آ جائے۔ یا پھر اس راہ میں مجھے شہید کر دیا جائے۔"

اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا:

"کون شخص ہمیں ایسے راستے کا پتہ دے گا جو اس راستے سے ہٹ کر ہو جس پر قریش آ رہے ہیں۔؟"

یہ سن کر بنو اسلم کے ایک شخص نے عرض کیا:

"یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں یہ خدمت سرانجام دوں گا۔"

پس اس شخص نے گھاٹیوں کے درمیان سے ایک سخت اور پتھریلے، غیر ہموار راستے کا پتہ بتایا۔ لوگ اس راستے پر چلے، مسلمانوں کو سخت مشقت اٹھانی پڑی اور بالآخر مسلمان ایک ہموار زمین پر آ پہنچے اور وادی سے باہر نکل آئے۔"

اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں سے فرمایا:

"توبہ اور استغفار کی کثرت کرو۔"

لوگ استغفار کرنے لگے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"بیشک بنی اسرائیل کو اللہ تعالیٰ نے "حِطَّۃٌ" کا جو حکم دیا تھا، وہ دراصل استغفار ہی کا حکم تھا مگر اس قوم نے اس حکم کی تعمیل نہ کی۔

ابن شہاب کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں سے فرمایا:

"تم دائیں جانب کے راستہ المرار کی چوٹی پر سے ہوتے ہوئے مکہ کے عین نیچے حدیبیہ کے مقام پر پہنچ جاؤ۔"

مسلمان اس راستے سے جب حدیبیہ پہنچے اور قریش کے لشکر نے گرد و غبار اڑتا دیکھا تو سمجھ گئے کہ مسلمانوں نے اپنی راہ بدل لی ہے، لہٰذا وہ مکہ کی جانب واپس

لوٹے۔

ثنیۃ المرار کے مقام پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی بیٹھ گئی۔ لوگوں نے کہا!

"اونٹنی تھک کر بیٹھ گئی ہے۔"

مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"وہ تھک کر نہیں بیٹھی بلکہ اسے اسی ذات نے روک دیا ہے جس نے مکہ میں ہاتھیوں کا داخلہ روک دیا تھا۔ قریش آج بھی مجھ سے معقول مطالبہ کریں گے اور صلہ رحمی کا واسطہ دیں گے تو میں ان کا مطالبہ قبول کر لوں گا۔"

اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو حکم دیا کہ اسی مقام پر ڈیرہ ڈال دیں۔

لوگوں نے عرض کیا:

"یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وادی میں تو پانی نہیں ہے۔"

اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ترکش میں سے ایک تیر نکالا اور اپنے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے ایک کو دیا۔ اس صحابی کا نام حضرت ناجیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اس متروک (جس سے پانی لینا چھوڑ دیا گیا) کنویں میں اترو اور اس کے درمیان میں یہ تیر گاڑ دو۔"

چنانچہ حضرت ناجیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اترے اور تیر حسب ارشاد گاڑ دیا۔ تیر گاڑتے ہی اس پرانے، خشک، اور متروک کنویں میں سے (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزے کے طور پر) پانی کا چشمہ پھوٹ نکلا۔ سب لوگوں نے خوب سیر ہو کر پیا اور پانی کی کوئی کمی نہ رہی۔

21: امام بخاری نے مسدد کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ یحییٰ بن سعید نے عوف سے اور انہوں نے ابو رجاء سے اور انہوں نے عمران سے سنا، وہ کہتے تھے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں تھے۔ ہم رات بھر چلتے رہے یہاں تک کہ رات کا آخری وقت ہو گیا۔ ہم پر نیند غالب آ گئی۔ ایسی حالت میں مسافر کے لیے نیند سے زیادہ میٹھی کوئی چیز نہیں ہوتی۔ پس ہم سو گئے اور ہماری آنکھ اس وقت تک نہ

کھلی جب تک سورج کی گرمی نے ہمیں جگا نہ دیا۔

سب سے پہلے فلاں اور فلاں اٹھے۔ چوتھے نمبر پر حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ جاگے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اب تک لیٹے ہوئے تھے۔ ہم میں سے کوئی بھی جگانے کی جسارت نہیں کرتا تھا کیونکہ ہم نہیں جانتے تھے کہ خواب میں اللہ تعالیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کیا دکھاتا تھا۔

جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیدار ہوئے اور صورت حال دیکھی کہ سوتے میں نماز کا وقت نکل گیا ہے تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بلند آواز سے تکبیر کہنا شروع کی اور مسلسل تکبیر کو دہراتے گئے، یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیدار ہوئے۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیدار ہوئے تو لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس صورت حال پر پریشانی کا اظہار کیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"کوئی فکر نہیں رختِ سفر باندھو۔"

پس لوگ سفر پر روانہ ہو گئے۔ تھوڑی ہی دور گئے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی سواری سے نیچے تشریف لائے اور وضو کے لیے پانی طلب فرمایا۔ وضو کے بعد اذان کہی گئی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھائی۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہوئے تو دیکھا کہ ایک شخص الگ بیٹھا ہے۔ نماز میں شامل نہیں ہوا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا:

"اے فلاں! تجھے کس چیز نے نماز پڑھنے سے روکا۔؟"

اس نے عرض کیا:

"یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں جنبی ہوں (مجھ پر غسل واجب ہے) اور غسل کے لیے پانی نہیں ہے۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"مٹی سے تیمم کر لو یہ تمہاری طہارت کے لیے کافی ہے۔"

اس کے بعد پھر لوگ چل پڑے اور کچھ دور جا کر لوگوں نے پیاس کی شکایت کی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی سواری سے نیچے تشریف لائے۔ حضرت علی اور ایک دوسرے صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو بلایا اور فرمایا:

"جاؤ پانی کی تلاش کرو۔"

چنانچہ وہ دونوں گئے اور کچھ فاصلے پر انہوں نے ایک عورت کو دیکھا جو اونٹ پر سوار تھی۔ اس نے اونٹ پر دو بڑی بڑی مشکیں پانی کی بھری ہوئی لاد رکھی تھیں۔ ان دونوں صحابہ نے اس عورت سے پوچھا:

"پانی کہاں ہے۔؟"

اس نے جواب دیا:

"میں کل اس وقت پانی کے چشمے سے چلی تھی (یعنی پانی کا چشمہ ایک دن کی مسافت پر ہے)"

صحابہ نے کہا:

"پھر ہمارے ساتھ آؤ۔"

وہ کہنے لگی:

"کہاں۔؟"

صحابہ نے کہا:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس۔"

وہ کہنے لگی:

"وہی شخص جسے صابی کہا جاتا ہے۔؟"

صحابہ نے جواب دیا:

"ہاں! تو ٹھیک سمجھی۔ پس ہمارے ساتھ چل۔"

پھر وہ دونوں صحابی اس عورت کو لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس عورت کے ساتھ ہونے والی گفتگو بیان کی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اس عورت کو اونٹ سے نیچے اتارو۔"

اسے نیچے اتارنے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک برتن منگوایا، دونوں مشکیزوں کا منہ کھول کر ان میں سے تھوڑا سا پانی برتن میں ڈالا اور ان مشکیزوں کا منہ بند کر دیا۔

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں میں اعلان فرمایا:

''لوگو! جس نے پانی پینا ہو آ کر پی لے اور جس نے برتن میں لینا ہو وہ برتن میں لے لے۔''

پس جس نے چاہا پی لیا اور جس نے چاہا برتن میں لے لیا۔ آخر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک برتن بھر کر اس شخص کو دیا جس نے جنابت کی شکایت کی تھی اور اسے فرمایا

''جاؤ اور اس پانی سے غسل کر لے۔''

عمران مزید بیان کرتے ہیں کہ وہ خاتون کھڑی حیرت سے سب کچھ دیکھتی رہی۔ خدا کی قسم! وہ یہ دیکھ کر کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تھوڑے سے پانی کو اتنی جماعت میں تقسیم کر دیا، سب نے برتن بھی بھر لیے اور سیر ہو کر پی بھی لیا ایسی مبہوت ہوئی کہ بیان نہیں کیا جا سکتا۔

اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اس (پانی والی) عورت کے لیے کچھ کھجوریں، آٹا اور ستو جو تمہارے پاس ہے جمع کر دو۔''

صحابہ نے کھانے پینے کا سامان جمع کیا، اسے ایک کپڑے میں باندھ کر عورت کو اونٹ پر سوار کیا اور گٹھڑی اس کے آگے رکھ دی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت سے فرمایا:

''تو جانتی ہے کہ ہم نے تمہارے پانی میں کوئی کمی نہیں کی مگر اللہ نے ہمیں پانی پلایا ہے۔''

جب وہ عورت اپنے اہل و عیال میں پہنچی تو انہوں نے پوچھا:

''تو نے اتنی دیر کہاں کر دی؟''

اس پر اس عورت نے جواب دیا:

''عجیب و غریب واقعہ پیش آیا۔ راستے میں مجھے دو آدمی ملے جو مجھے اس شخص کے پاس لے گئے جسے صابی کہا جاتا ہے۔''

پھر اس نے سارا واقعہ بیان کیا اور کہا:

''خدا کی قسم! یا تو زمین و آسمان میں اس (نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم) سے بڑا جادوگر کوئی نہیں یا پھر وہ واقعی اللہ کا سچا رسول ہے۔''

مسلمان جب اس علاقے میں مشرکین پر حملے کرتے تھے تو اس بستی کو جہاں وہ عورت رہتی تھی چھوڑ جاتے تھے۔ ایک دن اس نے اپنے قبیلے والوں سے کہا:

''یہ لوگ، (صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین) تمہارے گرد حملے کرتے ہیں مگر تمہیں جان بوجھ کر چھوڑ جاتے ہیں۔ بس بہتری اور بھلائی اسی میں ہے کہ تم اسلام لے آؤ۔''

ان لوگوں نے اس کی بات مان لی اور اسلام قبول کر لیا۔

22: امام بخاری نے موسیٰ بن اسماعیل، عبدالعزیز بن مسلم، حصین، سالم بن ابی الجعد کے حوالے سے حضرت جابر بن عبداللہ کی یہ حدیث روایت کی ہے کہ حدیبیہ کے دن لوگوں کا پیاس سے برا حال ہو گیا۔ کسی کے پاس پانی نہیں تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک چھاگل تھی۔ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد جمع ہو گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا:

''کیا بات ہے۔؟''

انہوں نے عرض کیا:

''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہمارے پاس پانی نہیں ہے۔ نہ وضو کے لیے اور نہ پینے کے لیے۔ یہی پانی ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہے۔''

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اس موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ہاتھ مبارک چھاگل میں رکھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلیوں سے پانی کے چشمے پھوٹ نکلے۔ ہم نے خوب سیر ہو کر پیا اور وضو بھی کیا۔

سالم راوی کہتے ہیں کہ میں نے حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا:

''اس وقت پینے والوں کی تعداد کتنی تھی۔؟''

اس کے جواب میں حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

"اگر ہم ایک لاکھ بھی ہوتے تو وہ پانی ہمارے لیے کافی ہوتا۔"
بہر حال اس وقت ہماری تعداد پندرہ سو کے قریب تھی۔"

23: امام بخاری سے ابو عمر نے، ان سے اسحاق بن عبداللہ بن ابی طلحہ نے اور ان سے حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ حدیث بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں سخت قحط پڑا۔ ایک جمعہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر خطبہ دینے کے لیے تشریف فرما ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ شروع فرمایا تو ایک دیہاتی کھڑا ہو گیا اور اس نے عرض کیا:

"یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مال، مویشی ہلاک ہو گئے اور اہل و عیال بھوک سے بدحال ہیں۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے لیے بارش کی دعا فرمائیے۔"

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دعا مانگنے سے پہلے آسمان پر دور دور تک کہیں بادل کا کوئی نام و نشان بھی نہ تھا، مگر جوں ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے تو آسمان پر بڑے بڑے بادل چھا گئے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ابھی منبر سے نیچے تشریف نہیں لائے تھے کہ میں نے دیکھا بارش برسنے لگی اور پانی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی داڑھی مبارک سے قطروں کی صورت میں گرنے لگا۔ اس روز بھی بارش ہوئی اور اس کے بعد بھی اگلے کئی دنوں تک مسلسل بارش ہوتی رہی یہاں تک کہ اگلا جمعہ آ گیا۔

اس جمعہ کو بھی وہی دیہاتی یا شاید کوئی دوسرا کھڑا ہوا اور اس نے عرض کیا:

"یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! گھر مکان گر گئے اور مال مویشی غرق ہو رہے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے لیے دعا فرمائیں۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ اٹھائے اور یہ دعا مانگی:

"اللھم حوالینا ولا علینا"

"اے اللہ! بارش ہمارے آس پاس برسا۔ ہم پر نہ برسا۔"

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بادلوں کی طرف جس جانب بھی اشارہ کیا وہ دوڑے چلے گئے۔ مدینہ تالاب بن گیا تھا اور وادی میں مہینہ بھر پانی بہتا رہا۔ کسی بھی جانب سے کوئی آتا تو موسلا دھار بارش کی خبر دیتا۔

24: ابن اسحاق بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب تبوک جاتے ہوئے حجر کے علاقے سے گزرے تو وہاں قیام کیا اور لوگوں نے ایک کنوئیں سے پانی پی لیا، جب استراحت کر چکے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اس کنوئیں کے پانی سے نہ پیاس بجھانا اور نہ وضو کرنا۔ اگر تم نے اس پانی سے آٹا گوندھا ہے تو اس کی روٹی مت کھانا، بلکہ یہ آٹا اونٹوں کو کھلا دینا اور رات کو تم میں سے کوئی شخص بھی تنہا خیمے سے نہ نکلے۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق لوگوں نے عمل کیا مگر بنو ساعدہ کے دو آدمیوں نے خلاف ورزی کی۔ وہ تنہا اپنے خیموں سے نکل کھڑے ہوئے۔ ایک تو قضائے حاجت کے لیے گیا اور دوسرا گم شدہ اونٹ کو تلاش کرنے کے لیے چل پڑا۔ جو قضائے حاجت کے لیے گیا تھا راستے میں کسی نے اس کا گلا گھونٹ دیا اور جو اونٹ کی تلاش میں نکلا تھا اسے تیز ہوا نے اٹھا کر قبیلہ طے کے دو پہاڑوں پر جا پھینکا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"کیا میں نے تم لوگوں کو اکیلے باہر نکلنے سے منع نہیں کیا تھا۔؟"

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کے لیے دعا فرمائی جس کا گلا گھونٹا گیا تھا تو اللہ تعالیٰ نے اسے شفا دی۔ دوسرا آدمی لاپتہ رہا یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ پہنچے تو بنو طے نے وہ شخص لا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا۔

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ جب علاقہ حجر میں صبح ہوئی تو لوگوں کے پاس پانی نہیں تھا۔ انہوں نے اپنی مشکل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کی۔ اس کے علاوہ حضرت ابوبکر صدیق نے عرض کیا:

"یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تبارک و تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے وعدہ فرمایا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا قبول فرمائے گا، پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے لیے دعا فرمائیں۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اے ابوبکر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)! کیا تم چاہتے ہو کہ میں دعا مانگوں۔؟"

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

"جی ہاں! یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم!"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی وقت دعا فرمائی۔ آسمان بالکل صاف تھا۔ اللہ تعالیٰ نے فوراً بادل بھیج دیئے جو لوگوں پر چھا گئے، پھر بارش برسنے لگی۔ لوگوں نے اپنی پیاس بھی بجھائی اور حسب ضرورت پانی بھی جمع کر لیا۔

ابن اسحاق عاصم بن عمر بن قتادہ سے، وہ محمود بن لبید سے اور وہ بنو عبدالاشہل کے کچھ لوگوں سے روایت بیان کرتے ہیں کہ بعض لوگ اپنے قریبی رشتہ داروں میں سے ان لوگوں کو جانتے تھے جن کے دلوں میں نفاق تھا۔ محمود کہتے ہیں کہ مجھے اپنے بزرگوں نے بتایا کہ ایک منافق اپنے نفاق میں بڑا پکا تھا، مگر وہ ہر سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک ہونے کی کوشش کرتا۔ جب حجر میں یہ بارش کا واقعہ پیش آیا تو لوگ اس کے پاس گئے اور اس سے کہا:

"تجھ پر افسوس ہے! کیا اب اس معجزہ کو دیکھنے کے بعد بھی تجھے کوئی شک باقی ہے۔؟"

اس نے جواب دیا:

"یہ گزرتا ہوا بادل تھا اور یوں اکثر ہو ہی جاتا ہے۔"

25: ابن اسحاق بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تبوک کے سفر کے دوران وادیِ مشقق سے گزرے۔ وادی میں ایک جگہ پہاڑی سے پانی قطرات کی صورت میں ٹپکتا رہتا تھا۔ یہ پانی مقدار میں اتنا کم ہوتا تھا کہ اس سے بیک وقت دو یا تین آدمی پیاس بجھا سکتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"جو بھی اس وادی میں پہلے پہنچے وہ اس جگہ سے ہمارے آنے تک ہرگز پانی نہ پیئے۔"

چند منافقین اس پانی تک جا پہنچے اور انہوں نے پانی پی لیا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں تشریف لائے تو دیکھ کر کہ پانی بالکل نہیں ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا:

"کون یہاں ہم سے پہلے پہنچا تھا۔؟"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا گیا کہ فلاں فلاں پہلے پہنچے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر لعنت فرمائی اور فرمایا:

"کیا ہم نے منع نہیں کیا تھا کہ یہاں سے ہماری آمد تک پانی نہ پینا۔؟"

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی سواری سے اترے اور پانی کے چند قطرات کے نیچے اپنا ہاتھ رکھا۔ چند قطرے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر ٹپکے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ہاتھ میں لے کر پانی کے منبع پر چھڑکا اور پھر اس پر دستِ مبارک سے مسح کیا اور کچھ دیر تک اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے رہے۔ پانی کا منبع جہاں سے قطرہ قطرہ پانی ٹپکتا رہتا تھا ایک آواز کے ساتھ پھٹا جس سے بجلی جیسی آواز سنائی دی۔ پانی چشمے کی مانند پھوٹ پڑا۔ لوگوں نے خوب سیر ہو کر پیا اور اپنی ضرورت کے مطابق برتنوں میں بھی بھر لیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اگر تم زندہ رہے یا تم میں سے جو بھی کچھ عرصہ دنیا میں موجود رہا تو وہ یقیناً دیکھے گا کہ یہ وادی سرسبز اور شاداب ہو جائے گی اور اپنے گردو پیش کی تمام وادیوں سے زیادہ زرخیز اور آباد ہو گی۔

چنانچہ وہ وادی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق آج بھی بہت زیادہ ہری بھری ہے۔

26: واقدی نے یونس بن محمد بن یعقوب بن عمر بن قتادہ سے وہ محمود بن لبید سے روایت کرتے ہیں کہ بنو سعد بن ہذیم کا ایک وفد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں تبوک کے مقام پر حاضر ہوا۔ انہوں نے عرض کیا:

"یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے ہیں اور اپنے اہل وعیال کو اپنے ایک کنوئیں کے پاس چھوڑ آئے ہیں۔ اس کنوئیں میں پانی بہت ہی قلیل ہے اور یہ شدید گرمیوں کا موسم ہے، ہمیں ڈر ہے کہ اگر ہم پانی کی تلاش میں ادھر ادھر منتشر ہو گئے تو ہم کسی مشکل میں مبتلا ہو جائیں گے، کیونکہ ہمارے گردو نواح میں ابھی تک اسلام زیادہ نہیں پھیلا۔ آپ ہمارے لیے دعا کریں کہ ہمارے کنوئیں میں پانی کی کثرت ہو جائے۔ اگر ہمیں سیرابی مل جائے تو آس

پاس کا کوئی قبیلہ ہمارے مقابلے پر کوئی حیثیت نہیں رکھتا ہوں۔ مخالفینِ دین کا ہمارے مقابلے پر کوئی زور نہ چل سکے گا۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"مجھے کچھ کنکریاں لا کر دو۔"

انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تین کنکریاں لا کر دیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کنکریوں کو ہاتھ میں لے کر ملا اور فرمایا:

"یہ کنکریاں لے جاؤ اور بسم اللہ پڑھ کر ایک ایک کنکری کنوئیں میں ڈالتے جانا۔"

وہ لوگ کنکریاں لے کر چلے گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق کنوئیں میں ڈال دیں۔ کنکریاں ڈالنے سے کنوئیں کا پانی جوش مارنے لگا۔ ان لوگوں نے اپنے آس پاس کے مشرکین کو وہاں سے نکال باہر کیا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تبوک سے مدینہ واپس پہنچے تو بنوسعد کے مسلمانوں کی کاوش سے پورا علاقہ اسلام سے روشناس ہو گیا اور اکثر لوگ مسلمان ہو گئے۔

27: امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ مبارک میں چاند کے دو ٹکڑے ہوئے۔"

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں چاند پھٹ کر ٹکڑے ہو گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو ارشاد فرمایا:

"گواہ رہو کہ چاند کے دو ٹکڑے ہو گئے۔"

حضرت انس بن حضرت مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے کہ اہلِ مکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مطالبہ کرتے رہتے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں کوئی نشانی دکھائیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کے حکم سے انہیں یہ نشانی دکھائی کہ چاند کے دو ٹکڑے ہو گئے۔"

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مکہ مکرمہ رہنے کے دوران چاند کے دو ٹکڑے ہونے کا واقعہ بیان کیا گیا ہے۔

ایک دن قریش مثلاً ولید بن مغیرہ، ابوجہل، عاص بن وائل، اسود، نظر بن حارث وغیرہ

اکٹھے ہو کر شاہِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور (یہ منصوبہ بنا کر آئے کہ لوگ محمد کو رسول کہتے ہیں اور ہم جادوگر۔ یہ بات مسلم ہے کہ آسمان پر جادو نہیں چلتا، لہٰذا کوئی ایسی نشانی طلب کریں جس سے پتہ چل سکے کہ یہ جادوگر ہے رسول نہیں۔)

انہوں نے سوچ کر یہ مطالبہ کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اگر چاند کے دو ٹکڑے کر کے دکھا دیں تو ہم مان جائیں گے کہ آپ جادوگر نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں۔

جب انہوں نے یہ مطالبہ کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا:

"اگر چاند دو ٹکڑے ہو جائے تو تم ایمان لے آؤ گے۔؟"

وہ بولے:

"بے شک ہم ایمان لے آئیں گے۔"

حبیب خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی اور بعد ازاں جب چاند کی طرف انگلی سے اشارہ فرمایا تو چاند دو ٹکڑے ہو گیا۔

یہ دیکھ کر ایک یہودی ایمان لے آیا، مگر جن کے دلوں میں زنگ تھا وہ بولے:

"یہ ابن ابی کبشہ (جاہل لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس لقب سے بلایا کرتے تھے) نے جادو کیا ہے۔"

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اشہدوا اشہدوا"

"گواہی دو۔ گواہی دو (کہ چاند دو ٹکڑے ہو گیا ہے)"

مگر ان کافروں نے نہ مانا بلکہ مطالبہ کیا کہ آپ چاند کے ان دونوں ٹکڑوں کو پھر سے ایک کر دیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ فرمایا تو چاند پھر سے دو ٹکڑے ہو گیا۔ اس کے بعد پھر کفار مکہ نے باہم مشورہ کر کے کہا:

"جو لوگ باہر سفر میں گئے ہوئے ہیں وہ جب واپس آئیں گے تو ان سے پوچھا جائے۔"

چنانچہ جب آنے والوں سے پوچھا گیا تو انہوں نے تصدیق کی کہ ہاں ہم نے چاند کو دو ٹکڑے ہوتے ہوئے دیکھا ہے۔

28: اُمِ معبد رضی اللہ تعالیٰ عنہا کافی معروف و مشہور نام ہے۔ تاریخ میں ان کا بہت تذکرہ ہے۔ اس خاتون کا اصلی نام عاتکہ بنت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہا تھا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے غلام عامر بن فہیرہ کے ہمراہ سفرِ ہجرت کے دوران ام معبد کے گھر کے پاس سے گزرے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے گوشت اور کھجور خریدنی چاہی مگر اس کے پاس یہ سامان تجارت کے لیے نہ تھا۔ اس کا قبیلہ قحط سالی اور بھوک کا شکار ہو چکا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے خیمے کے ایک کونے میں ایک بکری بندھی دیکھی تو پوچھا:

''اُمِ معبد! یہ بکری یہاں کیوں باندھ رکھی ہے۔؟''

انہوں نے عرض کیا:

''یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! یہ کمزور اور بیمار ہے۔ ریوڑ کے ساتھ نہیں جا سکتی اسی لیے اس کو یہاں باندھ رکھا ہے۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا:

''کیا یہ دودھ دیتی ہے۔؟''

حضرت ام معبد رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جواب دیا:

''یہ بے چاری کیا دودھ دے گی یہ تو اپنی جان سے بھی عاری ہے۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''کیا مجھے اجازت ہے کہ میں اس کا دودھ دوہ لوں۔؟''

ام معبد رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا:

''میرے ماں باپ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان! اگر آپ کو دودھ نظر آتا ہے تو دوہ لیجیے۔''

چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کمزور بکری کے تھنوں پر ہاتھ پھیرا اور بسم اللہ پڑھی تو خدا کی قدرت سے اس کے خشک تھنوں میں دودھ اتر آیا اور وہ دودھ سے خوب پھول گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بڑا برتن طلب فرمایا۔ یہ برتن اتنا بڑا تھا کہ اگر بھر جاتا تو تمام حاضرین کے لیے کافی تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے

اس برتن کو لے کر اس میں دودھ دوہنا شروع فرمایا تو برتن پوری طرح بھر گیا اور اس کے اوپر سفید جھاگ آ گئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ دودھ سب سے پہلے امِ معبد رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو پلایا۔ جب ام معبد رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جی بھر کر پی لیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو پلایا۔ جب انہوں نے بھی سیر ہو کر پی لیا تو سب سے آخر میں سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے خود نوش فرمایا۔

برتن خالی ہونے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوبارہ بکری دوہی تو پھر برتن بھر گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ دودھ سے بھرا ہوا برتن امِ معبد رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حوالے کیا، اس سے اسلام کی بیعت لی اور پھر وہاں سے منزل کی جانب سفر فرمایا۔

ام معبد رضی اللہ تعالیٰ عنہا اب مسلمان ہو چکی تھیں۔ کچھ دیر بعد ابو معبد جنگل سے بکریوں کو ہانکتا ہوا واپس لوٹا۔ بکریاں قحط کی وجہ سے خالی پیٹ اور لاغر تھیں۔ ابو معبد نے دودھ دیکھا تو حیران ہو کر پوچھا:

''ام معبد (رضی اللہ تعالیٰ عنہا)! یہ دودھ کہاں سے آیا ہے؟ گھر میں تو بیمار اور خشک تھنوں والی بکری تھی؟ اور اس کے علاوہ کوئی دودھ دینے والا جانور بھی نہیں۔؟''

امِ معبد رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا:

''خدا کی قسم! یہ معاملہ بڑا عجیب ہے۔ ایک بابرکت رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کا یہاں سے گزر ہوا جس کا حلیہ یوں یوں اور اوصاف یوں تھے۔''

ام معبد رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حلیہ اور اوصاف بیان کیے۔ ابو معبد نے سن کر کہا:

''خدا کی قسم! یہ تو صاحبِ قریش ہیں۔ جن کے بارے میں ہم نے سن رکھا تھا کہ وہ مکہ میں مبعوث ہو چکے ہیں۔ میں نے پکا ارادہ کر لیا ہے کہ ان کی صحبت اختیار کروں گا۔ مجھے موقع ملا تو ضرور ان کی خدمت میں حاضری دوں گا۔''

29: ابن اسحاق بیان کرتے ہیں کہ حضرت عکاشہ بن محصن بن حرثان الاسدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بدر کے معرکے میں بڑی بہادری سے لڑے۔ لڑتے لڑتے آپ رضی اللہ

تعالیٰ عنہ کی تلوار ٹوٹ گئی تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ خدمت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوئے اور تلوار طلب کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لکڑی کی ایک چھڑی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ چھڑی حضرت عکاشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عطا فرمائی اور فرمایا:

"اے عکاشہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)! جا اس کے ساتھ دشمن سے لڑ۔"

حضرت عکاشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب کھجور کی لکڑی نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک ہاتھ سے پکڑی اور اسے جھٹکا دیا تو وہ ایک لمبی تلوار بن گئی۔ جس کی دھار تیز، چمک دار اور مضبوط تھی۔ حضرت عکاشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یوم بدر کی لڑائی میں یہ تلوار خوب چلائی۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح و نصرت سے ہم کنار فرما دیا۔

اس تلوار کا نام "العون" تھا۔ یہ تلوار حضرت عکاشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس مدت تک رہی اور آپ اس کے جوہر میدانِ جنگ میں دکھاتے رہے۔ حضرت عکاشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں بھی ہر جنگ میں حصہ لیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ظاہری وصال فرمانے کے بعد بھی مرتدین کے خلاف جہاد کیا۔ اسی تلوار کے ساتھ طلیحہ بن خویلد کے مقابلے میں لڑتے ہوئے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جامِ شہادت نوش فرمایا۔

30: واقدی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اسامہ بن زید سے، انہوں نے داؤد بن الحصین کی زبانی عبدالاشہل کے کئی لوگوں کی یہ روایت نقل کی ہے کہ غزوۂ بدر میں حضرت سلمہ بن اسلم بن حریش رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تلوار ٹوٹ گئی اور ان کے پاس تلوار کے علاوہ کوئی اسلحہ بھی نہ تھا۔ چنانچہ تلوار کے ٹوٹ جانے کی وجہ سے وہ بالکل نہتے ہو گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھجور کی ایک تازہ اور باریک سی چھڑی عطا فرمائی اور ارشاد فرمایا:

"اے سلمہ بن اسلم! اس سے دشمنوں کا مقابلہ کرو۔"

چنانچہ حضرت سلمہ بن اسلم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے چھڑی ہاتھ میں لی تو وہ نئی تلوار کی صورت اختیار کر گئی۔ یہ تلوار تاحیات حضرت سلمہ بن اسلم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس

رہی۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جسرِ ابو عبید کی جنگ میں شہید ہوئے۔ اس وقت یہی تلوار ان کے استعمال میں تھی۔

31: حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تلوار میدانِ جنگ میں ٹوٹ گئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں کھجور کی ایک چھڑی عطا فرمائی۔ انہوں نے جب اسے پکڑا تو وہ بہترین تلوار بن گئی۔ اس تلوار کا دستہ کھجور ہی کا تھا اور اس تلوار کو "عرجون" کے نام سے یاد کیا جاتا تھا۔ "عرجون" کا معنی ہے: "کھجور کے گچھے کی جڑ۔"

32: واقدی نے ابن قتادہ کے حوالے سے جنگِ احد کا حال لکھتے ہوئے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ میں براہِ راست حصہ لیا اور نیزے سے دشمن کا مقابلہ کرتے رہے، یہاں تک کہ وہ نیزہ ٹوٹ گیا۔ اس کے علاوہ آپ کی کمان کی لکڑی اور تانت بھی ٹوٹ گئی۔

تانت کی رسی ہاتھ بھر رہ گئی، اسے اور کمان کی لکڑی کو حضرت عکاشہ بن محصن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پکڑ لیا۔ وہ لکڑی کی کمان بنا کر اس میں وہ تانت ڈالنے لگے مگر وہ بہت چھوٹی تھی اور کناروں تک نہ پہنچ سکتی تھی۔ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا تذکرہ کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اسے کھینچو! یہ پہنچ جائے گی۔"

حضرت عکاشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اس ذات کی قسم! جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا۔ میں نے اس رسی کو کھینچا تو وہ کھنچتی چلی گئی اور لکڑی کو موڑا تو وہ ملائم ہو گئی۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی کمان لی اور اس سے تیر اندازی کرتے رہے۔ تیر اندازی میں اس دن ابو طلحہ نے بڑا کمال دکھایا۔ انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اپنے آپ کو ڈھال بنا کر کھڑا کر دیا اور ساتھ ساتھ تیر بھی چلاتے جاتے تھے۔ آخر میں ان کی بھی کمان ٹوٹ گئی اور وہ حضرت قتادہ بن نعمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اٹھالی۔

حضرت ابو طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جنگِ احد میں اپنا ترکش حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ڈال دیا اور بلند آواز سے عرض کیا:

"یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میری جان آپ کی حفاظت کے لیے ہے۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تیر پکڑاتے جاتے اور فرماتے جاتے:

"ابوطلحہ! چلاؤ۔"

حضرت ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بڑی اچھی تیراندازی کی اور خوب نشانے پر تیر مارے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پیچھے سے کبھی کبھار اٹھ کر دیکھتے کہ ہر تیر نشانے پر لگ رہا ہے تو بہت خوشی کا اظہار فرماتے۔

حضرت ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسلسل عرض کیے جارہے تھے:

"یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرا گلا آپ کے گلے کے لیے ڈھال ہے اور میری جان آپ کے لیے قربان ہے۔ اللہ مجھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان ہوجانے کی سعادت عطا فرمائے۔"

حضرت ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اتنی آواز بلند اور پر ہیبت تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"ابوطلحہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کی للکار اور نعرۂ جہاد چالیس آدمیوں سے زیادہ کارگر ہے۔"

حضرت ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ترکش میں پچاس تیر تھے۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پچاس کے پچاس تیر چلا چکے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عام لکڑی پکڑا کر انہیں دی اور فرمایا!

"یہ بھی دشمن پر پھینک دو۔"

انہوں نے وہ بھی دشمن پر پھینک دی تو وہ لکڑی تیر بن کر دشمن کو جا لگی۔

33: ابن اسحاق بیان کرتے ہیں کہ غزوۂ خندق کے موقع پر خندق کھودتے ہوئے کئی واقعات ایسے رونما ہوئے جو سراسر عبرت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی تصدیق کرنے والے تھے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے ان واقعات کو اپنی آنکھوں سے دیکھا۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ خندق کی کھدائی کے

دوران ایک جگہ چٹان کا سخت پتھر آگیا جو ٹوٹتا نہ تھا۔ صحابہ کرام نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی شکایت کی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"کسی برتن میں پانی ڈال کر لاؤ۔"

جب پانی لایا گیا تو آپ نے اس پانی میں پھونک ماری۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم دیر تک اللہ سے دعا مانگتے رہے۔ دعا سے فارغ ہوکر آپ نے وہ پانی اس سخت پتھر پر ڈالا۔ حاضرین میں سے کسی صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا ہے:

"اس ذات کی قسم! جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی برحق بنا کر بھیجا ہے۔ (پانی پڑنے کے بعد) وہ پتھر دیکھتے ہی دیکھتے ریت کی طرح نرم ہوگیا، کدال اور ہتھیار اس سے ٹکرا کر نہ اچھلتے اور نہ ہی لوٹتے۔"

34: حافظ ابوبکر البیہقی نے راویوں کے طرق سے بنو سلیم کے ایک آدمی سے روایت کی ہے۔ یہ وہ آدمی تھا جسے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے شرفِ ملاقات نصیب ہوا تھا۔ ربذہ میں وہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مجلس میں ایک روز بیٹھا تھا کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ذکر چھڑ گیا۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے چونکہ سیدنا ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مدینہ سے ربذہ بھیج دیا تھا اور حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے شکایات بھی تھیں، اس لیے حاضرین نے سوچا کہ وہ اس کا اظہار کریں، مگر حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں کلمۂ خیر کے سوا کچھ نہ کہیے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے ایسا منظر دیکھا تھا جسے میں مرتے دم تک نہیں بھول سکتا۔ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بابرکت دور میں اس جستجو میں رہا کرتا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے تنہائی میں ملاقات کیا کروں اور سوالات پوچھا کروں۔ میں نے ایک روز گرمیوں کے موسم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق دوپہر کے وقت پوچھا تو خدام نے بتایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فلاں مقام پر تشریف لے گئے ہیں۔ میں وہاں پہنچا تو دیکھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تنہا بیٹھے تھے۔ مجھے خیال آیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہورہی ہے، مگر میں نے پھر بھی سلام کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے

جواب دیا اور مجھ سے پوچھا:

’’تمہیں کون سی چیز کھینچ لائی ہے۔؟‘‘

میں نے عرض کیا:

’’یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! صرف اللہ اور اس کے رسول کی محبت ہی مجھے لے آئی ہے۔‘‘

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بیٹھنے کا حکم فرمایا تو میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں بیٹھ گیا۔ میں خاموشی سے بیٹھا رہا، نہ میں نے کوئی سوال پوچھا نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے کچھ فرمایا۔

تھوڑی دیر گزری تھی کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تیز تیز چلتے ہوئے وہاں آپہنچے اور سلام کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دینے کے بعد ان سے بھی وہی سوال پوچھا جو مجھ سے پوچھا تھا کہ کس غرض سے آئے ہو؟

انہوں نے بھی میری طرح یہی جواب دیا کہ اللہ اور اس کے رسول کی محبت کھینچ لائی ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بیٹھنے کا اشارہ فرمایا اور وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے منڈیر پر بیٹھ گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ارشاد فرمایا کہ وہ میرے ساتھ بیٹھ جائیں چنانچہ وہ میری طرف دائیں جانب بیٹھ گئے پھر تھوڑی دیر بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی آگئے اور ان سے بھی وہی سوال وجواب ہوئے جو مجھ سے اور ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہوئے تھے۔ اس کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی کلمہ کہا جس کی مجھے سمجھ نہ آئی پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

’’تھوڑی ہی رہ جائیں گی یا تھوڑی ہی رہ گئی ہیں۔‘‘

یہ کہہ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ میں کچھ کنکریاں اٹھائیں۔ وہ سات تھیں یا نو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مٹھی بند کرلی اور کنکریوں نے تسبیح پڑھنا شروع کردی۔ ہم سب نے ان سے اس طرح کی آواز سنی جس طرح شہد کی مکھیوں کے بھنبھنانے کی آواز آتی ہے۔ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بالکل قریب

بیٹھا تھا مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے چھوڑ کر وہ کنکریاں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پکڑا دیں۔ کنکریوں نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مٹھی میں بھی ویسی ہی تسبیح پڑھی جیسی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں پڑھی تھی۔ اس کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے لے کر وہ کنکریاں زمین پر پھینک دیں۔ وہ بالکل خاموش ہو گئیں۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہی کنکریاں حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیں تو ان کی مٹھی میں بھی کنکریوں نے تسبیح پڑھی اور ہم نے سنی۔ پھر ان سے کنکریاں لے کر دوبارہ زمین پر پھینک دیں۔ وہ پھر خاموش ہو گئیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کنکریاں حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیں تو انہوں نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ میں بھی پہلے حضرات کی طرح تسبیح پڑھی۔ اس کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے کنکریاں لے کر زمین پر پھینک دیں اور پھر وہ خاموش ہو گئیں۔‘‘

35: ابن اسحاق کا بیان ہے کہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

’’سلمان (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)! اپنے آقا کے ساتھ آزادی کے لیے شرائط طے کر کے معاہدہ کرلو۔‘‘

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ پس میں نے اپنے آقا سے بات کی اور طے پایا کہ میں اس کے باغ میں کھجور کے تین سو درخت لگاؤں اور چالیس اوقیہ سونا ادا کروں تو اس کے بدلے وہ مجھے آزاد کردے گا۔

آزادی کا معاہدہ لکھے جانے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے فرمایا:

’’اپنے بھائی (حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کی مدد کرو۔‘‘

چنانچہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے میری بھرپور مدد فرمائی۔ کسی نے کھجور کے تیس پودے دیئے تو کسی نے بیس۔ کسی نے پندرہ تو کسی نے دس۔ غرض صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین میں سے ہر ایک نے اپنی اپنی قدر واستطاعت کے مطابق میری

مدد کی یہاں تک کہ میرے پاس تین سو پودے جمع ہو گئے۔

اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حکماً ارشاد فرمایا:

''سلمان (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)! باغ میں جا کر گڑھے کھودو۔ پودے میں (نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم) خود زمین میں اپنے دستِ مبارک سے لگاؤں گا۔''

میں نے اپنے ساتھیوں کی مدد سے گڑھے کھودے، جب سارے گڑھے تیار ہو گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ ہم پودے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تھماتے جاتے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں گڑھوں میں لگاتے جاتے۔ یہاں تک کہ تمام پودے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنے دستِ مبارک سے گڑھوں میں لگائے۔ اس ذات کی قسم! جس کے قبضے میں سلمان (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کی جان ہے۔ ان پودوں میں سے کوئی ایک بھی سوکھا نہ مرجھایا، بلکہ سارے کے سارے پودے پلے بڑھے اور خوب پھل دیا۔ اب کھجوریں لگانے کی شرط پوری ہو گئی تھی مگر چالیس اوقیہ سونا دینا باقی تھا۔ وہ کہاں سے آئے گا؟ میں اسی خیال میں ڈوبا ہوا تھا کہ ایک صحابی آئے اور مرغی کے انڈے کے برابر سونے کی ایک ڈلی لائے۔ جب وہ سونا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں پہنچا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے بارے میں دریافت فرمایا۔ میں حاضر ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''سلمان (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)! یہ سونا لے جاؤ اور اپنے آقا کو ادائیگی کر کے آزادی حاصل کرلو۔''

چنانچہ سونے کی چھوٹی سی ڈلی کو دیکھ کر میں نے عرض کیا:

''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ کیسے پورا ہوگا (یہ تو بہت تھوڑا ہے)؟''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سونے کی ڈلی پر اپنی زبانِ مبارک پھیری اور فرمایا:

''اسے لے جاؤ اور تول دینا یہ پورا ہو جائے گا۔''

پس میں وہ ڈالی لے کر اپنے آقا کے پاس گیا اور اسے سونا تول کر دیا تو یہ سونے کی چھوٹی سی ڈلی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق پورے چالیس اوقیہ ہو گئی۔

36: حضرت امام بخاری بیان کرتے ہیں کہ ایک اندھیری رات کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دو صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہما آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس سے

اٹھ کر گئے۔ سخت رات اندھیرا تھا مگر ان کے آگے آگے دو مشعلیں روشنی پھیلا رہی تھیں۔ جب دونوں الگ ہوئے تو ہر ایک کے ساتھ ایک مشعل رہ گئی جس کی روشنی میں وہ اپنے اپنے گھر تک پہنچ گئے۔

الاصابہ کے مصنف نے ان دو صحابی کے نام بیان کیے ہیں کہ ایک حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور دوسرے حضرت عبادہ بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔''

یہ دونوں صحابی بیان کرتے ہیں کہ اندھیری رات کے وقت ہم میں سے ہر ایک کا عصا روشن ہو گیا تھا اور جب ہم ایک دوسرے سے الگ ہوئے تو دوسرے صحابی کا عصا بھی روشنی پھیلانے لگا۔''

ابوسلمہ نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک تاریک رات میں عشاء کی نماز کے لیے نکلے۔ آسمان پر تاریک بادل چھائے ہوئے تھے اور سخت اندھیرا تھا۔ اچانک بجلی چمکی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بجلی کی روشنی میں حضرت قتادہ بن نعمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''قتادہ۔؟''

انہوں نے جواب دیا:

''جی ہاں! یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔! میں نے ہوچا کہ اس تاریک رات میں بہت لوگ عشاء میں حاضر ہوئے ہوں گے تو میں نے چاہا کہ ضرور مسجد میں پہنچ جاؤں۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''نماز کے بعد جانے لگو تو مجھ سے مل کر جانا۔''

چنانچہ نماز سے فارغ ہو کر حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں کھجور کی ایک باریک سی چھڑی عطا فرمائی اور فرمایا:

''لو اسے پکڑلو۔ یہ اندھیرے میں دس قدم تمہارے آگے اور دس قدم تمہارے پیچھے روشنی کرے گی۔

37: واقدی نے عبداللہ بن ابی عبیدہ سے، انہوں نے سعد بن راشد سے، انہوں نے صالح بن یسان سے، انہوں نے ابو مرہ مولیٰ عقیل کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تبوک سے واپسی پر ایک پہاڑی راستے سے گزر رہے تھے تو منافقین نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک گھاٹی سے نیچے گرانے کی سازش کی۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس گھاٹی پر پہنچے تو سازشی بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چلنا چاہتے تھے، مگر اللہ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے ارادوں کی خبر دے دی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو حکم دیا کہ وہ گھاٹی کو عبور کرنے کی بجائے بطن وادی سے گزر جائیں کیونکہ وہ زیادہ آسان اور کشادہ راستہ ہے۔ لوگ تو اس راستے کی طرف مڑ گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اونٹنی پر سوار گھاٹی کو عبور کرنے کے ارادے سے چل پڑے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ اونٹنی کی نکیل پکڑ کر آگے آگے چلیں اور حذیفہ بن یمان سے فرمایا کہ وہ اونٹنی کو پیچھے سے ہانکتے چلیں۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھاٹی کے درمیان پہنچے تو دیکھا کہ ان کے پیچھے لوگ چلے آ رہے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ناراض ہوئے اور حذیفہ کو حکم دیا کہ ان لوگوں کو واپس لوٹا دیں۔

منافقین بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غصے سے خوب واقف ہو چکے تھے۔ چنانچہ حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ پیچھے پلٹے اور ان لوگوں کی سواریوں کے منہ پر لاٹھی مارنا شروع کر دی اور انہیں پیچھے دھکیل دیا۔ ان لوگوں کو خیال گزرا کہ ان کی سازش نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر عیاں ہو گئی ہے۔ چنانچہ وہ گھاٹی سے تیزی کے ساتھ نیچے اترے تا کہ جلد از جلد عامۃ الناس میں گھل مل جائیں اور کوئی انہیں پہچان نہ سکے۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سازشیوں کو بھگانے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور حسبِ سابق اونٹنی کو ہانکنے لگے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھاٹی سے باہر تشریف لائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیام فرمایا اور لوگ بھی خیمہ زن ہو گئے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ سے پوچھا:

"اے حذیفہ! جن لوگوں کو تو نے گھاٹی سے پیچھے لوٹایا تھا ان میں سے کسی کو پہچانتا ہے۔؟"

انہوں نے عرض کیا:

"یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں نے فلاں فلاں شخص کی سواری پہچان لی تھی مگر لوگوں نے منہ پر کپڑے باندھ رکھے تھے اور رات کی تاریکی میں انہیں اچھی طرح نہ دیکھ سکا۔"

اس سفر کے دوران تیز رفتاری کی وجہ سے بعض لوگوں کی سواریوں سے کچھ سامان گر پڑا۔ حضرت حمزہ بن عمرو اسلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اس موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (معجزہ کے طور پر) میری پانچوں انگلیاں روشن فرما دیں جن کی روشنی سے میں نے اپنی چیزیں اکٹھی کیں حتیٰ کہ کوڑے، رسی اور ان جیسی دیگر چیزوں کو بھی ہم نے دیکھا اور اٹھا لیا۔ ہمارے سامان میں سے کوئی چیز ایسی نہ تھی جو گری ہو اور ہم نے اسے نہ پا لیا ہو۔

38: ابن اسحاق نے ثقہ راویوں سے بطریق ابن شہاب الزہری روایت کیا ہے کہ عبید اللہ بن عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے دن اونٹنی پر سوار خانہ کعبہ میں داخل ہوئے اور خانہ کعبہ کا طواف کیا۔ خانہ کعبہ کی دیواروں کے ساتھ سیسے سے بت چپکائے ہوئے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں ایک کھجور کی چھڑی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس چھڑی سے بتوں کی طرف اشارہ کر کے اور قرآنِ مجید کی اس آیتِ کریمہ کی تلاوت فرماتے:

"جاء الحق وزھق الباطل ان الباطل کان زھوقاo"

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس بت کے چہرے کی جانب اشارہ فرماتے تھے وہ گدی کے بل گر جاتا تھا اور جس کی گدی کی جانب اشارہ فرماتے تھے وہ منہ کے بل زمین پر آ گرتا تھا۔ یوں سارے کے سارے بت گر پڑے اور ایک بھی باقی نہ رہا۔

39: ابن اسحاق نے اسحاق بن یسار کے حوالے سے روایت کیا ہے کہ رکانہ بن عبد یزید بن ہاشم بن عبد المطلب بن عبد مناف قریش میں سب سے زیادہ طاقت ور تھا۔ وہ بڑا پہلوان اور کشتی کے داؤ پیچ جاننے والا تھا۔ ایک دن مکہ کی ایک ویران گھاٹی میں رکانہ کا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے آمنا سامنا ہو گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا:

"اے رکانہ! کیا تو اللہ سے نہیں ڈرتا اور میں جس چیز کی دعوت دیتا ہوں اسے قبول نہیں کرتا۔؟"

رکانہ نے کہا:

"اگر مجھے یقین ہوتا کہ جو کچھ آپ کہتے ہیں وہ سچ ہے تو ضرور آپ کی اتباع کرتا۔"

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اگر میں کشتی میں تمہیں پچھاڑ دوں تو تمہارا کیا خیال ہے؟ پھر میری بات سچ مان لوگے یا نہیں۔؟"

اس نے کہا:

"بالکل مان لوں گا! آؤ! پنجہ آزمائی کر لیں۔"

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"ٹھیک ہے آجاؤ۔"

رکانہ اٹھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کشتی لڑے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے زور سے پکڑا اور قابو کر لیا، پھر اسے پٹخ دیا۔ اس نے بڑے ہاتھ پاؤں مارے

مگر سب بے سود گئے۔ ایک بار شکست کھانے کے بعد اس نے کہا:

"محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! پھر ایک بار مقابلہ کریں۔؟"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اچھا پھر کوشش کر لو۔"

آپ نے دوبارہ اسے پچھاڑ دیا۔ رستمِ مکہ دو مرتبہ مات کھانے کے بعد حیران ہو کر کہنے لگا:

"اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! یہ کتنی عجیب بات ہے کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے مجھے پچھاڑ دیا۔؟"

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اگر تم چاہو تو اس سے بھی زیادہ عجیب و غریب بات تمہارے سامنے پیش کروں مگر شرط یہ ہے کہ تم اللہ سے ڈرو، ایمان لے آؤ اور میری پیروی کرو۔"

رکانہ نے کہا:

"اس سے زیادہ عجیب چیز کون سی ہو سکتی ہے؟ جو آپ مجھے دکھانا چاہتے ہیں۔؟"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"وہ درخت جو تم دیکھ رہے ہو میں اسے بلاؤں گا تو وہ میری طرف آئے گا۔"

رکانہ نے کہا:

"اچھا بلاؤ۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے درخت کو بلایا اور وہ آپ کی طرف چل پڑا، یہاں تک کہ قریب آیا اور رک گیا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے حکم دیا:

"واپس چلا جا۔"

تو وہ واپس اپنی جگہ پر چلا گیا۔ راوی بیان کرتے ہیں کہ رکانہ نے یہ معجزات دیکھے اور واپس اپنی قوم کے پاس گیا تو یوں کہنے لگا:

"اے بنی عبد مناف! تم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی مدد سے ساری دنیا کے جادو

گروں سے مقابلہ کر سکتے ہو۔خدا کی قسم میں نے اس سے بڑا جادوگر کبھی نہیں دیکھا۔“

پھر اس نے اپنی آپ بیتی اور مشاہدہ سنایا۔

40: ابوبکر بن عیاش کی روایت ہے کہ عاصم ابن النجود نے زر بن حبیش سے اور انہوں نے عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے۔وہ فرماتے ہیں کہ میں بکریاں چرایا کرتا تھا اور یہ بکریوں کا ریوڑ عقبہ بن ابی معیط کا تھا۔

ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس سے گزرے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا:

”اے لڑکے! کیا تیرے پاس دودھ ہے۔؟“

میں نے عرض کیا:

”ہاں! دودھ تو ہے مگر وہ کسی کی امانت ہے اور میں دینے کا مجاز نہیں ہوں۔“

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”اچھا تمہارے پاس کوئی ایسی بکری ہے جو کبھی حاملہ نہ ہوئی ہو اور نہ ہی دودھ والی۔؟“

میں نے عرض کیا کہ ہاں! ایسی بکری تو ہے۔پھر میں نے وہ بکری پیش خدمت اقدس کر دی۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے تھنوں پر ہاتھ مبارک پھیرا اور تھوڑی دیر تک اسے پسماتے رہے۔اس بکری کے تھنوں میں دودھ آ گیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک برتن میں دودھ دوہا، نوش فرمایا اور پھر اپنے ساتھی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی پلایا۔اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تھنوں سے فرمایا:

”خشک ہو جاؤ!“

چنانچہ اس بکری کے تھن خشک ہو گئے۔حضرت عبداللہ ابن مسعود فرماتے ہیں کہ یہ دیکھ کر میں یہ حیران ہو گیا۔پھر میں نے عرض کیا:

”یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! جو کلام (قرآن مجید) آپ پڑھتے ہیں اس میں سے مجھے بھی سکھایئے۔“

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے سر پر ہاتھ پھیرا اور فرمایا:

”اللہ تجھ پر رحم فرمائے تو پڑھا پڑھایا ہے۔“

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اسی دعا کی وجہ سے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فقیہ اعظم بن گئے۔صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں کہا کرتے تھے کہ وہ صحابہ میں سب سے زیادہ مسائل کو جاننے والے فقیہ ہیں۔

41: ابن اسحاق نے بیان کرتے ہیں کہ قریش کے سب قبائل نے بنوہاشم اور بنوالمطلب کے خلاف دستاویز لکھ کر خانہ کعبہ میں لٹکا دی جس کے بعد سارے قریش نے بنوہاشم اور بنوالمطلب کا معاشرتی بائیکاٹ کر دیا۔اس زمانے میں یہ لوگ ایک گھاٹی میں چلے گئے جسے شعب ابی طالب (ابوطالب کی گھاٹی) کہا جاتا ہے۔

اس ناروا اور ظالمانہ معاہدے کے خلاف قریش ہی کے کچھ لوگوں نے صدائے احتجاج بلند کی۔شعب ابی طالب میں محصورین کے دور ابتلا میں ہشام بن عمرو (ان کی مدد کیا کرتا تھا) یہ نضلہ بن ہاشم بن عبد مناف کا بھتیجا تھا، کیونکہ اس کا والد عمرو بن ربیعہ اور نضلہ بن ہاشم ایک ہی ماں کے بیٹے تھے۔یوں ہشام بن عمرو کی بنی ہاشم سے رشتہ داری تھی۔یہ شخص اپنی قوم میں صاحب عزت تھا، اللہ تعالیٰ نے اسے بڑی خوبیوں کے ساتھ مشرف فرمایا تھا۔یہ رات کو قریش کے سرداوں سے چھپ کر کھانے پینے کا سامان اپنے اونٹ پر لادتا اور گھاٹی کے قریب جا کر اونٹ کی نکیل اتار کر اسے گھاٹی کی جانب ہانک دیتا۔کبھی غلہ اور کبھی دوسری ضرورت کی اشیا بنی ہاشم اور بنو المطلب (جو کہ شعب ابی طالب میں محصور تھے) تک پہنچاتا رہتا۔

ہشام بن عمرو ایک دن زہیر بن ابی امیہ بن مغیرہ کے پاس گیا۔زہیر کی ماں عاتکہ بنت عبدالمطلب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی تھیں۔چنانچہ ہشام نے زہیر بن

ابی امیہ بن مغیرہ سے کہا:

''اے زہیر! کیا تم اس بات پر خوش ہو کہ تم پیٹ بھر کر کھانا کھاؤ اچھا لباس پہنو اور شادیاں رچاؤ۔ جب کہ تمہارے ننھیال پر قیامت بیت رہی ہے۔؟ تم اس سے بھی واقف ہو کہ انہیں ہر چیز سے محروم کر دیا گیا ہے۔ نہ تو وہ کچھ خرید سکتے ہیں، نہ ہی بیچ سکتے ہیں، نہ ہی انہیں کوئی رشتہ دیتا ہے اور نہ ہی ان سے کوئی رشتہ لیتا ہے۔ میں خدا کی قسم اٹھا کر کہتا ہوں کہ اگر ابوالحکم بن ہشام (ابوجہل) کے ننھیال کا ایسا ہی معاملہ ہوتا تو تم اسے معاہدے پر دستخط کرنے کی دعوت دیتے تو وہ ہرگز ہرگز تمہاری بات نہ مانتا۔''

یہ باتیں سن کر زہیر بن ابی امیہ بن مغیرہ نے کہا:

''اے ہشام بن عمرو! خدا تیرا بھلا کرے میں کیا کر سکتا ہوں؟ میں تو اکیلا آدمی ہوں۔ خدا کی قسم! اگر میرا ساتھ دینے والا کوئی ہوتا تو میں اس معاہدے کی خلاف ورزی کے لیے اٹھ کھڑا ہوتا۔''

ہشام بن عمرو نے کہا:

''ساتھ دینے والا تو موجود ہے۔''

زہیر بن ابی امیہ بن مغیرہ نے کہا:

''وہ کون۔؟''

ہشام بن عمرو نے کہا:

''میں خود تمہارا ساتھ دوں گا!''

زہیر بن ابی امیہ بن مغیرہ نے کہا:

''ہمیں کسی تیسرے شخص کو بھی ساتھ ملانا چاہیے۔''

چنانچہ ہشام بن عمرو مطعم بن عدی کے پاس گیا اور اس سے کہا:

''اے مطعم! کیا تم اس بات سے خوش ہو کہ عبدِ مناف کے دو خاندان ہلاک ہو جائیں اور تم ان کی ہلاکت کا تماشا دیکھتے رہ جاؤ؟ قریش کے اس ظلم پر خاموشی اختیار

کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ایک دن یہی ظلم تم پر بھی ہوگا۔''

مطعم بن عدی نے کہا:

''تیرا بھلا ہو۔ میں اکیلا شخص اس نازک معاملے میں کیا کر سکتا ہوں۔؟''

ہشام بن عمرو نے کہا:

''تم تنہا نہیں ہو۔ میں تمہارے ساتھ ہوں۔''

مطعم بن عدی نے کہا:

''یہ تو ٹھیک ہے لیکن ہم کو کوئی تیسرا ساتھی بھی ساتھ ملا لینا چاہیے۔''

ہشام بن عمرو نے کہا:

''تیسرا ساتھی بھی موجود ہے اور وہ زہیر بن ابی امیہ بن مغیرہ ہے۔''

یہ سن کر مطعم بہت خوش ہوا اور کہنے لگا:

''کام بہت مشکل ہے، اس لیے ہمیں کوئی چوتھا آدمی بھی تلاش کرنا چاہیے۔''

چنانچہ ہشام بن عمرو مطعم کو اپنا ساتھی بنانے کے بعد بختری بن ہشام کے پاس گیا اور اس سے بھی وہی بات کہی جو زہیر بن امیہ بن مغیرہ اور مطعم بن عدی سے کہہ چکا تھا۔ پھر اس کو یہ بھی بتایا کہ میں یہ بات زہیر بن ابی امیہ بن مغیرہ اور مطعم بن عدی سے بھی کہہ چکا ہوں اور ان کو میری تجویز سے اتفاق ہے۔

بختری نے ہشام بن عمرو کی تجویز کو سراہا اور کہا:

''ہمیں ایک پانچویں شخص کی ضرورت ہے۔ اسے تلاش کرنا چاہیے۔''

ہشام بن عمرو نے کہا:

''ٹھیک ہے۔''

چنانچہ وہ زمعہ بن الاسود بن المطلب بن اسد کے پاس گیا اور اس سے بنو ہاشم کی قرابت داری کا ذکر کر کے حمایت طلب کی۔ زمعہ بن الاسود بن المطلب بن اسد نے کہا:

''کوئی اور بھی ہمارا ساتھ دے گا۔؟''

ہشام نے کہا:

''ہاں! زہیر بن ابی امیہ بن مغیرہ، مطعم بن عدی اور بختری ہمارے ساتھ ہیں۔''

چنانچہ یہ سب لوگ حسب وعدہ رات کے وقت مکہ کے بالائی حصے میں حجون کے مقام پر اکٹھے ہوئے اور سب نے اس بات پر اتفاق کیا کہ اس ظالمانہ معاہدے کو توڑ دینا چاہیے۔

زہیر بن ابی امیہ بن مغیرہ نے کہا:

''پہل میں کروں گا۔''

اگلی صبح وہ قریش کی مجلس میں آئے زہیر بن ابی امیہ بن مغیرہ نے اپنے اوپر بہترین حلہ اوڑھ رکھا تھا، اس نے بیت اللہ کا سات مرتبہ طواف کیا، پھر لوگوں کی جانب متوجہ ہو کر کہنے لگا:

''اے مکہ والو! کیا ہم پیٹ بھر کر کھائیں، بہترین لباس پہنیں اور بنو ہاشم بھوکے مر جائیں؟ نہ ان کے ساتھ کوئی خرید و فروخت کرے اور نہ کوئی ان کی مدد کو آگے بڑھے۔ خدا کی قسم! یہ ظلم ہے۔ خدا کی قسم میں ظلم کے اس معاہدے کو پھاڑے بغیر چین نہ لوں گا۔''

ابن اسحاق لکھتے ہیں کہ اس معاہدے کا کاتب منصور بن عکرمہ تھا جس کا ہاتھ شل ہو چکا تھا۔

ابن اسحاق مزید لکھتے ہیں کہ اہل علم نے فرمایا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوطالب سے فرمایا:

''چچا جان! اللہ تعالیٰ جل جلالہ نے ظلم کے معاہدے کو ختم کر دیا ہے اور اللہ کے ناموں کے سوا اس معاہدے کے تمام الفاظ کو دیمک نے چاٹ لیا ہے۔ ظلم، قطع رحمی اور بہتان کا خاتمہ ہو گیا۔''

ابوطالب نے پوچھا:

''کیا آپ کے رب نے آپ کو اس کی خبر دی ہے۔؟''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''ہاں۔!''

ابوطالب نے کہا:

''اللہ کی قسم! تمہارے پاس کوئی نہیں آیا جو ایسی خبر لاتا اس لیے یقیناً تمہیں یہ خبر خدا ہی نے دی ہے۔''

اس کے بعد ابوطالب گھاٹی سے نکل کر قریش کے پاس آئے اور ان سے مخاطب ہو کر کہا:

''اے قریش کے لوگو! میرے بھتیجے نے مجھے بتایا ہے کہ تمہارا صحیفہ دیمک نے چاٹ لیا ہے۔ ذرا مجھے بھی تو وہ دکھاؤ اگر وہ واقعی دیمک کی نذر ہو چکا ہے جیسا کہ میرے بھتیجے نے بتایا ہے تو پھر تم اس قطعِ تعلق پر نظر ثانی کر کے اس ظلم سے ہاتھ کھینچ لو اور اگر میرے بھتیجے نے جھوٹ کہا ہے تو میں اسے تمہارے حوالے کر دوں گا۔''

قریش کے لوگوں نے کہا:

''یہ تو بہت اچھی بات ہے ہم اس پر متفق ہیں۔''

پھر انہوں نے خانہ کعبہ میں لٹکے ہوئے اس معاہدے کو دیکھا تو اسے بالکل اسی حالت میں پایا جیسا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا۔ اب بجائے اس کے کہ انہیں شرم آتی وہ الٹے اور بگڑ گئے اور شرارت پر آمادہ ہو گئے۔ اس موقع پر وہ پانچوں افراد اٹھ کھڑے ہوئے اور اعلان کر دیا کہ اس معاہدے کو وہ قبول نہیں کرتے اور نہ ہی اس کی پابندی کریں گے۔ اس طرح وہ صحیفۂ قریش ختم ہو گیا۔

42: محمد بن اسحاق کہتے ہیں کہ مجھ تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معراج کے بارے میں ام ہانی بنت ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت پہنچی۔ امِ ہانی رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نام ہندہ تھا۔ وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس (معراج والی) رات میرے گھر میں نیند فرمائی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نمازِ عشاء ادا فرمائی اور بستر پر لیٹ گئے۔ ہم (سب گھر والے) بھی

سو گئے ۔ نمازِ فجر سے قبل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں جگایا اور ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صبح کی نماز ادا کی ۔ نماز کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اے ام ہانی (رضی اللہ تعالیٰ عنہا)! میں نے عشاء کی نماز تمہارے ساتھ پڑھی ، پھر رات کو بیت المقدس گیا، وہاں نماز پڑھی، پھر میں نے صبح کی نماز تمہارے ساتھ یہاں ادا کی جیسا کہ تم نے دیکھا۔''

اتنا فرمانے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لے جانے کے لیے اٹھے تو میں (ام ہانی رضی اللہ تعالیٰ عنہا) نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی چادر کا کنارا پکڑ لیا جس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیٹ مبارک ظاہر ہو گیا۔ وہ روئی کی طرح سفید تھا، اس کے بعد میں نے عرض کیا:

''اے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! لوگوں کو یہ بات نہ بتائیے گا کیونکہ وہ فوراً آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جھٹلا دیں گے۔''

یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''خدا کی قسم! میں یہ واقعہ لوگوں کو ضرور بتاؤں گا۔''

جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم چلے گئے تو میں (ام ہانی) نے اپنی ایک حبشی کنیز کو حکم دیا کہ جا کر دیکھے اور سنے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا فرماتے ہیں اور لوگ کیا جواب دیتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب لوگوں کے پاس گئے اور واقعہ بیان فرمایا تو لوگوں نے سن کر سخت حیرت کا اظہار کیا اور کہنے لگے:

''اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! یہ بتاؤ کہ اس واقعہ کی دلیل اور ثبوت کیا ہے؟ ہم نے آج تک کبھی بھی ایسی بات کسی کے منہ سے نہیں سنی۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''ثبوت یہ ہے کہ فلاں قبیلے کے پاس سے میں گزرا، وہ فلاں وادی میں تھے براق کو دیکھ کر ان کے اونٹ منتشر ہو گئے، ایک اونٹ بدک کر بھاگنے لگا تو میں نے انہیں آواز

دے کر بتایا کہ اونٹ کہاں ہے۔ میں شام کی جانب جا رہا تھا۔ چلتے چلتے جب ضخبان کے پہاڑ پر پہنچا تو فلاں قبیلے کے پاس سے گزر ہوا۔ اس قبیلے کے لوگ سوئے ہوئے تھے اور پانی کا برتن بھرا ہوا تھا۔ اس کا منہ انہوں نے ڈھانپ رکھا تھا۔ میں نے اس کا منہ کھول کر پانی پیا پھر اسے پہلے کی طرح ڈھانپ دیا۔ ثبوت پوچھتے ہو تو وہ یہ ہے کہ ان کا قافلہ تنعیم کی گھاٹی بیضاء سے نیچے اتر رہا ہے، قافلے کے آگے مٹیالے رنگ کا اونٹ ہے جس پر دو بورے لدے ہوئے ہیں ایک سیاہ رنگ کا ہے اور دوسرا سفید۔''

ام ہانی فرماتی ہیں کہ '' یہ سن کر لوگ تیزی سے اس گھاٹی کی طرف گئے۔ قریش نے ان قافلے والوں سے پانی کے برتن کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے کہا:

''خدا کی قسم! اس نے سچ کہا۔ ہم نے پانی کا برتن بھر کر رکھا تھا پھر اس کا منہ بھی باندھ دیا۔ جب صبح اٹھے تو برتن کا منہ تو ویسا ہی بندھا ہوا تھا مگر اس میں پانی نہ تھا۔''

دوسرا قافلہ جب مکہ پہنچا تو لوگوں نے ان سے ان کا حال پوچھا۔ انہوں نے کہا:

''خدا کی قسم! اس نے سچ کہا ہے۔ اس وادی میں ہمارے اونٹ منتشر ہو گئے تھے اور ایک اونٹ بدک کر بھاگ گیا تھا۔ پھر ہم نے ایک شخص کی آواز سنی۔ اس نے ہمیں بلایا اور کہا کہ اونٹ اِس طرف ہے۔ اس کی آواز کی سمت میں ہم گئے تو اپنا اونٹ پالیا۔''

ابن اسحاق حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے یہ واقعہ بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ جب صبح ہوئی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کو پورا واقعہ سنایا تو انہوں نے اس کو ناممکن قرار دیتے ہوئے انکار کر دیا۔ ان کافروں کا کہنا تھا کہ ایک قافلے کو مکہ سے ملکِ شام پہنچنے کے لیے ایک مہینہ اور واپسی کے لیے بھی ایک مہینہ درکار ہوتا ہے۔ (ملکِ شام آنے جانے کے لیے دو ماہ سفر کرنا پڑتا ہے) بھلا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ایک رات میں کیسے یہاں سے وہاں گئے اور پھر واپس بھی آ گئے۔؟

اس واقعہ پر بہت سے کمزور ایمان لوگ فتنے کا شکار ہو کر مرتد ہو گئے۔ کئی لوگ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس گئے اور کہا:

''اے ابوبکر صدیق! تم نے سنا ہے کہ تمہارا دوست کیا کہتا ہے؟ وہ دعویٰ کرتا ہے کہ گزشتہ شب اس نے مکے سے بیت المقدس تک کا سفر کیا، وہاں نماز پڑھی اور واپس بھی آ گیا۔''

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

''تم لوگ بلاوجہ تہمت لگا رہے ہو۔''

لوگ کہنے لگے۔

''اگر یقین نہیں آتا تو اٹھو چلو خود جا کر سن لو۔ تمہارا دوست مسجد میں بیٹھا خود یہ کہانی سنا رہا ہے۔''

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

''اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات فرمائی ہے تو خدا کی قسم! یہ بات سچی ہے۔ تم لوگوں کو اس پر تعجب کیوں ہے؟ خدا کی قسم! میں تو اس سے بھی بڑی بات کو تسلیم کرتا ہوں۔ وہ یہ کہ ان کے پاس رات یا دن کی کسی گھڑی میں آسمان سے وحی آتی ہے تو میں آپ کی تصدیق کرتا ہوں۔ جس بات پر تم حیران ہو وحی کا معاملہ تو اس سے بھی زیادہ عجیب ہے؟ مگر اسے مانتا ہوں۔ (پھر اس واقعہ معراج کا کیسے انکار کر سکتا ہوں؟)''

اس کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا:

''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا آپ نے لوگوں سے فرمایا ہے کہ آپ راتوں رات بیت المقدس گئے اور واپس بھی آ گئے۔؟''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواباً فرمایا:

''ہاں میں نے یہ کہا ہے۔''

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا:

''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں نے بیت المقدس کو دیکھا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی صفت بیان فرمادیں۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت المقدس کا نقشہ بیان فرمانا شروع کر دیا۔ حسن

بصری فرماتے ہیں کہ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بیت المقدس کو پیش فرمادیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کا نقشہ دیکھ کر بیان فرمارہے تھے۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک چیز کی منظر کشی کرتے تو ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ عرض کرتے:

''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ نے بالکل سچ فرمایا میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے سچے رسول ہیں۔''

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پورا نقشہ بیان فرمادیا اور ہر چیز پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تصدیق کی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس روز انہیں صدیق کا خطاب عطا فرمایا۔

ابن اسحاق نے بعض مختلف طرق (مختلف روایات) سے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زبانی بیان کیا ہے کہ میں (ابوسعید خدری) نے رسول اللہ سے سنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے کہ جب میں بیت المقدس میں نماز سے فارغ ہوا تو ایک سیڑھی میرے سامنے پیش کی گئی۔ ایسی خوب صورت چیز میں نے کبھی نہیں دیکھی تھی۔ یہ وہی سیڑھی ہے جسے تم نہیں دیکھ سکتے مگر جب کسی کی موت کا وقت آتا ہے تو اسے یہ نظر آنے لگتی ہے۔ میرے دوست حضرت جبریل علیہ السلام نے مجھے اس سیڑھی پر چڑھایا یہاں تک کہ میں آسمان کے دروازے پر جا پہنچا۔ یہ دروازہ باب الحفظہ کہلاتا ہے۔ اس کا نگران ایک فرشتہ ہے جس کا نام اسماعیل ہے، اس کے ماتحت بارہ ہزار فرشتے ہیں اور پھر ان بارہ ہزار میں سے ہر ایک کے ماتحت بارہ بارہ ہزار فرشتے ہیں۔

اس موقعہ پر آپ نے قرآنِ مجید کی یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی:

''وما یعلم جنود ربک الا ہو''

''تیرے رب کے لشکر کی تعداد کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر فرمایا:

''جب ہم پہلے آسمان کے دروازے پر پہنچے تو فرشتے نے پوچھا حضرت (علیہ السلام)

یہ تمہارے ساتھ کون ہیں۔؟"

حضرت جبریل علیہ السلام نے کہا:

"یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔"

اس نے پوچھا:

"کیا انہیں بلایا گیا ہے۔؟"

حضرت جبرائیل علیہ السلام نے جواب دیا:

"ہاں۔!"

اس فرشتے نے مجھے دعا دی اور دروازہ کھول دیا۔

ابن اسحاق نے اہلِ علم کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں جب آسمانوں پر گیا تو ہر فرشتہ جو مجھے ملا اس نے ہنستے مسکراتے میرا استقبال کیا اور ہر ایک نے مجھے دعائے خیر دی۔ ایک فرشتہ مجھے ایسا ملا جس نے میرے حق میں باقی فرشتوں کی طرح دعائے خیر تو کی مگر اس کے چہرے پر مسکراہٹ اور بشاشت کا نام ونشان نہ تھا۔ میں نے حضرت جبریل علیہ السلام سے پوچھا:

"اے جبرائیل! یہ کون سا فرشتہ ہے۔؟"

حضرت جبرائیل علیہ السلام نے عرض کیا:

"یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! یہ نہ کبھی اس سے قبل مسکرایا ہے اور نہ ہی اس کے بعد کبھی مسکرائے گا۔ اگر اسے مسکرانا ہوتا تو آج آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد پر ضرور مسکراتا مگر اس کے لیے حکم یہی ہے کہ یہ کبھی نہ مسکرائے۔ یہ جہنم کا داروغہ ہے، جس کا نام حضرت مالک علیہ السلام ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت جبریل علیہ السلام سے فرمایا:

"اے جبریل (علیہ السلام)! تم اللہ کے ہاں: "مُطَاعٌ ثَمَّ اَمِیْنٌ" (جس کا حکم مانا جائے اور جس کی امانت مسلم ہو۔) کا درجہ رکھتے ہو۔ کیا تم اس فرشتے کو حکم دے کر مجھے دوزخ کی جھلک دکھا سکتے ہو۔؟"

حضرت جبرائیل علیہ السلام نے عرض کیا:

"ہاں! یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیوں نہیں۔"

پھر حضرت جبریل علیہ السلام نے حضرت مالک علیہ السلام داروغہ جہنم کو حکم دیتے ہوئے کہا:

"اے حضرت مالک (علیہ السلام)! محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو دوزخ دکھادو۔"

یہ سن کر حضرت مالک علیہ السلام نے دوزخ سے پردہ اٹھادیا۔ وہ جوش میں آئی اور اس کے شعلے بلند سے بلند تر ہونے لگے۔ یوں محسوس ہوا کہ ہر چیز کو بھسم کر ڈالے گی۔ میں نے حضرت جبریل علیہ السلام سے کہا:

"اے جبریل! حضرت مالک علیہ السلام سے دوزخ کو اس کی حدوں میں واپس جانے کی فرمائش کرو۔"

حضرت جبریل علیہ السلام نے حضرت مالک علیہ السلام کو حکم دیا تو اس (حضرت مالک علیہ السلام) نے آگ کو حکم دیا کہ واپس اپنی حدوں میں چلی جائے۔ وہ یوں واپس لوٹی جیسے سایہ جاتا ہے، اس کے بعد حضرت مالک عیہ السلام نے اسے پردے سے ڈھانپ دیا۔

ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ واقعہ معراج کو بیان کرتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث مزید روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب میں آسمان دنیا پر گیا تو وہاں میں نے ایک بزرگ کو بیٹھے دیکھا۔ لوگوں کی ارواح ان کے سامنے پیش کی جاتی تھیں، بعض ارواح کو دیکھ کر وہ خوشی اور مسرت کا اظہار فرماتے اور کہتے:

"پاکیزہ روح، پاکیزہ جسم سے نکلی ہے۔ اس کے لیے خیر اور بھلائی ہے۔"

بعض روحوں کو دیکھتے تو افسوس اور غم کا اظہار فرماتے اور ان کے چہرے پر ناگواری کے آثار نظر آتے۔ پھر فرماتے:

"ناپاک روح، ناپاک جسم سے نکلی ہے۔"

میں نے جبرائیل علیہ السلام سے استفسار کرتے ہوئے کہا:

"اے جبریل! یہ کون بزرگ ہیں۔؟"

حضرت جبریل علیہ السلام نے عرض کیا:

"یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جدِ اعلیٰ حضرت آدم علیہ السلام ہیں۔ان کی ساری اولاد کی ارواح ان کی خدمت میں پیش کی جاتی ہیں۔ کافروں اور نافرمانوں کو دیکھ کرناپسندیدگی اور افسوس کا اظہار فرماتے ہیں اور جب اہلِ ایمان اور نیکوکار ارواح کو دیکھتے ہیں تو خوش اور مسرور ہوتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ پھر میں نے لوگوں کو دیکھا جن کے ہونٹ اونٹوں کی طرح لٹکے ہوئے تھے۔ان کے ہاتھوں میں ایک لمبے دستے جتنے بڑے آگ کے پتھر تھے۔ وہ ان پتھروں کو منہ میں ڈالتے تو یہ پتھر ان کی پیٹھ (مقعد) کی جانب سے باہر نکل آتے۔ میں نے حضرت جبریل علیہ السلام سے ان کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو ظلم سے یتیموں کا مال کھاجاتے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ پھر میں نے بہت بڑے پیٹوں والے لوگوں کو دیکھا۔ اتنے بڑے پیٹ کہ تصور بھی نہیں کیا جاسکتا، وہ ان راستوں میں پڑے ہوئے تھے، جہاں سے فرعون اور اسکی قوم کو آگ میں لایا جاتا ہے۔ یہ فرعون کی قوم پیاسے اونٹوں کی طرح چلتی تھی اور ان بڑے پیٹ والوں کو روندتے اور کچلتے گزر جاتی تھی۔ یہ پاؤں کے نیچے پستے اور کچلے جاتے تھے مگر اپنی جگہ سے ہل نہیں سکتے تھے۔

میں نے جبریل علیہ السلام سے پوچھا:

"اے جبریل (علیہ السلام) یہ کون لوگ ہیں۔؟"

حضرت جبریل علیہ السلام نے جواب دیا:

"یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! یہ سود خور ہیں۔"

اس کے بعد میں نے کچھ اور لوگوں کو دیکھا ان کے سامنے تازہ بھنا ہوا خوشبودار گوشت پڑا تھا اور اس کے ساتھ ہی بدبودار اور متعفن گوشت بھی۔ مگر یہ پاکیزہ گوشت کو چھوڑ کر بدبودار گوشت کھا رہے تھے۔

میں نے ان کے بارے میں دریافت کیا تو پتہ چلا کہ یہ اپنی حلال بیویوں کو چھوڑ کر حرام کاری کا راستہ اختیار کرنے والے لوگ ہیں۔

پھر میں نے کچھ عورتوں کو دیکھا کہ وہ اپنی چھاتیوں کے بل (پستانوں کے ساتھ) لٹکی ہوئی ہیں اور سخت تکلیف میں ہیں۔ میں نے پوچھا تو حضرت جبریل علیہ السلام نے بتایا کہ یہ وہ عورتیں ہیں جنھوں نے مردوں کو فری کھاتے میں اولاد ڈال دی جو فی الواقعہ ان مردوں کی نہیں تھی۔

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ قاسم ابن محمد نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اس عورت پر اللہ تعالیٰ کا بے پناہ غضب ہوتا ہے جو مرد کے خاندان میں اس بچے کو داخل کردے جو اس کا نہیں ہے، پھر وہ (بچہ وراثت اور دوسرے اخراجات کی صورت میں) ان کا مال بھی کھاتا رہے اور ان کی پوشیدہ اور مستور باتوں (گھریلو معاملات) سے بھی باخبر ہوجائے۔"

ابن اسحاق معراج کے واقعہ کے تحت حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حوالے سے مزید تفصیل بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پھر حضرت جبریل علیہ السلام مجھے دوسرے آسمان پر لے گئے۔ وہاں میں نے دونوں جوانوں عیسیٰ ابن مریم اور یحیٰ ابن زکریا (علیہم الصلوۃ والسلام) کو دیکھا جو آپس میں خالہ زاد بھائی ہیں۔

پھر میں تیسرے آسمان پر گیا۔ وہاں میں نے ایک شخص کو دیکھا جو چودھویں کے چاند کی طرح تھا۔ میں نے پوچھا تو حضرت جبریل علیہ السلام نے بتایا کہ یہ آپ کے بھائی حضرت یوسف بن یعقوب (علیہم الصلوۃ والسلام) ہیں۔ پھر میں چوتھے آسمان پر چڑھا۔ وہاں بھی ایک آدمی کو دیکھا۔ حضرت جبریل علیہ السلام نے بتایا کہ یہ ادریس علیہ السلام ہیں جن کے بارے میں اللہ کا ارشاد ہے:

"ورفعناہ مکانا علیا"

پھر حضرت جبریل علیہ السلام مجھے پانچویں آسمان پر لے گئے تو وہاں میں نے ایک سن رسیدہ بزرگ کو دیکھا۔ ان سے زیادہ خوبصورت بوڑھا میں نے کبھی نہ دیکھا تھا۔ وہ ہارون بن عمران (علیہ السلام) تھے۔ چھٹے آسمان پر میں نے ایک بلند قامت اونچی ناک والا شخص دیکھا میں نے اس کے بارے میں حضرت جبریل علیہ السلام سے

پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ یہ آپ کے بھائی حضرت موسیٰ بن عمران (علیہ السلام) ہیں۔

اس کے بعد آخر میں ساتویں آسمان پر پہنچا، وہاں ایک بزرگ کرسی پر تشریف فرما تھے۔ ان کی کرسی بیت المعمور کے دروازے پر تھی۔ بیت المعمور میں ہر روز ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں اور پھر نکلتے ہیں اور جو ایک بار داخل ہو جاتا ہے پھر دوبارہ قیامت تک کبھی بھی اس کی باری نہیں آتی۔ روز نئے فرشتے آتے ہیں۔ بیت المعمور کے دروازے پر بیٹھے ہوئے بزرگ سے تمہارا نبی (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) اس قدر مشابہ ہے کہ کوئی دوسرا اس کا مثال نہیں بن سکتا۔ ان بزرگ کے بارے میں میں نے پوچھا تو حضرت جبریل علیہ السلام نے عرض کیا کہ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جد امجد ابراہیم علیہ السلام ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ پھر حضرت جبریل علیہ السلام مجھے جنت میں لے گئے۔ وہاں میں نے ایک نہایت خوبصورت سرخ وسفید کنیز دیکھی۔ اس سے پوچھا کہ وہ کون ہے تو اس نے بتایا کہ وہ زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حور ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس کنیز کی اور جنت کی بھی بشارت عطا فرمائی۔

تفصیلاً یہ واقعہ کتب احادیث میں مرقوم ہے وہاں ملاحظہ فرمائیے۔

43: حضرت نوفل بن حارث بن عبدالمطلب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی تھے۔ آپ بدر کی جنگ میں فوجِ کفار کے ساتھ تھے اور لڑتے لڑتے مسلمانوں کے ہاتھوں گرفتار ہو گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا:

"اپنا فدیہ ادا کرو اور واپس چلے جاؤ۔"

حضرت نوفل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا:

"اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! میرے پاس تو کچھ ہے ہی نہیں جو فدیے کے طور پر دے سکوں۔"

یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اے نوفل بھائی! تیرے پاس جدہ میں جو نیزے ہیں؟ ان کو فدیہ کے طور پر دے

دے۔"

یہ سن کر حضرت نوفل رضی اللہ تعالیٰ عنہ حیران و پریشان ہو گئے اور زبان راز سے کہنے لگے۔

"اللہ کی قسم! میرے ان نیزوں کے بارے میں میرے اور میرے خدا کے سوا کسی کو علم نہ تھا۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔"

حضرت نوفل رضی اللہ تعالیٰ عنہ صادق الایمان اور مخلص مومن تھے، آپ حنین کی جنگ میں ثابت قدم رہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب حنین کی جنگ کے لیے مکہ سے نکلے تو حضرت نوفل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تین ہزار نیزوں سے مدد کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خوش ہو کر فرمایا:

"میں دیکھ رہا ہوں کہ تیرے یہ نیزے مشرکین کی کمر توڑ دیں گے اور ان کی پیٹھ میں پیوست ہو جائیں گے۔"

44: یونس بن بکیر نے محمد بن اسحاق، یزید بن رومان، عروہ زہری اور راویوں کی ایک جماعت کے واسطے سے نقل کیا ہے کہ جنگِ بدر میں قریش کے گرفتار ہونے والے جنگجو مسلمانوں کی قید سے فدیہ دے کر رہا ہوتے تھے۔ ہر قبیلہ اپنے قیدیوں کا فدیہ ادا کر کے انہیں آزاد کراتا تھا۔ حضرت عباس بن عبدالمطلب بھی قید ہو گئے تھے۔ انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا:

"اے اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم)! میں تو دل سے مسلمان تھا مگر مجبوراً کافروں کی فوج کے ساتھ آ گیا۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"تمہارے اسلام لانے کے بارے میں اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ اگر معاملہ ایسا ہی ہے جیسا کہ آپ نے بیان کیا ہے تو فدیہ کے بدلے اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے گا۔ جہاں تک ہمارا تعلق ہے ہم تو ظاہری حالت ہی دیکھتے ہیں۔ لہذا آپ اپنا، اپنے دونوں بھتیجوں نوفل بن حارث بن عبدالمطلب، عقیل بن ابی طالب بن عبدالمطلب اور اپنے حلیف عتبہ بن عمرو (جو کہ بنو حارث بن فہر سے تعلق رکھتا تھا) کا فدیہ بھی ادا کریں۔"

حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا:

''یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! میرے پاس اتنی رقم کہاں ہے۔؟''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اس مال کے بارے میں کیا خیال ہے جسے آپ اور ام الفضل نے زمین میں دفن کیا تھا؟ اور آپ نے ام الفضل سے کہا تھا کہ اگر سفر کے دوران مجھے کچھ ہو جائے تو یہ مال میرے بیٹوں فضل، عبداللہ اور قثم میں تقسیم کر دینا۔''

یہ سن کر حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا:

''خدا کی قسم! میں جانتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول سچے رسول ہیں۔ یہ ایک ایسی بات ہے جسے میرے اور ام الفضل کے سوا کوئی نہیں جانتا تھا۔ اے اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم)! میرے پاس جو بیس اوقیہ مال تھا جو آپ کی فوج نے جنگ کے بعد قبضے میں کر لیا اسے آپ فدیہ میں شمار کر لیں اور ہمیں رہا کر دیں۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''ایسا نہیں ہو سکتا۔ وہ تو اللہ نے ہمیں تم سے بطور مالِ غنیمت دلایا ہے۔''

بالآخر حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنا، اپنے بھتیجوں اور حلیف کا فدیہ ادا کر دیا اور سبھی رہا ہو گئے۔

45: ابن اسحاق عاصم بن عمر بن قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حوالے سے روایت بیان کرتے ہیں۔ حضرت عاصم بن قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے تھے کہ ہمارے درمیان ایک اجنبی آدمی تھا۔ ہم اسے نہیں جانتے تھے۔ اس کا نام قزمان بتایا جاتا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس کا ذکر ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکے بارے میں فرمایا:

''وہ اہل جہنم میں سے ہے۔''

غزوۂ احد کے دن جب گھمسان کی لڑائی ہوئی تو قزمان مسلمانوں کی طرف سے کفار کے ساتھ بڑی بے جگری سے لڑا۔ اس اکیلے نے سات یا آٹھ کافروں کا کام تمام کر دیا۔ وہ جنگجو تھا۔ جنگ میں اسے بھی شدید زخم آئے۔ اسے بنی ظفر کے ایک گھر میں رہائش مہیا کی گئی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں اس کا ذکر ہوا تو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی ایک جماعت نے اس کی بڑی تعریف کی، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر اپنا فرمان دہرایا کہ وہ جہنمی ہے۔

صحابہ کو اس پر بہت حیرانگی اور تعجب ہوا کہ آخر معاملہ کیا ہے؟ قزمان کو دیکھتے ہیں تو جنتی معلوم ہوتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان سنتے ہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اسے جہنمی قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ لوگوں کے دلوں میں عجیب کشمکش پیدا ہو گئی۔

کچھ لوگ قزمان کی عیادت کے لیے اس کے پاس گئے اور اس سے کہا:

''اے قزمان! خدا کی قسم! تو نے تو آج کمال کر دکھایا اور بڑی آزمائش برداشت کی۔ تو بشارت اور مبارکباد کا مستحق ہے۔''

اس پر قزمان نے کہا:

''بشارت کس بات کی؟ خدا کی قسم! میں تو اپنی قوم کی عزت اور قبیلے کی مفاخرت کی خاطر لڑتا رہا ہوں۔ اگر دل میں یہ جذبہ نہ ہوتا تو میں میدانِ جنگ میں کیوں کودتا۔؟''

ابن اسحاق مزید کہتے ہیں کہ جب اس کے زخموں میں شدید درد پیدا ہوا اور وہ اسے برداشت نہ کر سکا تو اس نے اپنے ترکش سے تیر نکالا اور خودکشی کر لی۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اس واقعہ کو دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور یک زبان عرض کیا:

''ہم اپنی گواہی کا پھر اعادہ کرتے ہیں کہ آپ اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں۔''

اس کے بعد انہوں نے قزمان کا واقعہ بیان کیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''بسا اوقات اللہ تعالیٰ اس دین کی مدد کسی فاجر کے ذریعے بھی کر دیتا ہے۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قزمان کے ایمان میں تردد اور شک ہونے کی وجہ سے اسے جہنمی فرمایا نہ کہ خودکشی کرنے کی وجہ سے۔

46: ابن اسحاق نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زبانی یہ واقعہ بیان کیا ہے کہ حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ خندق کی کھدائی کے دوران میں ایک سخت چٹان آ گئی۔ میں نے اسے توڑنے کی بھرپور کوشش کی مگر ناکام رہا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے قریب ہی کھدائی میں مصروف تھے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صورت حال دیکھی تو میری مدد کے لیے تشریف لائے اور کدال پکڑ لی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پتھر پر ضرب لگائی تو کدال کے نیچے سے بجلی کا شعلہ نکلا پھر دوسری ضرب سے ایسا ہی شعلہ نکلا، تیسری ضرب سے بھی ایسا ہی ہوا اور چٹان ٹوٹ گئی۔

میں نے عرض کیا:

''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس چٹان کو ضرب لگا رہے تھے تو کدال کے نیچے میں نے شعلے اٹھتے ہوئے دیکھے۔ یہ شعلے کیسے تھے۔؟''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''سلمان! (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کیا واقعی تم نے یہ شعلے دیکھے ہیں۔؟''

میں نے اثبات میں جواب دیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''پہلی ضرب پر جو شعلہ نکلا اس سے اللہ تعالیٰ نے مجھے یمن پر فتح عطا کی، دوسرے شعلے پر میرے لیے اللہ نے شام کی فتح کا راستہ ہموار کر دیا اور تیسرے شعلے پر اللہ تعالیٰ نے مشرق کے ممالک کی فتح میرے لیے مقدر فرما دی۔''

ابن اسحاق مزید کہتے ہیں کہ انہوں نے ثقہ راویوں کی زبانی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ روایت سنی کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دورِ خلافت میں ہونے والی ہر فتح پر وہ کہا کرتے تھے:

''جتنے علاقے بھی چاہو فتح کرتے چلے جاؤ۔ خدا یہ فتوحات مبارک کرے۔ مدینہ سے لے کر اقصائے عالم تک اور آج کے دن سے یوم قیامت تک جتنے علاقوں پر بھی تم فتوحات کے پرچم لہراؤ گے، ان سب کا حال اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب پیغمبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتا دیا تھا۔ مالک ارض وسماء نے ان علاقوں کی چابیاں اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرما دی تھیں۔

47: امام بخاری نے محمد بن بشار سے، انہوں نے یحییٰ بن سعید سے، انہوں نے حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اور انہوں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ

تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احد پہاڑ پر تشریف لے گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب پہاڑ پر بیٹھے تو پہاڑ لرزنے لگا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اے احد! ثابت قدم اور ساکن ہو جا۔ بے شک تجھ پر ایک نبی، ایک صدیق اور دو شہید ہیں۔''

اس حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اے احد ثابت قدم اور ساکن ہو جا بے شک تیرے اوپر ایک نبی ایک صدیق اور دو شہید ہیں۔''

یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی غیبی خبر اور معجزہ ہے کیونکہ یہ ہو بہو پورا ہوا۔ ''نبی'' سے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، ''صدیق'' سے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ''دو شہیدوں'' سے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ مراد ہیں۔

بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نبی ہیں۔ صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ کا لقب صدیق ہے اور حضرت عمر فاروق اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہما دونوں صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم شہادت کے مرتبہ پر فائز ہوئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی غیبی خبر جو شہادت کے متعلق تھی من وعن پوری ہوئی کہ ان دونوں صحابہ رضی اللہ عنہما کو شہید کیا گیا۔

48: ابن ہشام بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ بنی المصطلق سے واپس لوٹے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت جویریہ بنت الحارث بن ابی ضرار رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی تھیں۔ وہ بنو المصطلق کے سردار حضرت حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیٹی تھیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جویریہ بنت الحارث رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو انصار کے ایک شخص کے پاس امانت کے طور پر بھیج دیا اور فرمایا کہ اس کی حفاظت کرے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مال غنیمت کے ساتھ واپس مدینے آئے تو ادھر حضرت جویریہ

بنت الحارث بن ابی ضرار رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے والد محترم حضرت حارث بن ابی ضرار رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی بیٹی کا فدیہ دینے کے لیے مدینہ کی طرف روانہ ہوئے۔

جب وادی عقیق میں پہنچے تو انہوں نے اپنے ان اونٹوں پر نظر ڈالی جو وہ اپنی بیٹی کے فدیہ میں دینے کے لیے لائے تھے۔ ان اونٹوں میں سے دو اونٹ حضرت حارث بن ابی ضرار کو بہت پسند تھے چنانچہ انہوں نے ان دونوں کو وادیٔ عقیق کی گھاٹیوں میں سے کسی گھاٹی میں چھپا دیا اور باقی اونٹ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں پیش کر کے عرض کیا:

"اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تم نے میری بیٹی کو قیدی بنا لیا ہے اور یہ تمام اونٹ میری بیٹی کا فدیہ ہیں۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"وہ دو اونٹ جنہیں تم وادیٔ عقیق کی فلاں گھاٹی میں گم کر آئے ہو وہ اب کہاں ہیں۔؟"

حضرت حارث بن ابی ضرار رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ سنتے ہی کلمۂ شہادت پڑھا اور کہا:

"خدا کی قسم! آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں اور اللہ تعالیٰ ہی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان اونٹوں کے بارے میں مطلع فرمایا ہے۔ حضرت حارث بن ابی ضرار کے ایمان لانے کے وقت ان کے دو بیٹے بھی اسلام میں داخل ہو گئے اور ان کی قوم کے بھی بہت سارے لوگوں نے اسلام قبول کر لیا۔

اس کے بعد حضرت حارث بن ابی ضرار نے کسی کو بھیج کر وہ دونوں اونٹ بھی منگوا لیے جو وادی عقیق کی کسی گھاٹی میں چھپا آئے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اپنی بیٹی کا فدیہ پیش کیا۔ اس وقت حضرت جویریہ بنت حارث بن ابی ضرار رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بھی اسلام قبول کر لیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حارث بن ابی ضرار رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حضرت جویریہ بنت حارث بن ابی ضرار رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا رشتہ مانگا تو انہوں نے اپنی بیٹی کا نکاح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کر دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چار سو درہم حق مہر ادا فرمایا۔

49: واقدی سے محمد بن ابی حمید نے اور ان سے عبداللہ بن عمر بن امیہ نے بیان

کیا کہ ان کے والد عمر بن امیہ کو جنگِ بدر میں شکست کھا جانے والے مشرکین میں سے ایک شخص نے بتایا کہ اس شکست پر انہیں از حد تعجب ہوا۔ وہ شکست کھا کر مکے کی جانب بھاگ رہے تھے اور دل میں کہہ رہے تھے کہ ایسی ہزیمت تو عورتیں ہی اٹھا سکتی ہیں۔

قباث ابن اشیم الکنانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ میں نے جنگِ بدر میں مشرکین کے ساتھ شرکت کی۔ اس کا بیان ہے کہ میں نے دیکھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھی بہت کم ہیں اور ہماری فوج پیادہ اور گھوڑ اسوار بہت زیادہ ہے۔ پھر میں نے شکست کا منظر دیکھا اور بھاگنے والوں کے ساتھ میں بھی بھاگ نکلا۔ میں نے مشرکین میں سے ہر ایک کے چہرے کی طرف دیکھا اور اپنے دل میں کہا:

"ایسی شکست تو میں نے کبھی نہیں دیکھی۔ یوں تو (میدان چھوڑ کر) عورتیں ہی بھاگتی ہیں۔"

میں بھاگتا جا رہا تھا اور ڈر رہا تھا کہ کہیں پکڑا نہ جاؤں۔ اسی لیے میں نے عام راستہ چھوڑ کر غیر معروف راہ لی۔ غیقہ کے مقام پر مجھے اپنی قوم کا ایک شخص ملا اور اس نے مجھ سے حال احوال پوچھا تو میں نے کہا:

"کیا پوچھتے ہو؟ ہمارے لوگ تہہ تیغ ہوئے ہیں، گرفتار کر لیے گئے ہیں اور ہم نے بہت بری طرح شکست کھائی ہے۔"

پھر میں نے اس سے کہا:

"کیا تم مجھے سواری پر بٹھا لو گے۔؟"

اس نے مجھے اپنی سواری پر بٹھا لیا اور زادِ راہ بھی دیا۔ ہم جحفہ پہنچ گئے۔ پھر میں مکے میں داخل ہوا۔ مکے میں داخل ہونے سے قبل میں نے غمیم کے مقام پر حیسمان ابن حابس الخزاعی کو دیکھا۔ مجھے معلوم تھا کہ وہ جلد مکے پہنچ کر قتلِ عام کی اطلاع دے گا۔ چنانچہ میں نے سوچا کہ اچھا ہے یہ بری خبر مجھ سے پہلے لوگ اس کی زبان سے سن لیں۔ میں رک گیا اور مجھ سے پہلے وہ مکے میں داخل ہو گیا۔

اس نے اہلِ مکہ کو ان کے مقتولین کی خبر سنائی۔ وہ رونے پیٹنے لگے اور ساتھ ہی خزاعی کو گالیاں دینے لگے کہ اس نے انہیں خیر کی کوئی خبر سنانے کی بجائے ان کی کمر توڑ

دینے والی خبر سنائی ہے۔

حضرت قباث رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جنگِ خندق کے بعد میرے دل میں کچھ تبدیلی آئی۔ میں نے سوچا کہ مدینہ جاؤں اور دیکھوں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا کہتے ہیں۔ میرے دل میں اسلام کی جانب میلان سا پیدا ہو گیا تھا۔ چنانچہ میں نے مدینہ پہنچ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں پوچھا تو لوگوں نے مجھے بتایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد کی دیوار کے سائے میں بیٹھے ہوئے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی ایک جماعت بھی ہے۔

چنانچہ میں وہاں پہنچ گیا۔ میں صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے درمیان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ پہچان سکا۔ سلام کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”اے اشیم کے بیٹے قباث! تو نے بدر کے دن کہا تھا کہ ایسی شکست تو میں نے کبھی نہیں دیکھی۔ یوں تو عورتیں ہی بھاگتی ہیں۔“

حضرت قباث رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ جب میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک سے یہ کلمات سنے تو کلمۂ شہادت پڑھا اور عرض کیا:

”میں نے یہ بات دل ہی دل میں کہی تھی اور کسی کے سامنے کبھی اس کا اظہار نہیں کیا تھا۔ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے نبی نہ ہوتے تو اس واقعہ کی اطلاع آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہرگز نہ ملتی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اللہ تعالیٰ نے بتایا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا ہاتھ بڑھائیں تاکہ میں بیعت کروں۔“

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے سامنے اسلام کے بنیادی اصول و تعلیمات پیش فرمائیں اور میں نے اسلام قبول کر لیا۔

50: امام بخاری نے زہیر بن حرب سے، انہوں نے یعقوب بن ابراہیم سے، انہوں نے اپنے باپ ابراہیم سے، انہوں نے صالح سے اور انہوں نے ابن شہاب سے سنا۔ ابن شہاب یہ روایت ابوسلمہ بن عبدالرحمن اور ابن المسیب کے حوالے سے بیان کیا کرتے تھے کہ ان دونوں کو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ جس روز حبشہ کے بادشاہ حضرت نجاشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی موت واقع ہوئی اس روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کو اس واقعہ کی غیبی اطلاع دی اور فرمایا:

”اپنے بھائی کے لیے مغفرت طلب کرو۔“

موسیٰ بن عقبہ اپنی والدہ سے اور وہ ام کلثوم بنت ابی سلمہ سے روایت کرتی ہیں کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت امِ سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح کیا تو ان سے فرمایا:

”میں نے ایک ریشمی حلہ اور کئی اوقیہ مسک نجاشی (بادشاہ حبشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے لیے بطورِ ہدیہ بھیجا ہے۔ مگر مجھے یوں معلوم ہوتا ہے کہ نجاشی بادشاہ فوت ہو گئے ہیں اور میرا ہدیہ واپس آ جائے گا۔ یہ ہدیہ واپس آ گیا تو حلہ تیرا ہو گا۔“

جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا اس کے مطابق نجاشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فوت ہو گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہدیہ واپس آ گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ہر بیوی کو ایک ایک اوقیہ مسک عطا فرمایا اور باقی سارا مسک اور حلہ امِ سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو عطا فرمایا۔

51: شہیدہ خاتون یہ ورقہ بنت عبداللہ بن حارث بن عویم انصاریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا لقب ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ہاں اکثر جایا کرتے اور انہیں شہیدہ کے نام سے پکارا کرتے۔ جنگِ بدر کے موقع پر انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا:

”یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے جنگ میں شمولیت کی اجازت دیجئے۔ میں زخمیوں کا علاج کروں گی۔ شاید اللہ تعالیٰ مجھے بھی شہادت کا درجہ عطا فرما دے۔؟“

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

”اللہ تعالیٰ تجھے شہادت عطا فرما دے گا۔ تو اپنے گھر میں آرام سے بیٹھی رہ تو شہیدہ ہے۔“

اس صحابیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خصوصی حکم دیا تھا کہ اپنے اہلِ خانہ اور قرب و جوار کی خواتین کو گھر میں نماز باجماعت پڑھایا کریں اور خود امامت کیا کریں۔ ان کا ایک موذن بھی تھا۔

حضرت شہیدہ خاتون کے ہاں ایک غلام اور ایک لونڈی بھی تھی۔ انہوں نے ان سے کہہ رکھا تھا کہ میری وفات کے بعد تم آزاد ہو۔ چنانچہ ان دونوں نے سازش کر کے

اس صحابیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو قتل کر دیا اور پھر بھاگ گئے۔

یہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا دورِ خلافت تھا۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قاتلوں کو پکڑ کر حاضر کرنے کا حکم دیا۔ وہ گرفتار کر کے لائے گئے اور انہیں سولی پر چڑھایا گیا۔ مدینہ میں یہ پہلی پھانسی تھی۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے امِ ورقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی شہادت پر فرمایا:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ فرمایا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اکثر کہا کرتے تھے کہ آؤ شہیدہ کے ہاں حاضری دے آئیں۔''

52: امام بخاری عبداللہ بن یوسف سے، وہ مالک سے، وہ اسحاق بن عبداللہ بن ابی طلحہ سے اور وہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت امِ حرام بنت ملحان رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ہاں جایا کرتے تھے اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کھانا تیار کر کے پیش کیا کرتی تھیں۔

ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ہاں تشریف لے گئے تو انہوں نے کھانا پیش کیا پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک کے بال دیکھنے لگیں کہ کوئی جوں تو نہیں۔ اسی دوران رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آرام فرمانے لگے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھ کھلی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسکرا رہے تھے۔

حضرت ام حرام بنت ملحان رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا:

''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کیوں مسکرا رہے ہیں۔؟''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''مجھے میری امت کے کچھ جنگجو دکھائے گئے جو جہاد کی خاطر سمندر کی لہروں پر سوار تھے۔ جس طرح بادشاہ اپنے تخت پر بیٹھتے ہیں۔''

حضرت ام حرام رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا:

''یا رسول اللہ! میرے لیے دعا فرمائیے کہ میں ان کے ساتھ جہاد میں حصہ لوں۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے حق میں دعا فرمائی۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی

آنکھ لگ گئی۔ اس مرتبہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسکراتے بیدار ہوئے۔ حضرت ام حرام بنت ملحان رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے پھر پوچھا:

''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کس بات پر مسکرا رہے ہیں۔؟''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر پہلے والی بات یعنی مجاہدین کا سمندری سفر پر روانہ ہونا بیان فرمایا۔ حضرت ام حرام نے پھر درخواست کی کہ ان کے لیے اس جہاد میں شمولیت کی دعا فرمائیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''تو ان مجاہدین کی اگلی صفوں میں ہے۔''

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دورِ حکومت میں ایک لشکر بحری بیڑے میں روانہ ہوا۔ حضرت ام حرام بنت ملحان رضی اللہ تعالیٰ عنہا اس لشکر میں شامل تھیں۔ جب بیڑہ بندرگاہ پر رکا اور فوجیں خشکی پر آئیں تو حضرت ام حرام بنت ملحان رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنی سواری سے گر پڑیں اور ان کی شہادت ہو گئی۔ (انا للہ وانا الیہ راجعون) ان کی قبر جزیرۂ قبرص میں ہے۔

53: امام بخاری نے اسناد بیان کر کے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جنگِ بدر سے کچھ عرصہ قبل عمرہ کرنے کے لیے مکہ مکرمہ گئے۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ امیہ بن خلف کے مہمان تھے۔ امیہ بن خلف بھی شام کے سفر میں مدینہ میں حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مہمان بن کر ٹھہرا کرتا تھا۔ امیہ بن خلف نے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا:

''رات چھا جانے دو۔ جب لوگ گھروں کو چلے جائیں تو حرم میں جا کر طواف کر لینا۔''

حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب رات کو طواف کر رہے تھے تو ابوجہل آ گیا اور اس نے کہا:

''یہ کون طواف کر رہا ہے۔؟''

حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا:

''میں سعد بن معاذ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) ہوں۔''

ابوجہل نے (امیہ بن خلف کی طرف دیکھ کر) غصے سے کہا:

"تم لوگوں نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور اس کے ساتھیوں کو اپنے ہاں پناہ دے رکھی ہے اور (حضرت سعد بن معاذ کی طرف دیکھ کر کہا) تمہاری یہ جرأت کہ یہاں بے خوف طواف کر رہے ہو..؟"

حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"ہاں! ایسا ہی ہے۔"

دونوں کے درمیان تو تو میں میں ہوگئی۔ امیہ بن خلف نے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا:

"ابوالحکم کے سامنے اونچی آواز میں بات نہ کرو۔ یہ اس وادی کا سردار ہے۔"

حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کی کوئی پرواہ نہ کی اور کہا:

"خدا کی قسم! اگر تو نے مجھے طواف سے روک دیا تو میں تیرے تجارتی قافلوں کو شام کی طرف جانے سے روک دوں گا۔"

امیہ بن خلف حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو مسلسل سمجھاتا رہا کہ آواز بلند نہ کریں یہ ابوالحکم ہے جس سے آپ بات کر رہے ہیں، لیکن جب حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آواز نیچی نہ کی تو امیہ بن خلف نے آپ کا ہاتھ پکڑ لیا۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا مزاج گرم ہوگیا، وہ غصے میں آگئے اور امیہ بن خلف سے فرمانے لگے:

"تو جا کر اپنا کام کر۔ مجھے تیری امان کی ضرورت نہیں ہے۔ میں نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے کہ وہ تجھے قتل کر دیں گے۔"

امیہ بن خلف نے کہا:

"کیا وہ مجھے قتل کر دیں گے۔"

حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

"ہاں کریں گے۔"

امیہ نے کہا:

"خدا کی قسم! محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے کبھی جھوٹ تو نہیں بولا۔"

پھر وہ اپنی بیوی کے پاس آیا اور اسے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بات بتائی۔ اس نے بھی سن کر کہا:

"خدا کی قسم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے کبھی جھوٹی بات نہیں کہی۔"

جب بدر کے لیے قریش نے منادی کرائی تو امیہ بن خلف کی بیوی نے اسے یاد دلایا کہ تمہارے یثربی بھائی نے جو کہا تھا وہ تمہیں یاد ہے نا؟"

امیہ بن خلف نے اس بات کو یاد کر کے جنگ پر جانے کا ارادہ ترک کر دیا۔ ابوجہل کو پتہ چلا تو وہ اس کے پاس آیا اور کہا:

"تمہارا مقام و مرتبہ وادی کے سردار کا ہے۔ تم نہ نکلے تو اور کون نکلے گا۔؟ تم ہمارے ساتھ ایک دو دن کی مسافت تک چلو پھر چپکے سے واپس آجانا۔"

امیہ بن خلف نے ابوجہل کی بات مان لی، ساتھ چل پڑا، بدر میں پہنچا اور وہاں ہی اسے (حضرت بلال اور دوسرے صحابہ نے) قتل کیا۔

(نوٹ: امیہ کے قتل ہونے سے پہلے جنگِ بدر کے مقام پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خبر دی کہ آج بلال اور دوسرے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین امیہ بن خلف کو قتل کر دیں گے۔ چنانچہ اسی طرح ہوا جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا۔)

54: ابن اسحاق بیان کرتے ہیں کہ حضرت عوف بن مالک اشجعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک فوج روانہ فرمائی جس کے امیر حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔ یہ ذات السلاسل کی جنگ تھی اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی اس میں شامل تھے۔

سفر کے دوران میرا گزر کچھ لوگوں کے پاس ہوا۔ انہوں نے ایک اونٹ ذبح کر رکھا تھا مگر اس کا گوشت کاٹنے کا ان میں سے کسی کو تجربہ نہ تھا۔ میں اس کام کا ماہر تھا۔ میں نے ان سے کہا:

"یہ خدمت میں سر انجام دے سکتا ہوں بشرطیکہ گوشت کا ایک حصہ مجھے بھی دیدو۔"

وہ مان گئے۔ میں نے گوشت بنا دیا اور اپنا حصہ لے کر اپنے ساتھیوں کے پاس

آ گیا ہم نے گوشت پکایا اور کھایا، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا:

''اے عوف بن مالک (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)! یہ گوشت کہاں سے لائے ہو۔؟''

میں نے انہیں حقیقتِ حال بتائی تو انہوں نے میرے اس کام کو اچھا نہ جانا اور دونوں نے اپنے اپنے حلق میں ہاتھ ڈال کر اس گوشت کی قے کر دی۔

لشکر واپس مدینہ آیا تو میں سب سے پہلے مدینہ پہنچ گیا۔ باقی لوگ ابھی کافی پیچھے تھے۔ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز ادا فرما رہے تھے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہوئے تو میں نے آگے بڑھ کر سلام عرض کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''عوف بن مالک۔؟''

میں نے عرض کیا:

''جی ہاں یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''ذبیحے والے عوف۔؟''

(یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اس ذبیحے کی خبر دی جس کا گوشت میں سفر میں بنا کر آیا تھا) اس سے زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ نہ فرمایا۔

55: قیس بن ابی حازم نے یزید بن ابی شیبہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت یزید بن ابی شیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے تھے کہ میں مدینہ کی ایک تنگ گلی میں سے گزر رہا تھا۔ میرے پاس سے ایک عورت گزری۔ میں نے اس کا دامن پکڑ کر اسے اپنی جانب کھینچا اور اس کے پلو میں چٹکی بھر دی۔ اس بات کا کسی کو علم نہ تھا۔

اگلے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں سے اسلام کی بیعت لینے لگے۔ میں بھی بیعت کے لیے حاضر ہوا۔ جب میں نے اپنا ہاتھ بڑھایا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا اور غیبی خبر دیتے ہوئے فرمایا:

''کیا تو وہی نہیں جس نے کل (ایک اجنبی عورت کو) چٹکی بھری تھی۔؟''

میں نے عرض کیا:

''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری بیعت قبول فرمائیے۔ خدا کی قسم میں آئندہ کبھی ایسی حرکت نہیں کروں گا۔''

یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بیعت کا شرف بخشا۔

56: واقدی نے بیان کیا ہے کہ بنوامیہ بن زید کے خاندان کی ایک عورت عصماء بنت مروان یزید بن زید بن الخطمی کے نکاح میں تھی۔ یہ عورت سخت اسلام دشمن اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بغض رکھنے والی تھی۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف زہریلے شعر کہتی اور دوسرے لوگوں کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف بھڑکاتی۔ اس نے اپنے بعض اشعار میں کہا:

''بنی مالک بدبختی کی نیت کا شکار ہو گئے۔ عوف اور بنی خزرج کی بھی تباہی ہو گئی۔ تم اتنے بےشرم اور ذلیل ہو کہ کہیں سے آنے والے بےحیثیت اجنبیوں کی اطاعت کا دم بھرتے ہو۔ وہ تم میں سے نہیں ہیں۔ مراد اور مذحج سب قبائل ناکارہ و نامرد ہو گئے ہیں۔ سرداروں کے قتل کے بعد تم لوگ ایسے بزدل ہو گئے ہو کہ خوف کی وجہ سے ان کی سانس ابلتی ہوئی ہنڈیا کی طرح آواز نکالتی ہے۔''

ان اشعار میں اس عورت نے اسلام کے ساتھ اپنی دشمنی کی بھرپور ترجمانی کی حضرت عمیر بن عدی بن خرشہ بن امیہ الخطمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نابینا صحابی تھے۔ بڑے جی دار اور جاں نثار۔ وہ اس عورت اور اس کے شعروں پر بہت غصہ تھے۔ بالآخر انہوں نے تہیہ کر لیا کہ اس دشمنِ خدا اور رسول کا کام تمام کر دیں گے۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کرتے ہوئے عرض کیا:

''اے اللہ! میں نذر مانتا ہوں کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میدانِ جنگ سے بخیریت واپس مدینہ آ گئے تو میں اس بدبخت عورت کو قتل کر دوں گا۔''

اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بدر میں تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بدر سے واپسی کے بعد حضرت عمیر بن عدی بن خرشہ بن امیہ الخطمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ آدھی رات کے وقت اس عورت کے گھر گئے۔ وہ گہری نیند سو رہی تھی اور اس کے چھوٹے بڑے کئی بچے اس کے گرد سوئے ہوئے تھے۔ حضرت عمیر بن عدی بن خرشہ بن امیہ الخطمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کے چھوٹے بچوں کو الگ کیا، اس عورت کے سینے

پر تلوار مار کر اسے قتل کر دیا اور خود وہاں سے چل دیئے۔ صبح کی نماز مدینہ جا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امامت میں ادا فرمائی۔

سلام پھیرنے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمیر بن عدی بن خرشہ بن امیہ الخطمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جانب دیکھا اور پوچھا:

''عمیر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)! تم نے بنت مروان کو قتل کر دیا ہے۔؟''

انہوں نے عرض کیا:

''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے ماں باپ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان ہوں۔ میں نے یہ کام کر دیا ہے۔''

حضرت عمیر ڈر گئے کہ اس قتل کی وجہ سے ان کا مواخذہ ہو گا۔ چنانچہ عرض کیا:

''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ پر کوئی تاوان یا پکڑ ہے تو حکم فرمایئے۔؟''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اس معاملے میں کوئی بھی اختلاف نہیں کر سکتا کہ اس عورت کی اسلام دشمنی اس حد کو پہنچ چکی تھی کہ وہ اسی انجام کی مستحق تھی۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حاضرین سے مخاطب ہو کر فرمایا:

''اگر تم کسی ایسے آدمی کو دیکھنا چاہتے ہو جو اللہ اور اس کے رسول کے بارے میں کسی کی کسی معمولی گستاخی کو بھی برداشت نہیں کر سکتا اور بے دیکھے (نابینا ہونے کے باوجود) اللہ اور اس کے رسول کی مدد کے لیے نکل کھڑا ہوتا ہے تو عمیر بن عدی بن خرشہ بن امیہ الخطمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھ لو۔''

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے کہا:

''ذرا اس اندھے (حضرت عمیر بن عدی بن خرشہ بن امیہ الخطمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کو دیکھو جو اللہ کی اطاعت میں اس قدر متشدد ہے۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اسے اندھا نہ کہو یہ بینا ہے۔''

حضرت عمیر بن عدی بن خرشہ بن امیہ الخطمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب واپس گاؤں پہنچے تو اس عورت کو دفن کیا جا رہا تھا جسے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قتل کیا تھا۔ حضرت

عمیر بن عدی رضی اللہ عنہ کو دیکھ کر لوگ ان کی طرف لپکے اور کہا:

''اے عمیر کیا یہ تیری کارستانی ہے۔؟''

حضرت عمیر بن عدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے احقاقِ حق کرتے ہوئے فرمایا:

''ہاں۔! تم میرے خلاف جو سازش کرنا چاہتے ہو کر لو اور بے شک مجھے کوئی مہلت نہ دو۔ خدا کی قسم! جو کچھ وہ کہتی تھی اگر تم سب ویسی ہی باتیں کہنے لگو تو میں اپنی اس تلوار سے تم سب کو موت کے گھاٹ اتار دوں گا یا اپنی جان قربان کر دوں گا۔

بنو خطمہ میں سے بہت سے لوگ اسلام سے متاثر ہو چکے تھے مگر ڈر کی وجہ سے اظہار نہ کرتے تھے۔ اس دن وہ لوگ بھی کھلم کھلا اسلام میں داخل ہو گئے۔

57: ابن اسحاق کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مکہ کو فتح کرنے کا ارادہ فرمایا تو اپنے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو تیاری کا حکم دیا۔ ساتھ ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے گھر والوں کو حکم دیا کہ آپ کا سامان سفر اور متاع جہاد تیار کر دیں۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں حاضر ہوئے تو دیکھا کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سامان تیار کر رہی ہیں۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا:

''بیٹی! کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تیاری کا حکم دیا ہے۔؟''

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا:

''جی ہاں!''

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پھر پوچھا!

''کہاں کا ارادہ ہے۔؟''

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا:

''خدا کی قسم! مجھے یہ علم نہیں ہے کہ کہاں کا ارادہ ہے۔؟''

اس وقت تک کسی کو معلوم نہ تھا کہ کس جانب جانا ہے۔ تیاری کر لینے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو حکم دیا کہ مکہ کی طرف جانا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا:

"کسی پر مکہ جانے کا معاملہ ظاہر نہ کرنا۔"

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا بھی فرمائی کہ مولائے کریم! قریش کے جاسوسوں اور ایجنٹوں کو بے خبر رکھ تا آنکہ میں انہیں ان کے شہر میں جالوں۔

ابن اسحٰق نے محمد بن جعفر سے حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ کی جانب روانگی کے لیے مکمل تیاری فرمائی تو حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قریش کی طرف ایک خط ایک عورت کے ہاتھ سردارانِ مکہ کے نام روانہ کر دیا۔ انہوں نے اس عورت کے ساتھ طے کر لیا تھا کہ وہ اس خدمت کا صلہ اسے عطا کریں گے۔ وہ عورت خط لے کر روانہ ہوگئی۔

اللہ تعالیٰ نے اس واقعہ سے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو باخبر کر دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس عورت کے پیچھے بھیجا اور فرمایا:

"جاؤ اور اس عورت سے خط برآمد کرو۔"

یہ دونوں صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم تیز رفتار سواریوں پر مکہ کی جانب روانہ ہوئے اور راستے میں اس عورت کو پکڑ لیا۔ انہوں نے اس سے خط کے بارے میں پوچھا تو اس نے صاف صاف انکار کر دیا۔ اس کے سارے سامان کی تلاشی لی گئی مگر خط نہ ملا۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

"میں خدا کی قسم کھاتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات جھوٹی نہیں ہو سکتی اور نہ ہی ہم جھوٹ بول رہے ہیں۔ تو اے عورت خط ہمارے حوالے کر دے نہیں تو ہم تیری جامہ تلاشی کریں گے۔"

جب اس عورت نے یہ صورت حال دیکھی تو کہا:

"ذرا ادھر ہٹ جاؤ۔!"

حضرت علی اور حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما جب دوسری طرف ہوئے تو اس عورت نے اپنے سر کے بالوں کی مینڈھیاں کھولیں اور خط نکال کر دے دیا۔ یہ دونوں صحابی خط لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم

نے خط ملنے کے بعد حضرت حاطب بن ابی بلتعہ کو بلوایا اور پوچھا:

"اے حاطب تم نے یہ حرکت کیوں کی۔؟"

حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواباً عرض کیا:

"یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خدا کی قسم! میں اللہ اور اس کے رسول کا سچا وفادار اور مومن ہوں۔ نہ میں نے اپنی وفاداری بدلی ہے اور نہ ہی میرا ایمان متغیر ہوا ہے۔ در اصل بات یہ ہے کہ مکہ میں میرا کوئی خاندان اور قبیلہ نہیں، مگر میرے اہل و عیال مکہ میں ہی ہیں۔ اس لیے میں نے قریش کو ممنون کرنے کے لیے یہ خط بھیجا تا کہ وہ میرے بیوی بچوں کو کوئی نقصان نہ پہنچائیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"حاطب ابن ابی بلتعہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سچ کہتا ہے۔"

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا:

"یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ شخص منافق ہو گیا ہے۔ مجھے اجازت دیں کہ میں اس کی گردن اڑا دوں۔"

یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اے عمر! حاطب بن ابی بلتعہ بدر میں شریک تھا اور تمہیں کیا خبر کہ اللہ تعالیٰ نے بدریوں پر نظر کرم فرمائی اور فرمایا:

"تم جو چاہو کرو میں نے تمہیں بخش دیا ہے۔"

اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے سورۃ الممتحنہ کی یہ آیت نازل فرمائی:

"اے ایمان والو! میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ۔ تم انہیں خبر پہنچاتے ہو دوستی سے حالانکہ وہ منکر ہیں اس حق کے جو تمہارے پاس آیا۔ گھر سے جدا کرتے ہیں رسول کو اور تمہیں اس پر کہ تم اپنے رب اللہ پر ایمان لائے۔ اگر تم نکلے ہو میری راہ میں جہاد کرنے اور میری رضا چاہنے کو تو ان سے دوستی نہ کرو۔ تم انہیں خفیہ پیام محبت کا بھیجتے ہو اور میں خوب جانتا ہوں جو تم چھپاؤ اور جو ظاہر کرو اور تم میں جو ایسا کرے بیشک وہ سیدھی راہ سے بہکا۔"

58: ابن ہشام نے بعض اہل علم سے یہ واقعہ روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم فتح مکہ کے دن خانہ کعبہ میں داخل ہوئے۔اس وقت سیدنا بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اذان پڑھنے کا حکم دیا۔

اس وقت حرم شریف کے صحن میں بہت سے لوگ تھے۔ان میں حضرت ابوسفیان بن حرب، حضرت عتاب بن اسید اور حضرت حارث بن ہشام رضی اللہ تعالیٰ عنہم ایک جگہ اکٹھے بیٹھے ہوئے تھے۔(یہ ان کے اسلام لانے سے پہلے کا واقعہ ہے) اذان کی آواز سن کر حضرت عتاب نے اپنے باپ کے بارے میں کہا:

''اسید کو اللہ تعالیٰ نے اپنے کرم سے نوازا ہے کہ وہ اس آواز کو سننے سے قبل ہی دنیا سے رخصت ہو گیا۔یہ آواز سنتا تو اسے دکھ پہنچتا۔''

یہ سن کر حضرت حارث بن ہشام نے کہا:

''خدا کی قسم! اگر میں جانتا کہ وہ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) حق پر ہے تو اس کی اتباع کرتا۔''

حضرت ابوسفیان نے ان کی باتیں سن کر کہا:

''میں تو کچھ بھی نہیں بولوں گا۔ اگر میں نے زبان کھولی تو یہ کنکریاں بھی محمد کو خبر دیں گی۔''

تھوڑی دیر بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لائے اور فرمایا:

''جو کچھ تم لوگوں نے کہا مجھے اس کا علم ہے۔پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سب کی گفتگو سنا دی۔یہ سنتے ہی حضرت حارث اور حضرت عتاب نے کلمۂ شہادت پڑھا اور خدا کی قسم کھا کر کہا کہ اس بات کی خبر صرف اللہ تعالیٰ ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دے سکتا ہے، کیونکہ ہمارے پاس کوئی چوتھا تھا ہی نہیں کہ ہم سمجھیں کہ اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی ہے۔''

59: ابن اسحاق سے محمد بن جعفر بن زبیر نے عروہ بن زبیر کے حوالے سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے موتہ کی جانب ایک فوج بھیجی اور اس فوج کا حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو امیر مقرر فرمایا اور حکم دیا:

''اگر حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کچھ ہو جائے تو حضرت جعفر ابن ابی

طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کمان سنبھال لیں۔انہیں کچھ ہو جائے تو حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ امیر ہوں گے۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس فوج کو رخصت فرمایا اور الوداع کہنے کے لیے مدینہ سے باہر تک تشریف لائے۔یہ فوج شام کے کسی مقام پر اتری۔وہاں اطلاع ملی کہ قیصرِ روم ہرقل اپنی فوجوں کے ساتھ بلقاء کے علاقے میں مآب کے مقام پر خیمہ زن ہے۔اس کے ایک لاکھ جنگجو تھے۔ہرقل کے ساتھ مقامی سردار اور ان کے قبائل بنولخم، بنوجذام، بنوقین اور بنوبہرا بھی اپنی فوجیں لے کر حاضر تھے۔ان کی تعداد بھی ہرقل کی فوجوں کے برابر تھی (ہرقل اور قبائل وغیرہ کی فوج مل کر دو ڈھائی لاکھ کے قریب تھی) اور مسلمان صرف تین ہزار تھے۔

مسلمانوں نے شام میں دو راتیں قیام کیا اور آپس میں مشورہ کرتے رہے کہ کیا کیا جائے۔لوگوں نے اس رائے کا اظہار کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں خط لکھا جائے اور درخواست کی جائے کہ دشمن کی کثیر فوج کے پیش نظر آپ صلی اللہ علیہ وسلم مزید فوج روانہ فرمائیں۔ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فوج بھیج دی تو فبہا اور اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ اسی فوج کے ساتھ مقابلہ کیا جائے تو پیش قدمی کریں گے۔

حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لوگوں کو جوش دلایا اور فرمایا:

''اے میری قوم کے لوگو! خدا کی قسم! جس چیز کی تمنا لیے تم گھروں سے نکلے تھے یعنی شہادت فی سبیل اللہ وہ سامنے ہے اور تم اس سے منہ موڑ رہے ہو۔؟ ہم کبھی دشمن سے اپنی تعداد و ساز و سامان کے بل بوتے پر نبرد آزما ہوئے ہیں۔؟ ارے نہیں بلکہ ہم نے تو دشمن کا مقابلہ ہمیشہ اس دین اور ایمان کی قوت سے کیا ہے، جس کی برکات سے اللہ تعالیٰ نے ہمیں سرفراز فرمایا ہے۔چلو پیش قدمی کریں۔ ہمارے لیے دو بھلائیوں میں سے ایک بھلائی مقدر ہے یا فتح اور یا شہادت۔''

حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ولولہ انگیز تقریر نے لوگوں کے حوصلے بلند کر دیئے اور وہ پکار اٹھے:

''خدا کی قسم عبداللہ بن رواحہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے سچ کہا۔''

ابن اسحاق مزید لکھتے ہیں کہ مسلمان فوج چل پڑی۔ بلقاء کے مقام پر جا کر دشمن کی فوج ان کے سامنے آ گئی۔ یہ ٹڈی دل رومی اور عربی فوجوں پر مشتمل تھی۔ بلقاء کی بستیوں میں سے ایک بستی مشارف کے قریب دشمن تھا اور موتہ کی بستی کے پاس مسلمان۔ موتہ کے مقام پر یہ جنگ لڑی گئی۔

حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دشمن کا مقابلہ بڑی دلیری اور بہادری سے کیا۔ ان کے ہاتھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دیا ہوا علم (جھنڈا) تھا۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس علم کو سر بلند رکھا۔ بہادری سے لڑے اور زخموں سے چور چور لہولہان ہو کر شہید ہو گئے۔ اب حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جھنڈا اٹھایا۔ وہ گھوڑے پر سوار تھے۔ دشمن کا دباؤ بڑھتا جا رہا تھا مگر حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بہادری کے ساتھ ڈٹے رہے اور اپنی فوج کے حوصلے بلند کرتے رہے۔

جنگ کے شعلے بھڑک رہے تھے اور دونوں جانب سے لوگ کٹ کٹ کر گر رہے تھے۔

حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے شقرا نامی گھوڑے سے اترے اور اس کی کونچیں کاٹ ڈالیں تا کہ دشمن اسے حاصل کر کے استعمال نہ کر سکے۔ پھر دشمن کے مقابلے پر شجاعت کے ساتھ لڑتے رہے۔ دونوں ہاتھ کٹ گئے اور پھر خود شہید ہو گئے۔

حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے بعد حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جھنڈا پکڑا اور فوج کی قیادت سنبھالی۔ وہ گھوڑے پر سوار تھے اور دشمن کا دباؤ اس وقت حد سے بڑھ چکا تھا۔ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دل میں تھوڑی دیر کے لیے ضعف اور تردد پیدا ہوا مگر فوراً سنبھل گئے اور فی البدیہہ یہ شعر ارشاد فرمائے:

”اے دل! میں نے قسم کھائی ہے کہ تجھے اس میدان میں لازماً اتاروں گا۔ تو بخوشی آگے بڑھے تو کیا کہنے، وگرنہ مجبوراً بھی یہ کام تو کرنا ہی پڑے گا۔ لوگ جوق در جوق آگے بڑھ رہے ہیں اور چیخ و پکار کی صدائیں بلند ہیں۔ یہ کیا بات ہے کہ میں تجھے جنت کی طرف دیوانہ وار بڑھنے کی بجائے ہچکچاہٹ میں مبتلا دیکھ رہا ہوں۔؟

کافی طویل زمانہ تو نے آرام و اطمینان سے گزارا۔ تیری حقیقت سوائے اس کے کیا ہے کہ تو ایک تھیلی (ماں کے رحم) میں پانی کا ایک ناپاک قطرہ تھا۔ اے نفس! موت سے کیا ڈرنا؟ اگر یہاں گلا نہ کٹوایا تو ویسے موت آجائے گی۔ موت کا حمام تو گرم ہو چکا ہے۔ جس چیز (شہادت) کی تجھے آرزو تھی وہ حاضر ہے، اگر تو نے وہی کام کیا جو وہ دونوں (حضرت زید بن حارثہ اور حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہما) کر چکے ہیں تو تجھے ہدایت اور کامیابی کا راستہ مل گیا۔“

یہ شعر پڑھنے کے بعد حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے گھوڑے سے اترے اور دشمن سے مقابلہ کرنے کے لیے اس کی فوج میں گھس گئے۔ اسی لمحے آپ کے چچازاد بھائی ایک گوشت کا ٹکڑا لے کر آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس حاضر ہوئے اور عرض کیا:

”یہ گوشت کا ٹکڑا تناول فرما کر اپنے جسم کو طاقت بخشیے۔ یقیناً آپ کئی دنوں سے (بھوک اور جنگ کی دیگر) سختیاں جھیل رہے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے چچازاد بھائی سے وہ گوشت کا ٹکڑا لیا اور ابھی ایک ہی لقمہ کھایا تھا کہ خوفناک شور سنا۔ تلواروں سے تلواریں ٹکرائیں اور چیخیں بلند ہوئیں۔ فوراً آپ نے خود سے کہا:

”صورت حال یہ ہے اور تو ابھی تک دنیا ہی سے دل لگائے بیٹھا ہے۔؟“

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے گوشت پھینک دیا اور تلوار لے کر دشمن پر جھپٹے۔ دشمن کی صفوں کو چیرتے ہوئے آگے بڑھے اور دادِ شجاعت دیتے ہوئے کئی زخم کھا کر شہید ہو گئے۔

حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے بعد حضرت ثابت بن اقرم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جھنڈا تھاما اور بلند آواز سے فرمایا:

”مسلمانو! اپنے میں سے بہترین آدمی کو یہ جھنڈا دے دو۔“

لوگوں نے کہا:

”آپ ہی سنبھالو۔؟“

انہوں نے کہا:

"میں اس قابل نہیں ہوں۔"

لوگوں نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جھنڈا سنبھالنے کی درخواست کی۔ انہوں نے جھنڈا پکڑا اور دشمنوں کو پیچھے دھکیل دیا۔ دونوں فوجوں کے درمیان فاصلہ ہو گیا کیونکہ بڑھتی ہوئی رومی فوج کو روک کر حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کافی پیچھے دبا دیا تھا، پھر حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ شام کو اپنی فوج لے کر پیچھے پلٹے۔

ابن اسحاق کہتے ہیں مجھے اہلِ علم نے خبر دی کہ جنگ کے شعلے بھڑکنے کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں خطبہ ارشاد فرما رہے تھے۔ آپ نے فرمایا:

"زید بن حارثہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے علم پکڑا اور بہادری سے لڑتے ہوئے شہید ہو گئے، پھر جعفر بن ابی طالب (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے کمان سنبھالی اور زید بن حارثہ کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے وہ بھی شہید ہو گئے۔"

اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھوڑی دیر کے لیے خاموش ہو گئے۔ اس موقع پر انصار کے چہرے سرخ ہو گئے اور انہوں نے سوچا کہ کہیں حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کوئی کمزوری سرزد نہ ہو گئی ہو۔؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سکوت کے بعد پھر گویا ہوئے اور فرمایا:

"پھر جھنڈا عبداللہ بن رواحہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے ہاتھ میں آیا۔ وہ بھی لڑتے ہوئے شہید ہو گئے۔ مجھے دکھا دیا گیا ہے کہ وہ جنت میں پہنچائے گئے ہیں۔ فرشتوں نے انہیں سنہری پلنگوں پر اٹھا کر جنت میں داخل کیا۔ میں نے دیکھا کہ عبداللہ بن رواحہ کا پلنگ ذرا سا جھول رہا تھا جب کہ اس کے دونوں ساتھیوں (حضرت زید بن حارثہ اور حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے پلنگ بالکل ٹھیک تھے۔ میں نے پوچھا کہ اس پلنگ میں جھول کیوں ہے۔؟ تو مجھے بتایا گیا کہ پہلے دو جرنیل بے دھڑک جنگ میں کود پڑے تھے جب کہ عبداللہ بن رواحہ نے تھوڑا سا توقف کیا تھا مگر وہ بھی آگے بڑھے اور سرخرو ہو گئے۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میدانِ جنگ سے خبر آنے سے قبل ہی ان شہداء کی شہادت کی خبر سنا دی تھی۔

60: ابن اسحاق نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سفرِ تبوک کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سفر پر روانہ ہو گئے تو حضرت ابوخیثمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے باغ سے واپس گھر لوٹے۔ دوپہر کا وقت تھا اور شدید گرم ہوا چل رہی تھی۔ حضرت ابوخیثمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دو بیویاں تھیں۔ دونوں نے اپنے کمرے سجائے ہوئے تھے اور کمرے اندر سے خوب صاف ستھرے کیے تھے۔ لذیذ کھانا پکا ہوا تھا اور ٹھنڈے پانی کے گھڑے بھرے پڑے تھے۔

حضرت ابوخیثمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پتہ چلا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھی صبح تبوک کی طرف جائیں گے تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے کمروں کے دروازں پر پہنچ کر دیکھا کہ ان کی بیویاں ان کی منتظر ہیں۔ کمروں کے آرام اور باہر کی شدید گرم ہوا کے بارے میں حضرت ابوخیثمہ نے اپنے آپ سے کہا:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چلچلاتی دھوپ اور تپتے ریگستانوں میں گرم ہواؤں کے تھپیڑوں کا مقابلہ کریں اور ابوخیثمہ ٹھنڈے سائے میں لذیذ کھانوں کے مزے لوٹے اور حسین عورتوں کی رفاقت کا لطف اٹھانے کے لیے دوپہر یہاں گزار دے؟ مجاہدین جا چکے اور ابوخیثمہ اپنے مال کی محبت میں گرفتار ہے؟ یہ اسلام کے خلاف اور ایمان کے تقاضوں کے منافی ہے۔"

پھر فرمایا:

"خدا کی قسم! میں تم دونوں (بیویوں) کے گھروں میں سے کسی کے گھر میں ہرگز ہرگز داخل نہیں ہوں گا۔ میں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاؤں گا۔ میرا سامان فوراً تیار کر دو۔"

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیویوں نے سفر کا سامان تیار کر دیا تو حضرت ابوخیثمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے باغ میں پہنچے۔ اونٹنی پر کجاوہ کسا اور عین دوپہر کے وقت نکل کھڑے ہوئے۔

ادھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس روز تبوک کے میدان میں اترے اسی روز حضرت ابوخیثمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی وہاں جا پہنچے۔

راستے میں حضرت ابوخیثمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حضرت عمیر بن وہب الجمحی رضی اللہ

تعالیٰ عنہ کی ملاقات ہوئی۔ وہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملنے کے لیے نکلے تھے۔ یہ دونوں ساتھ ساتھ چلتے رہے۔ تبوک سے قریب پہنچے تو حضرت ابوخیثمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عمیر بن وہب الجمحی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا!

''اے عمیر! میرے بھائی! میں تو گناہ گار ہوں کہ بلا عذر پیچھے رہ گیا، تیرا کوئی قصور نہیں ہے تو ذرا رک جا مجھے تنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جانے کا موقع دے دے۔''

چنانچہ حضرت عمیر بن وہب الجمحی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پیچھے رک گئے۔ حضرت ابوخیثمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تبوک میں پہنچنے سے قبل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم وہاں مقیم تھے۔ جب حضرت ابوخیثمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قریب پہنچے تو لوگوں نے کہا:

''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کوئی سوار اس جانب آرہا تھا۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''کن اباخیثمہ''

''وہ ابوخیثمہ ہوگا۔''

جب حضرت ابوخیثمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپہنچے تو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا:

''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ واقعی ابوخیثمہ ہی ہیں۔''

ابوخیثمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی اونٹنی باندھی اور اتر کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام، کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیتے ہوئے فرمایا:

''اے ابوخیثمہ! تو ہلاکت کے کنارے پہنچ چکا تھا۔''

حضرت ابوخیثمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی پوری کہانی سنائی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے حق میں برکت اور خیر کی دعا مانگی۔ حضرت ابوخیثمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا سن کر خوشی سے یہ شعر کہے:

''ولمارأیت الناس فی الدین نافقوا

اتیت الذی کان اعف واکرما
وبایعت بالیمنیٰ یدی لمحمد
فلم اکتسب اثماولم اغش محرما
ترکت خضیبافی العریش وصرمة
صفایا کراما بسرها قد تحمما
وکنت اذاشك المنافق اسمحت
الی الدین نفسی شطره حیث یمما''

''جب میں نے دیکھا کہ لوگوں نے دین میں منافقت کی روش اپنالی ہے تو میں نے وہ طرزِ عمل اختیار کیا جو خلوص پر مبنی ہے۔ وہ طرزِ عمل یہ کہ میں اس شخصیت کے پاس آگیا جو بہت معاف کرنے والی اور از حد فیض دینے والی ہے۔ میں نے اپنے دائیں ہاتھ سے محمد کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی اور اس بیعت کے بعد نہ کبھی کوئی گناہ کیا اور نہ چھپ چھپا کر حرام راستے پر چلا۔ میں نے اپنے گھر میں خوب صورت اور بی ستوری (دودو) عورتوں کو چھوڑا اور بہت ہی دودھ دینے والی اونٹنیوں کے گلّے چھوڑ کر چل دیا۔ انگوروں کی بیلوں سے ہاتھ اٹھالیا جبکہ ان کے گچھے پک کر سرخ ہوگئے تھے اور میں کھجوروں کے پکے ہوئے باغات کو بھی خیر باد کہہ کر چلا آیا۔ جب منافقین دینِ حق کے بارے میں شکوک وشبہات کا شکار ہوگئے تو میں نے دین کو مضبوطی سے پکڑ لیا۔ میرا مطمعِ نظر ہی دین تھا، وہ جہاں بھی مجھے ملا میں نے اسے سینے سے لگالیا۔

61: ابن اسحاق نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سفرِ تبوک کے واقعات لکھتے ہوئے بیان کیا ہے کہ تبوک کی جانب جاتے ہوئے راستے میں کسی جگہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی گم ہوگئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اونٹنی کی تلاش میں نکلے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک مخلص صحابی حضرت عمارہ بن حزم رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔ وہ بیعتِ عقبہ اور بدر میں شمولیت کے شرف سے سرفراز ہوئے تھے۔ ان کے گروپ میں زید بن لصیت قینقاعی بھی تھا جو منافق تھا۔ حضرت عمارہ بن حزم رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھے اور زید بن لصیت

قینقاعی منافق ان کی قیام گاہ میں تھا۔اس نے قیام گاہ میں لوگوں سے کہا:

''کیا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا دعویٰ نہیں ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا نبی ہے اور تمہیں آسمان کی خبریں سناتا ہے؟ حالانکہ اسے تو یہ بھی پتہ نہیں کہ اس کی اونٹنی کہاں ہے۔؟''

اس وقت حضرت عمارہ بن حزم رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا:

''ایک شخص نے یہ اور یہ باتیں کی ہیں اور میں کہتا ہوں کہ خدا کی قسم! مجھے وہی کچھ معلوم ہوتا ہے جو اللہ مجھے بتا دے۔ابھی ابھی میرے خدا نے مجھے میری اونٹنی کی خبر دی ہے۔وہ اس وادی کی فلاں گھاٹی میں ہے اور ایک درخت کے ساتھ اس کی نکیل اڑگئی ہے اور وہ وہیں کھڑی ہے۔جاؤ اور اسے وہاں سے پکڑ لاؤ۔''

صحابہ رضی اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اس گھاٹی کے قریب گئے تو اس اونٹنی کو وہیں پایا۔چنانچہ وہ اسے لے کر آگئے۔حضرت عمارہ بن حزم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی قیام گاہ پر پہنچے تو لوگوں سے فرمایا:

''خدا کی قسم! ابھی ابھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے ایک بات کی ہے جو بڑی عجیب ہے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں بتایا کہ ایک شخص نے یہ اور یہ بات کی ہے۔''

قیام گاہ میں موجود لوگوں نے بتایا کہ یہ بات تو تھوڑی دیر پہلے زید بن لصیت نے کہی تھی۔''

حضرت عمارہ بن حزم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ سن کر سخت غصہ آیا۔آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسی وقت زید بن لصیت کو گردن سے پکڑا اور لوگوں کو پکارا:

''اللہ کے بندو! میرے خیمے میں ایک ہوشیار، چالاک (اور وہی منافق) آدمی تھا (جسکی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی تھی) اور مجھے اس کی خبر ہی نہ تھی۔''

پھر اسے مخاطب کر کے فرمایا:

''اے دشمن خدا! میرے خیمے سے نکل جا اور میرے ساتھ کبھی نہ چلنا، نہ میرے قریب بھٹکنا۔''

62: ابن اسحاق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تبوک کی جانب روانگی کا ذکر کرتے

ہوئے لکھتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تبوک کی جانب روانہ ہو گئے اور بہت سے لوگ پیچھے رہ گئے۔صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض گزار ہوئے:

''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فلاں اور فلاں پیچھے رہ گئے ہیں۔''

یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''چھوڑیئے! اگر ان میں سے خیر اور بھلائی ہے تو عنقریب اللہ انہیں آپ لوگوں سے ملا دے گا اور اگر معاملہ اس کے برعکس ہے تو تمہیں کیا غم؟ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو جس نے ان لوگوں کے شر سے تمہیں پناہ دی۔''

اسی دوران میں کسی نے عرض کیا:

''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ابوذر غفاری بھی پیچھے رہ گئے ہیں۔دراصل ان کا اونٹ بیٹھ گیا تھا اور کوشش کے باوجود اٹھنے کا نام نہیں لیتا تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''ابوذر میں خیر و بھلائی ہو گی تو جلدی آجائے گا، ورنہ اس کی فکر نہ کرو۔''

ادھر حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا حال یہ تھا کہ جب اونٹ نہ اٹھا سکے تو انہوں نے اونٹ وہیں چھوڑا، اپنا ہلکا پھلکا سامان اٹھایا اور پیدل ہی چل پڑے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش پا پر چلتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملنے کے لیے بے قرار تھے۔نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں نے ایک جگہ قیام فرمایا۔مسلمانوں میں سے کسی نے صحرا میں ایک شخص کو آتے ہوئے دیکھا تو عرض کیا:

''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کوئی شخص تنہا اور پیدل ہی چل کر آ رہا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''کن اباذر''

''وہ ابوذر ہے۔''

لوگوں نے دیکھا تو دور ہی سے پہچان لیا اور عرض گزار ہوئے:

''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی قسم! وہ تو ابوذر غفاری ہی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ ابوذر غفاری پر رحم فرمائے۔ وہ تنہا چل پڑتا ہے، تنہا ہی فوت ہو جائے گا اور تنہا ہی قیامت میں اٹھایا جائے گا۔''

ابن اسحاق فرماتے ہیں بریدہ بن سفیان اسلمی نے مجھ سے محمد بن کعب القرظی کے حوالے سے بیان کیا اور وہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مدینہ منورہ سے ربذہ کی جانب چلے جانے کا حکم دیا تو انہوں نے تعمیل کی اور ربذہ کے گاؤں میں سکونت اختیار فرمائی۔ اسی گاؤں میں ان کا آخری وقت آپہنچا۔ گاؤں کے سبھی لوگ حج کے لیے جا چکے تھے۔ وہاں حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیوی اور غلام کے سوا کوئی نہ تھا۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مرگ سے پہلے انہیں وصیت کرتے ہوئے فرمایا:

''موت کے بعد مجھے غسل دے کر اور کفن پہنا کر راستے میں رکھ دینا۔ ایک قافلہ آئے گا ان سے کہنا یہ ابوذر غفاری صحابیِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا جنازہ ہے۔ تم لوگ نمازِ جنازہ اور تدفین میں ہماری مدد کرو۔''

جب حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ وفات پا گئے تو ان کی اہلیہ اور غلام نے ان کی وصیت کے مطابق عمل کیا۔ اسی وقت ایک قافلہ نظر آیا۔ اس قافلے کے سالار صحابیِ رسول حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔ وہ عراق سے عمرہ کرنے کے لیے مکہ مکرمہ جا رہے تھے۔ جب جنازے کے قریب پہنچے تو غلام نے کھڑے ہو کر عرض کیا:

''یہ صحابیِ رسول ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جنازہ ہے، آپ لوگ ہماری مدد کریں کہ نمازِ جنازہ پڑھا دیں اور میت کو دفن کر دیں۔''

یہ سنتے ہی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ رونے لگے۔ وہ اپنے اونٹ سے اترے اور مدہم سی آواز میں فرمایا:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ فرمایا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ تبوک کے موقعہ پر فرمایا: ''اے ابوذر! آپ تنہا ہی چل دیتے تھے، تنہا ہی دنیا سے رخصت

ہوں گے اور تنہا ہی قیامت کے دن اٹھائے جائیں گے۔''

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے ساتھیوں نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نمازِ جنازہ پڑھی۔ امامت حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمائی اور انہیں دفن کر دیا گیا۔ تدفین کے بعد حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سفرِ تبوک کا واقعہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی بھی لوگوں کو سنایا۔ اس وقت ہر ایک کی آنکھ سے آنسو جاری ہو گئے۔

63: ابن اسحاق بیان کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تبوک سے مدینہ منورہ رمضان المبارک کے مہینے میں پہنچے۔ اسی ماہ میں بنوثقیف کا وفد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا۔ وہ تبوک میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مل کر چلے گئے مگر ان میں سے ایک خوش قسمت انسان عروہ بن مسعود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ روانگی کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نقشِ قدم پر چلتا ہوا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاش میں نکلا۔ وہ قدوم مدینہ سے قبل ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے آملا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات ہوئی تو یہ ثقفی سردار مسلمان ہو گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا:

''ہمیں بنوثقیف میں جا کر تبلیغ کرنے کی اجازت دے دیں۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بنوثقیف کی درشتی اور نخوت جاہلیہ کا علم تھا، اسی لیے فرمایا:

''ارادہ تو نیک ہے مگر تمہارے قبیلے کے لوگ تمہیں مار ڈالیں گے۔''

حضرت عروہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا:

''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں تو اپنی قوم کے درمیان ازحد محبوب ہوں۔ وہ مجھ سے اپنی اولاد سے بھی زیادہ محبت کرتے ہیں۔''

ابن اسحاق مزید بیان کرتے ہیں کہ عروہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی قوم کے درمیان بڑی عزت واحترام کی نظر سے دیکھے جاتے تھے۔ ان کا حکم سنا اور مانا جاتا تھا۔ وہ اپنی قوم کے پاس آئے اور اس امید پر کہ قوم میں ان کی عزت بھی ہے اور رعب بھی، اس لیے کوئی بھی ان کی حکم عدولی نہ کر سکے گا، سب کو اسلام کی دعوت عام دے دی۔

قوم نے اس دعوت کو ٹھکرا دیا۔ عروہ بن مسعود رضی اللہ عنہ مسلسل یہ دعوت دیتے رہے۔ ایک بلند پہاڑی پر کھڑے ہو کر انہوں نے اپنے اسلام قبول کرنے کا اظہار کیا اور عام لوگوں کو شرک اور کفر چھوڑ کر اسلام میں داخل ہونے کی دعوت دی تو بنو ثقیف ہر جانب سے ان پر تیر برسانے لگے۔ وہ شدید زخمی ہو گئے۔ شدید زخمی ہونے کے بعد ان سے پوچھا گیا:

''آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے خون کے بارے میں کیا کہتے ہیں۔؟''

ان کے خاندان نے قاتل اور اس کے قبیلے سے انتقام لینے کا اعلان کر دیا تھا۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

''میرے بدلے میں کسی کو مت قتل کرنا یہ تو ایک اعزاز ہے جو اللہ تعالیٰ نے مجھے عطا فرمایا ہے اور اس نے مجھے شہادت کے عظیم مرتبے پر اپنی خصوصی رحمت سے سرفراز کیا ہے۔ میری ایک ہی خواہش ہے کہ مجھے ان شہداء صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے پاس دفن کیا جائے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوہ بنو ثقیف میں شامل ہوئے اور یہاں شہید ہوئے تھے۔''

ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ شہادت سے قبل انہوں نے کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے سچے رسول ہیں۔ انہوں نے مجھے پہلے ہی اس شہادت کی خبر دے رکھی تھی۔

64: ابن اسحاق بیان کرتے ہیں کہ حضرت عدی بن حاتم طائی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق مجھ تک جو روایات پہنچی ہیں ان سے پتہ چلتا ہے کہ (اسلام لانے سے پہلے) عدی بن حاتم طائی رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حد درجہ نفرت کرتے تھے۔

ان کا بیان ہے میں نے دینِ عیسائیت اختیار کر رکھا تھا اور میں اپنے قبیلے کا سردار تھا۔ میرا مقام بادشاہوں اور حکمرانوں جیسا تھا۔ بنو طے سے مال غنیمت کا چوتھا حصہ مجھے ملا کرتا تھا اور اسی پر میری گزر بسر تھی۔ میں اپنے مذہب کو سچا مذہب گردانتا تھا اور اپنی حکمرانی پر بہت نازاں تھا۔ مجھے کسی قسم کا غم اور فکر نہ تھا۔

وقت گزرتا گیا یہاں تک کہ کسی نے مجھے محمد بن عبداللہ کے بارے میں بتایا۔ ان کا نام

سنتے ہی مجھے ان سے شدید نفرت ہو گئی۔ جب مدینہ سے ان کی فوجیں گرد و نواح کے علاقوں میں نکلنے لگیں تو مجھے بھی فکر دامن گیر ہوئی۔ میں نے اپنے ایک عربی غلام سے کہا:

''تیرا بھلا ہو۔ میرے لیے موٹے تازے تیز رفتار اونٹوں کا ایک گلہ تیار رکھنا اور جونہی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے لشکروں کی خبر پہنچے مجھے فوراً اطلاع کر دینا۔''

میرا یہ غلام میرے اونٹوں کی رکھوالی کیا کرتا تھا۔ چنانچہ میرے حکم کے مطابق اس نے اونٹ تیار کر لیے۔ ایک دن صبح صبح وہ بھاگتا ہوا میرے پاس پہنچا اور کہنے لگا:

''محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے لشکروں کی آمد پر تم کچھ کرنا چاہتے تھے؟ سو وہ آ گئے ہیں۔ میں نے دور سے کچھ جھنڈے دیکھے اور جب پوچھا تو کسی نے بتایا کہ یہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی فوجیں ہیں۔ اب جو کرنا ہے کر لیں۔''

حضرت عدی بن حاتم طائی رضی اللہ تعالیٰ عنہ مزید بیان کرتے ہیں کہ میں نے غلام سے کہا:

''میرے اونٹ جلدی لے آؤ۔''

جب وہ اونٹ آ گئے تو میں نے ضروری سامان لیا، اہل و عیال کو اونٹوں پر بٹھایا اور شام کی جانب چل دیا۔ میں نے سوچا تھا کہ شام میں میرے ہم مذہب عیسائیوں کی حکومت ہے۔ میں ان سے جا ملوں گا۔ اسی بھاگ دوڑ میں میری بہن سفانہ بنت حاتم پیچھے رہ گئی۔ روانگی کے وقت وہ کسی ضروری کام سے باہر گئی ہوئی تھی۔ چنانچہ میں اپنی جوان اور خوبصورت بہن کو چھوڑ کر شام چلا گیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فوج نے بنو طے کو شکست دی اور ان کے مال مویشی پکڑ لیے۔ بہت سی عورتوں اور بچوں کو قیدی بنا لیا۔ اکثر آدمی میدانِ جنگ چھوڑ کر بھاگ نکلے۔

قیدیوں کو مدینہ لایا گیا۔ ان قیدیوں کو مسجد کے قریب ایک احاطے میں رکھا گیا۔ میری بہن بھی انہی قیدیوں میں سے تھی۔

میری بہن بڑی جرأت مند اور فصیح زبان عورت تھی۔ ایک دن جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قیدیوں کے قریب سے گزرے تو میری بہن کھڑی ہو گئی اور اس نے عرض کیا:

"یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہلک الوادو غاب الوافد فامنن علی من اللہ علیک"

"اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم میرا والد فوت ہو گیا ہے اور میرا سرپرست بچھڑ گیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم (مجھے آزاد کر کے) مجھ پر احسان فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر احسان فرمائے گا۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا:

"تیرا سرپرست کون ہے۔؟"

میری بہن سفانہ نے جواب دیا:

"عدی بن حاتم طائی۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا:

"کیا وہی جو اللہ ورسول سے دور بھاگتا ہے۔؟"

یہ فرما کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم چلے گئے۔ دوسرے روز پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قیدیوں کے پاس سے گزرے پھر میری بہن نے ان سے وہی بات عرض کی جو پہلے دن کہی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی وہی جواب دیا جو پہلے دن دیا تھا۔

حضرت عدی بن حاتم طائی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بہن کہتی ہیں کہ جب تیسرا دن ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پھر قیدیوں کے پاس آئے تو میں مایوس ہو چکی تھی۔ مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے پیچھے ایک شخص چلا آرہا تھا۔ اس نے مجھے اشارے سے سمجھایا کہ میں اپنا معاملہ پیش کروں۔ چنانچہ میں نے ہمت کر کے پھر درخواست دہرائی۔ میری درخواست سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"میں نے تم پر احسان کیا اور تمہیں آزادی دے دی۔ مگر جلدی نہ کرنا۔ یہاں انتظار کرو یہاں تک کہ تمہاری قوم کا کوئی معتمد آدمی یا قافلہ ادھر سے گزرے پھر ان کے ساتھ چلے جا ۔ نے سے پہلے مجھے اطلاع دے دینا۔"

اس کے بعد میں نے اس آدمی کے بارے میں پوچھا جس نے مجھے نیک مشورہ دیا تھا۔ لوگوں نے بتایا کہ وہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی بھی ہیں اور صحابی بھی۔

میں آنے جانے والے قافلوں کے بارے میں پوچھتی رہی۔ حتیٰ کہ قبیلہ بلی یا قضاعہ

کا ایک قافلہ آیا، وہ شام جا رہے تھے اور ان سے ہماری جان پہچان بھی تھی۔ میں بھی اپنے بھائی کے پاس شام جانا چاہتی تھی۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے کپڑے عطا فرمائے، سواری دی اور راستے کا خرچ دے کر عزت وتکریم سے رخصت فرمایا۔ میں اس قافلے کے ساتھ شام کی طرف چل پڑی۔

حضرت عدی بن حاتم طائی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ خدا کی قسم! میں اپنے اہل و عیال کے ساتھ شام میں مقیم تھا مگر سخت پریشان بھی تھا۔ دھیان اپنی بہن کی طرف رہتا تھا۔ سوچتا رہتا تھا کہ پتہ نہیں اس پر کیا بیت رہی ہے۔؟

ایک روز میں اپنے گھر والوں کے ساتھ بیٹھا تھا کہ ایک قافلہ نمودار ہوا۔ ایک اونٹ پر محمل میں کوئی پردہ نشین سوار تھی۔ وہ قافلہ ہماری جانب بڑھتا گیا۔ یہاں تک کہ میں نے دل میں کہا کہ یہ حاتم کی بیٹی اور میری بہن چلی آرہی ہے۔ جب وہ ہمارے قریب پہنچی تو واقعی وہ میری بہن ہی تھی۔

میرے پاس پہنچنے کے بعد اس نے ان الفاظ کے ساتھ مجھے برا بھلا کہنا شروع کر دیا۔

"قطع رحمی کرنے والے! ظالم! تو نے اپنے بیوی بچوں کو اپنے ساتھ سوار کیا اور فرار ہو گیا اور اپنی بیچاری بہن اور اس کی عزت کو وہاں چھوڑ آیا۔؟"

میں خود بہت شرمندہ تھا۔ میں نے کہا:

"میری پیاری بہن! تو جو کچھ کہہ رہی ہے سب سچ ہے۔ میں کوئی عذر پیش نہیں کرتا۔ اب مجھے معاف کر دو اور کوئی بد دعا نہ دو۔"

پھر وہ سواری سے اتری اور میرے پاس میرے گھر میں رہنے لگی۔ وہ بڑی عقلمند تھی۔ میں نے اس سے پوچھا:

"اے میری پیاری بہن! تم نے اس شخص (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کو کیسا پایا؟ اور اس کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے۔؟"

اس نے جواب دیا:

"میری رائے یہ ہے کہ تم فوراً ان کی خدمت میں حاضر ہو جاؤ۔ اگر وہ شخص اللہ کا نبی ہے تو اس کی جانب جلدی جانا باعث فضیلت ہے اور اگر وہ بادشاہ ہے تو وہ لوگوں کی

قدر کرنا جانتا ہے۔ اس کے ہاں عزت والوں کو ذلیل نہیں کیا جاتا اور تمہارا مقام و مرتبہ تو ظاہر ہے۔ (یعنی اگر تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چلے گئے تو وہ تمہیں ذلیل ورسوا نہیں کریں گے)''

میں نے اپنی بہن کی بات کو تسلیم کر لیا اور پسندیدگی کا اظہار بھی کیا۔ اس کے بعد میں شام سے مدینہ کی جانب چلا۔ مدینہ پہنچا تو خبر ملی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف فرما ہیں۔ میں نے سلام کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا:

''کون ہے۔؟''

میں نے عرض کیا:

''عدی بن حاتم طائی۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا پرجوش استقبال فرمایا اور مجھے اپنے گھر میں لے گئے۔ گھر جاتے ہوئے راستے میں ایک بدحال کمزور بڑھیا نے انہیں روک لیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم دیر تک اس کی باتیں سنتے رہے اور وہ اپنی مشکلات اور ضروریات بتاتی رہی۔

یہ ماجرا دیکھ کر میں نے اپنے دل میں کہا:

''خدا کی قسم! یہ بادشاہ تو نہیں ہیں۔''

جب بڑھیا اپنی بات کو مکمل کر چکی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے اپنے گھر لے گئے۔ چھوٹے سے گھر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک گدا میری طرف بڑھایا۔ وہ کھجور کے پتوں سے بھرا ہوا چمڑے کا گدا تھا اور مجھ سے فرمایا:

''اس پر بیٹھ جاؤ۔''

میں نے عرض کیا:

''نہیں آپ اس پر تشریف رکھیں۔''

مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا:

''نہیں! تم اس پر بیٹھو۔''

میں گدے پر بیٹھ گیا جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زمین پر تشریف فرما ہوئے۔ اب پھر میں نے دل ہی دل میں سوچا اور کہا:

''خدا کی قسم! ایسی سادگی بادشاہ تو نہیں دکھاتے۔''

اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا:

''اے عدی بن حاتم! کیا تو رکوسی فرقے سے تعلق نہیں رکھتا۔؟''

میں نے عرض کیا:

''جی ہاں! میں رکوسی ہوں۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسرا سوال کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

''کیا تم اپنی قوم سے مالِ غنیمت کا چوتھا حصہ وصول نہ کرتے تھے۔؟''

میں نے جواب دیا:

''جی ہاں! یا رسول اللہ! میں چوتھا حصہ لیا کرتا تھا۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''یہ وصولی تمہارے دین کے مطابق حلال بھی نہ تھی۔''

میں نے تسلیم کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانِ عالی بالکل درست ہے کہ رکوسی ایسی دولت کو حلال نہیں سمجھتے۔ اب میں نے بخوبی سمجھ لیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں۔ جو باتیں عربوں کو معلوم ہی نہ تھیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے بھی خوب واقف تھے۔

اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک عجیب سا سوال پوچھتے ہوئے فرمایا:

''اے عدی بن حاتم! شاید! تجھے دینِ اسلام میں داخل ہونے سے یہ بات مانع ہو کہ اہلِ اسلام کی مالی حالت بہت کمزور ہے؟ خدا کی قسم! مال ودولت کی ایسی ریل پیل ہو گی کہ دینے والے سبھی ہوں گے لیکن لینے والا کوئی نہ رہے گا۔ شاید تجھے اس چیز کی بھی پریشانی ہو کہ یہ لوگ تو تعداد میں بہت کم ہیں اور پوری دنیا ان کی دشمن۔؟ خدا کی قسم! اس دین کا غلبہ ہوگا۔ تو سن لے گا اور دیکھ لے گا کہ ایک عورت زیورات سے لدی تن تنہا اپنے اونٹ پر قادسیہ سے سوار ہوگی اور بیت اللہ کا حج کرنے کے لیے مکہ کا سفر کرے گی مگر اسے کوئی ڈر اور خطرہ نہیں ہوگا۔ اے عدی! ممکن ہے کہ تو نے سوچا ہو دنیا میں بہت سے بادشاہ اور سلاطین ہیں اور ہم مسلمانوں میں کوئی تاجدار نہیں۔؟ خدا کی قسم! تو سن لے گا کہ بابل کے سفید محلات ان لوگوں (صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ

عنہ) کے ہاتھوں فتح ہوں گے۔"

حضرت عدی بن حاتم طائی کہتے ہیں:

"یہ سن کر میں مسلمان ہو گیا۔ خدا کی قسم! میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دی ہوئی غیبی خبروں سے دو کو تو دیکھ لیا یعنی بابل کے محلات بھی فتح ہو گئے اور قادسیہ سے تن تنہا زیور سے لدی ہوئی عورت کو بھی سفر کرتے دیکھ چکا ہوں۔ میں خدا کی قسم! کھا کر کہتا ہوں کہ تیسری نشانی بھی ضرور پوری ہو گی اور دینے والے سب ہوں گے لیکن لینے والا کوئی نہ ہو گا۔ (آج کل سعودی عرب میں یہی حال ہے کہ زکوۃ صدقہ وفطرانہ دینے والے سب ہیں لیکن لینے والا اعرابی کوئی نہیں۔ لہذا یہ غیبی خبر بھی پوری ہو گئی۔)"

65: ابن ابی حاتم نے حدیث بیان کی ہے، جس کے راوی معان بن رفاعہ ہیں۔ انہوں نے علی بن یزید سے اور انہوں نے ابوعبدالرحمٰن قاسم بن عبدالرحمٰن سے روایت کی ہے جو کہ عبدالرحمٰن بن یزید بن معاویہ کے غلام تھے۔ ان سے ابوامامہ الباہلی نے بیان کیا کہ ثعلبہ بن حاطب انصاری نے عرض کیا:

"یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دعا فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ مجھے مال و دولت عطا فرمائے۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"ثعلبہ! تم پر افسوس (تم نے اللہ کے نبی سے مطالبہ کیا بھی تو حقیر مال و دولت کا) وہ تھوڑا مال جس کا تو شکر ادا کرے اس کثیر مال سے بہتر ہے جس کا شکر کرنے کی تو طاقت وہمت نہیں رکھتا۔"

اس وقت تو ثعلبہ چلا گیا مگر کچھ دنوں بعد پھر عرض کیا:

"یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرے لیے مال و دولت کی دعا فرمائیے۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ثعلبہ کو سمجھایا اور فرمایا:

"کیا تو اس بات پر خوش نہیں ہے کہ تو اللہ کے نبی (کے نقشِ قدم پر چل کر ان) جیسی زندگی گزارے۔؟ اس ذات کی قسم! جس کے قبضے میں میری جان ہے۔ اگر میں چاہتا تو یہ پہاڑ سونا چاندی بن جاتے اور میرے ساتھ ساتھ چلتے رہتے۔"

ثعلبہ نے عرض کیا:

"یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اس ذات کی قسم! جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث

فرمایا ہے۔ اگر مجھے مال کی فراوانی عطا ہوئی تو میں ہر حق دار کا حق بطریقِ احسن ادا کروں گا۔"

ثعلبہ کے بار بار سوال دہرانے اور اصرار کرنے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی:

"اے اللہ! ثعلبہ کو مال دے دے۔"

ثعلبہ نے بکریاں رکھی ہوئی تھیں۔ ان میں یوں اضافہ ہونے لگا جیسے برسات میں مینڈکوں میں اضافہ ہوتا ہے۔ مدینہ اس کی بکریوں کے لیے تنگ پڑ گیا اور وہ کثیر ہو گئیں کہ مدینہ میں سماتی ہی نہ تھیں۔ وہ مدینہ سے باہر ایک وادی میں چلا گیا۔ اب وہ ظہر اور عصر کی نماز تو مسجد نبوی میں ادا کرتا مگر باقی تینوں نمازیں بکریوں کے پاس تن تنہا ادا کرنے لگا۔

بکریاں مسلسل بڑھتی جا رہی تھیں حتیٰ کہ وہ وادی بھی تنگ ہو گئی۔ ثعلبہ اس سے آگے ایک اور میدان میں چلا گیا اب ساری نمازیں بکریوں کے پاس اور صرف جمعہ کے دن نمازِ جمعہ مسجد میں ادا کرنے چلا آتا۔ بکریاں اور زیادہ ہو گئیں۔ میدان سے بھی آگے جانا پڑا۔ اب نمازِ جمعہ بھی گئی جو لوگ جمعہ پڑھ کر واپس اپنے اپنے دیہاتوں کو جاتے ہوتے، اب ان سے ثعلبہ مدینہ کے حال احوال پوچھ لیا کرتا۔

ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ثعلبہ کا حال دریافت فرمایا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا گیا کہ اس کی بکریاں بہت زیادہ ہو گئی ہیں اور وہ مدینہ سے دور چلا گیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اے ثعلبہ! تم پر افسوس! اے ثعلبہ! تم پر افسوس!"

جب زکوۃ کی فرضیت کا حکم (اس آیت "خذ من اموالھم صدقۃ" (پارہ 11، سورۃ التوبہ، آیت نمبر 103 کے ساتھ) نازل ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حاملینِ زکوۃ کو مختلف علاقوں میں بھیجا اور زکوۃ کی وصولی، نصاب اور شرح وغیرہ سے متعلق تمام احکام لکھ کر انہیں دے دیئے۔ ثعلبہ والے علاقے میں دو صحابہ کو بھیجا گیا جن میں سے ایک بنو جہینہ سے تعلق رکھتے تھے اور ایک بنو سلیم سے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"ثعلبہ اور بنو سلیم کے فلاں آدمی سے زکوٰۃ وصول کر کے لے آؤ۔"

یہ دونوں صحابی مدینہ منورہ سے نکلے اور ثعلبہ کے پاس پہنچے۔ اسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم سنایا اور خط دکھایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم سن کر اس نے کہا:

"یہ تو جزیہ ہے جزیہ! یہ تو جزیہ کی طرح ٹیکس ہے۔ خدا کی قسم! میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ یہ معاملہ کیا ہے؟ آپ لوگ جائیں اور دیگر افراد سے وصولی کر لیں پھر میرے پاس آنا۔"

جب یہ صحابہ بنو سلیم کے مسلمان کے پاس پہنچے تو اس نے ان کا استقبال کیا اور خط پر مسرت و خوشی کا اظہار فرمایا۔ پھر اپنے اونٹوں میں سے بہترین قسم کے اونٹ چھانٹ چھانٹ کر پیش کر دیئے۔ یہ دیکھ کر ان دونوں صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا:

"یہ تو درست نہیں ہے کہ ہم چن چن کر بہترین مال لیں۔ ہمیں تو درمیانے درجے کا مال وصول کرنے کا حکم ہے۔"

بنو سلیم کے مسلمان صحابی سے فرمایا:

"خدا کے لیے قبول کر لو! کیونکہ میں اپنی خوشی سے دے رہا ہوں اور میری خواہش ہے کہ راہِ خدا میں بہترین مال پیش کروں۔"

اس صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مال لے کر وہ دونوں صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما دیگر زمینداروں کے پاس گئے اور ان سے زکوٰۃ وصول کر کے واپسی پر پھر ثعلبہ کے پاس آئے۔ ثعلبہ نے ان دونوں صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا:

"ذرا مجھے خط تو دکھاؤ۔"

خط پڑھنے کے بعد اس نے پھر وہی بات دہرائی کہ یہ تو جزیہ ہے جزیہ!"

اس کے بعد کہنے لگا:

"تم لوگ جاؤ۔ میں اس مسئلے پر غور کروں گا۔"

یہ دونوں صحابی مدینہ پہنچے تو ان کی بات سننے سے قبل ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو سلیم کے صحابی کے حق میں دعائے خیر فرمائی اور ثعلبہ کے لیے فرمایا:

"افسوس ثعلبہ پر! افسوس ثعلبہ پر!"

اس کے بعد ان دونوں صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ

صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں کو ساری کہانی سنائی۔ اس موقع پر سورۃ التوبہ کی یہ آیات نازل ہوئیں۔

"اور ان میں سے کوئی وہ ہیں جنہوں نے اللہ سے عہد کیا تھا کہ اگر ہمیں اپنے فضل سے دے گا تو ہم ضرور خیرات کریں گے اور ہم ضرور بھلے آدمی ہو جائیں گے۔ ٥ تو جب اللہ نے انہیں اپنے فضل سے دیا تو وہ اس میں بخل کرنے لگے اور منہ پھیر کر پلٹ گئے۔ ٥ تو اس کے پیچھے اللہ نے ان کے دلوں مین نفاق رکھ دیا اس دن تک کہ اس سے ملیں گے۔ بدلہ اس کا کہ انہوں نے اللہ سے وعدہ جھوٹا کیا اور بدلہ اس کا کہ جھوٹ بولتے تھے۔ ٥"

ثعلبہ کے رشتے داروں نے جب یہ آیات سنیں تو اس کے پاس گئے، اسے برا بھلا کہا اور یہ بھی بتایا کہ تیرے بارے میں سخت وعید پر مشتمل آیات نازل ہوئی ہیں۔"

ثعلبہ اب بکریاں لے کر مدینہ منورہ آیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا:

"میرا صدقہ اور زکوٰۃ قبول فرمائیں۔"

مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اللہ نے مجھے تمہارا صدقہ و زکوٰۃ قبول کرنے سے منع فرما دیا ہے۔"

اب ثعلبہ نے سر میں مٹی ڈالی اور رونے دھونے لگا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"میں نے تجھے سمجھایا تھا مگر تو نہ مانا۔ اب تیرا ہی کیا دھرا تیرے سامنے آیا ہے۔

ثعلبہ روتا دھوتا واپس آ گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد وہ خلیفۂ رسول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس مال لے کر آیا اور درخواست کی کہ اس کا صدقہ قبول فرما لیں۔ مگر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہارا مال قبول نہیں فرمایا۔ میں کون ہوتا ہوں قبول کرنے والا۔؟"

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دورِ خلافت میں بھی ثعلبہ مال لے کر آیا مگر حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی یہی فرمایا:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تمہارا مال قبول

نہیں فرمایا تو میں تمہارا مال کیسے لے سکتا ہوں۔؟"

حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دورِ خلافت میں بھی ثعلبہ حاضر ہوا اور درخواست کی کہ اس کا مال قبول فرمالیں مگر حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا!

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور شیخین (حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما) نے تمہارا مال مسترد کر دیا تو عثمان کون ہوتا ہے قبول کرنے والا۔؟"

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں ہی ثعلبہ ذلت و رسوائی کے ساتھ ہلاک ہوگیا۔

66: امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ سے عفان نے، ان سے حماد بن سلمہ نے، ان سے زبیر بن عبدالسلام نے اور ان سے ایوب بن عبداللہ بن مکرز نے بیان کیا ہے۔ ایوب کہتے تھے کہ حضرت وابصہ اسدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھی یہ واقعہ حضرت وابصہ اسدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زبانی یوں سنایا کرتے تھے کہ حضرت وابصہ اسدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میں نے آمد سے پہلے ہی اپنے دل میں سوچ رکھا تھا کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے نیکی اور بدی کے بارے میں ہر سوال پوچھ کر رہوں گا تاکہ کوئی نیکی مجھ سے پوشیدہ اور کسی برائی کے بارے میں میں بے خبر نہ رہ جاؤں۔

جب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں پہنچا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد مسلمانوں کی ایک کثیر جماعت جمع تھی۔ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال پوچھ رہے تھے۔ میں نے لوگوں کی گردنوں کے اوپر سے آگے بڑھنا چاہا تو لوگوں نے مجھ سے کہا:

"یوں گردنیں پھلانگنا ٹھیک نہیں ہے۔"

میں نے کہا:

"خدا کے لیے! مجھے بھی راستہ دے دو۔ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب پہنچنا چاہتا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے دنیا بھر کے انسانوں سے زیادہ محبوب

اور عزیز ہیں۔"

یہ سن کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کمال شفقت و محبت سے فرمایا:

"وابصہ کو چھوڑ دو۔ وابصہ! میرے قریب آجاؤ۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات دو تین مرتبہ فرمائی۔ لوگوں نے میرے لیے راستہ بنا دیا اور میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بالکل سامنے جا پہنچا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"کیا تم خود پوچھو گے یا میں بتادوں کہ کس ارادے سے آئے ہو۔؟"

میں نے عرض کیا:

"یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ خود ہی بتادیں۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"تم نیکی اور بدی کے بارے میں سوال کرنے آئے ہو۔"

میں نے عرض کیا:

"جی ہاں! یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم!"

اس کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی انگلیاں اکٹھی کر کے میرے سینے میں ٹھونکا دیا اور تین مرتبہ ارشاد فرمایا:

"اے وابصہ! اپنے دل سے اور اپنے نفس سے پوچھ لیا کر۔ نیکی وہ ہے جس پر تیرا دل مطمئن ہوجائے اور برائی وہ ہے جو تیرے دل میں کھٹکے اور تجھے تردد میں مبتلا کر دے۔ یہی اصول پیشِ نظر رکھنا، اگرچہ لوگ تجھے فتویٰ دیتے رہیں۔ (غلط کہتے رہیں یا اس کے خلاف اور کوئی اصول بتاتے رہیں۔)

67: ابوداؤد سے محمد بن علاء نے، ان سے ابن ادریس نے، ان سے عاصم بن کلیب نے ان سے ان کے والد نے اور ان سے ایک انصاری صحابی نے بیان کیا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک جنازے کی جانب نمازِ جنازہ پڑھنے کے لیے نکلے۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ وہ قبر کے کنارے کھڑے تھے اور قبر کھودنے والے سے فرما رہے تھے:

"پاؤں کی جانب سے ذرا اور کھودو اور سر کی جانب سے بھی کشادہ کرو۔"

نمازِ جنازہ اور تدفین کے بعد جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واپس مدینہ آئے تو ایک عورت کے قاصد نے اس کی طرف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دعوت طعام دی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے ساتھ تشریف لے گئے۔ کھانا پیش کیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھانے کی طرف ہاتھ بڑھایا اور دوسرے حاضرین نے بھی ہاتھ بڑھائے۔ لوگ کھانے لگے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لقمہ منہ میں ڈالا اور اسے منہ میں پھیرنے لگے۔ پھر فرمایا:

"محسوس کرتا ہوں کہ اس بکری کا گوشت اس کے مالک سے پوچھے بغیر پکا لیا گیا ہے۔"

یہ سن کر دعوت بھیجنے والی عورت نے ایک آدمی کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بتا کر بھیجا اور اس سے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ کہنا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں نے کسی ہمسائے کو بقیع کی طرف بھیجا کہ وہ مجھے ایک بکری خرید کر لا دے مگر بکری نہ مل سکی۔ میں نے پھر اپنے ہمسائے کے ہاں پیغام بھیجا کہ وہ مجھے رقم لوٹا دے، مگر ہمسایہ گھر پر نہ تھا۔ میں نے اس کی بیوی سے مطالبہ کیا تو اس نے یہ بکری بھیج دی جو ہمسائے نے اپنے لیے خریدی تھی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"(حاضرین میں سے یہ کھانا کوئی نہ کھائے بلکہ) یہ گوشت قیدیوں کو کھلا دو۔"

68: ابن اسحاق نے بیان کیا ہے کہ حضرت صرد بن عبداللہ الازدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک وفد کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسلام قبول کر لیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صرد بن عبداللہ الازدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان کی قوم کے مسلمانوں پر امیر مقرر فرما دیا اور ارشاد فرمایا:

"یمن کے قبائل سے اور گردونواح کے مشرک قبائل سے اپنے قبیلے اور آس پاس کے دوسرے مسلمانوں کے ساتھ مل کر جہاد کرو۔"

حضرت صرد بن عبداللہ الازدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق نکلے اور یمن کے علاقے جرش میں جا پہنچے۔ جرش اس دور میں ایک بند شہر تھا جس کے گرد فصیل بنی ہوئی تھی۔ اس میں یمن کے بعض قبائل رہتے تھے

اور بنو خثعم کے کچھ لوگ بھی ان کے پاس پناہ گزیں تھے۔ یہ لوگ مسلمانوں کی آمد کی خبر پا کر یمنیوں کے ساتھ قلعہ بند ہو گئے تھے۔

حضرت صرد بن عبداللہ الازدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے ساتھیوں نے ان لوگوں کا مہینہ بھر محاصرہ کیے رکھا مگر قلعہ پر قبضہ نہ ہو سکا۔ حضرت صردؓ بن عبداللہ الازدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بالآخر محاصرہ اٹھا لیا اور چلے گئے۔ قلعہ کے محصورین نے بزعمِ خویش یہ سمجھا کہ حملہ آور شکست کھا کر چلے گئے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے قلعے سے نکل کر ان کا تعاقب کرنا چاہا۔ جب حضرت صرد بن عبداللہ الازدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ شکر نامی پہاڑ کے پاس پہنچے تو اہلِ جرش نے ان کو آ لیا۔

حضرت صرد بن عبداللہ الازدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پیچھے پلٹ کر ایسا حملہ کیا کہ دشمن کو گاجر مولی کی طرح کاٹ کر رکھ دیا اور ان کا بری طرح قتل عام ہوا۔ اہلِ جرش نے اس سے قبل دو نمائندے مدینہ بھیجے تھے کہ صورت حال کا جائزہ لیں اور آ کر بتائیں کہ انہوں نے مدینہ کے حاکم (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کو کیسا پایا؟

یہ دونوں افراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے دریافت فرمایا:

"شکر کس ملک اور علاقے میں واقع ہے۔؟"

انہوں نے جواب دیا:

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے علاقے میں ایک پہاڑ ہے جسے کشر (اہل جرش شکر کو کشر کہا کرتے تھے) کہتے ہیں۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"یہ کشر نہیں بلکہ شکر ہے۔"

انہوں نے پوچھا:

"اس پہاڑ کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیوں دریافت فرمایا؟ کیا کوئی خاص وجہ ہے۔؟"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اس لمحے اس پہاڑ پر قربانی کے جانور ذبح ہو رہے ہیں۔"

یہ گفتگو عصر کی نماز کے بعد ہوئی۔ یہ گفتگو سن کر وہ دونوں شخص حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ یا حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس گئے (اور یہ بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ شکر پہاڑ پر قربانی کے جانور قربان ہو رہے ہیں اس کا کیا مطلب ہے؟) تو انہوں (حضرت ابوبکر یا عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہما) نے ان سے فرمایا:

"تمہاری بربادی ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تم لوگوں کو تمہاری قوم کے قتلِ عام کی خبر دی ہے۔ اٹھو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں جا کر عرض کرو کہ وہ تمہاری قوم کے حق میں دعا فرمائیں کہ ان سے عذاب ٹال دیا جائے۔"

یہ سن کر وہ فوراً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دعا کی درخواست کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان الفاظ سے دعا فرمائی:

"اے اللہ! ان (اہل جرش) سے (غم، حزن اور عذاب) کو دور فرما دے۔"

اسی وقت یہ دونوں افراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت لے کر اپنے گھروں کو روانہ ہوئے۔ وہاں پہنچ کر انہیں اطلاع ملی کہ اسی دن اور اسی وقت ان لوگوں کو حضرت صرد بن عبداللہ الازدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جنگ میں تہہ و تیغ کر دیا تھا اور جو بچے تھے انہوں نے (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کی برکت سے) الٹے پاؤں بھاگ کر جان بچائی۔

معجزات و علامات نبوت کے بارے میں جاننے کے بعد میرا مشورہ یہ ہے کہ آپ دلائل سے گفتگو کرنا چھوڑ دیں اور اپنی کرامت سے مجھ کو قائل کر دیں، کیونکہ آپ کی کرامتوں کا بڑا شہرہ ہے اور دور دور سے لوگ آپ سے برکتیں حاصل کرنے کیلئے آتے ہیں۔ دلیل سے گفتگو کرنا آپ کے بس کا روگ نہیں۔"

صبح خاتون:

"تم اس لائق کہاں ہو کہ تم کو کرامتیں دکھائی جائیں۔ اس کے لئے دل کی صفائی کی ضرورت ہے اور تم پر تو شیطان نے اپنا پورا قبضہ جما لیا ہے۔"

مارگریٹ یہ فقرہ سن کر خاموش ہو گئی اور تمام مجلس میں ایک سناٹا چھا گیا۔ مسیحی خواتین نے شرم و ندامت سے اپنے سر جھکا لئے اور مسلم خواتین روحانی خوشی سے بھر پور ہو گئیں۔

خود مسیحی خاتون خاموش بیٹھی ہے اور کوئی بات بنائے نہیں بنتی۔ جب مارگریٹ نے اس خاتون کی بے کسی اور بے مائیگی کو دیکھا تو کہا:

"اچھا اب آپ تھک گئی ہوں گی۔ آج کی بحث کل پر اٹھا رکھیے! فرمائیے! اب آپ کب تشریف لائیں گی۔؟"

صبح خاتون:

"میں تو حق و باطل کا فیصلہ ابھی کر کے اٹھوں گی۔ ہاں! اگر تم خود تھک گئی ہو تو بات دوسری ہے۔"

مارگریٹ:

"میری طرف سے تو آپ کو اجازت ہے کہ رات دن گفتگو کیجئے اور اس وقت تک یہاں سے نہ جائیے جب تک کہ حق و باطل کا فیصلہ نہ ہو جائے۔ مجھے تو صرف آپ کی پریشانی کا خیال ہے۔"

صبح:

"بس میں بھی گفتگو آخری حد تک پہنچانا چاہتی ہوں، اب یہ بتاؤ کہ عیسوی مذہب کی موجودگی میں اسلام کے آنے کی کیا ضرورت تھی۔؟"

مارگریٹ:

"اگر اسلام نہ آتا تو سچائی دنیا پر کبھی ظاہر نہ ہوتی۔ اسلام ہی نے آ کر انبیاء اور ان کی تعلیمات کو از سر نو زندہ کیا اور دنیا کو پاکیزگی اور طہارت کی تلقین کی۔ یہاں میں مختصر طور پر اسلام کے آنے کی غرض بتاتی ہوں:

1: اسلام نے آ کر دین کو کامل کیا، کیونکہ کتب سابقہ کی تعلیمات اپنے زمانوں کے لئے تو مناسب تھیں مگر ان کو عالمگیر و ہمہ گیر درجہ حاصل نہ تھا۔ اس لئے قرآن کریم نے آ کر اس نقص کو پورا کیا۔

2: انبیاء کی صحیح تعلیمات کو ان کے متبعین نے بگاڑ ڈالا تھا۔ قرآن کریم نے آ کر اس کی اصلاح فرمائی۔ مثلاً: عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا مان کر شرک کی عمارت کھڑی کر دی۔ اسلام نے توحید کے آفتاب کو از سر نو چمکایا اور خدا کی ربوبیت و جلال کا صحیح نقشہ دنیا کے سامنے پیش کیا۔

3: اہل کتاب نے انبیاء کرام پر شرمناک الزامات لگائے۔ کسی کو بت پرست کہا، کسی پر زنا کا الزام عائد کیا، کسی کو جھوٹا اور فریبی قرار دیا اور تمام نبیوں کو گنہگار ٹھہرایا۔ اسلام نے آ کر ان الزامات کی تردید کی اور انبیاء کی حقیقی عزت وعظمت کا اظہار فرمایا۔

4: اہل کتاب نے اپنی اپنی کتابوں میں تحریف کر کے کلام الٰہی کو بگاڑ ڈالا تھا جس کی وجہ سے صحف سماویہ پر سے اعتماد اٹھ گیا تھا۔ قرآن کریم نے آ کر اہل کتاب کے دجل وفریب کا پردہ چاک کیا اور کتب سابقہ کی جملہ تعلیمات کو از سر نو پیش کر دیا۔ اب ہم کو سوائے قرآن کے اور کسی کتاب کی ضرورت نہیں ہے، کیونکہ اس میں تمام انبیاء کے صحائف شامل ہیں۔"

"فیھا کتب قیمہ"

5: چونکہ انبیاء اور ان کی کتابیں خاص زمانوں اور خاص قوموں سے متعلق تھیں اس لئے ان میں وہ قوانین موجود نہ تھے جو قیامت تک انسانوں کیلئے ضروری ہوتے اس کمی کو بھی قرآن کریم نے پورا کیا اور تکمیل دین کے بعد اعلان کر دیا کہ تمام نوع انسانی کی ضروریات اس میں مہیا کر دی گئی ہیں جن سے تا قیام قیامت تمام انسان فیضیاب ہوتے رہیں گے۔ اب تو آپ نے سمجھ لیا کہ اسلام دنیا میں کیوں آیا۔؟"

صبح:

"یہ سب دعوے ہی دعوے ہیں۔ دلیل کوئی بھی نہیں۔"

مارگریٹ:

"آپ نے ہی فرمایا تھا کہ اسلام کے آنے کی ضرورت بیان کرو۔ میں نے چند ضرورتیں گنوا دیں۔ اب آپ کا فرض ان دلائل کا جواب دینا ہے۔ معجزات کا ثبوت میں دے چکی ہوں اور ایک ایسا زندہ معجزہ بھی پیش کر چکی ہوں جس کا آج بھی تمام دنیا مشاہدہ کر رہی ہے، یعنی قرآن مجید کا مقابلہ اور اس کا جواب۔ اگر قرآن کلام الٰہی نہیں ہے تو مقابلہ میں ایک ہی آیت پیش کر دو۔ مگر یہی وہ بات ہے جو ساری دنیا سے بھی حل نہیں ہو سکتی۔ رہا! پیغمبر الٰہی کی نبوت تو وہ اس معجزہ میں مضمر ہے، یعنی جب قرآن کی آیت کا بھی جواب نہیں ہو سکتا تو ثابت ہوا کہ وہ کلام الٰہی ہے اور اس کے لانے والے خدا کے سچے رسول۔

دوسرا ثبوت یہ ہے کہ پیغمبر الٰہی نے مبعوث ہو کر جس طرح دنیا کی اصلاح فرمائی اور اپنی ہی زندگی میں تمام عرب کو اللہ تعالیٰ کے دربار میں لا کر جھکا دیا گیا۔ اس کی نظیر کسی جھوٹے انسان میں پائی جاتی ہے، کسی ایک فریبی انسان کا تو نام لو جس نے اصلاح کا یہ عظیم الشان کام انجام دیا ہو۔؟"

صبح خاتون:

"کچھ ہی کہو، مگر تمہارے پیغمبر اس قابل نہیں کہ ان کی پیروی کی جائے۔ بھلا جس شخص نے ساری عمر خونریزی کی ہو اور کئی عورتوں سے شادیاں کی ہوں، وہ کبھی مطاع بن سکتا ہے۔؟ دیکھو! ہمارے خداوند کی پاکیزگی کہ انہوں نے ساری عمر شادی نہیں کی۔"

مارگریٹ نے طنزیہ کہا:

"خیر! آپ کے خداوند تو خدا ہی تھے، ان کو شادی کی کیا ضرورت۔؟ اس کی ضرورت تو انسان کو پیش آتی ہے، چونکہ ہمارے پیارے رسول انسان کامل تھے، اس لئے انہوں نے شادیاں بھی کیں۔ البتہ! کسی اور نبی کا حوالہ دو جس نے شادی نہ کی ہو۔"

صبح خاتون:

"کامل انسان وہی ہے جو دوسروں سے ممتاز ہو۔"

مارگریٹ:

"مگر آپ تو اپنے خداوند کو خدا اور ابن خدا مانتی ہو۔؟"

صبح خاتون:

"مگر اس کے ساتھ ہی خداوند کامل انسان بھی تھے۔"

مارگریٹ:

"تو کیا وہ کھاتے پیتے بھی تھے۔؟"

صبح خاتون:

"کیوں نہیں ان کا کھانا پینا خدا ہونے کی حیثیت سے نہیں، بلکہ انسان ہونے کی حیثیت سے تھا۔"

مارگریٹ:

"تو پھر آپ کے خداوند دوسروں سے ممتاز کہاں رہے۔؟ اچھا! کامل انسان کی

تعریف کیا ہے۔؟"

صبح خاتون:

"کامل انسان وہ ہے جس کی اتباع کرنے میں انسانوں کو کسی قسم کی دشواری پیش نہ آئے۔"

مارگریٹ:

"بہت ٹھیک۔! اب معاملہ آپ نے خود ہی صاف کر دیا سوال یہ ہے کہ ایک عیسائی جو بیوی اور بچوں والا ہے وہ اپنی زندگی میں اپنے خداوند کی پیروی کس طرح کر سکتا ہے؟ اس طرح جو عیسائی مسلمانوں اور بت پرستوں سے جنگ کرتے رہتے ہیں ان کو اپنے خداوند کی پیروی کس طرح کرنی چاہیے۔؟"

خاتون:

"ہمارے خداوند نے نہ تو کوئی جنگ کی اور نہ شادی، اس لیے یہ سوال ہی فضول ہے۔"

مارگریٹ:

"آپ نے کامل انسان کی تعریف یہ کی تھی کہ جس کی پیروی اور اتباع میں کسی انسان کو دشواری پیش نہ آئے، مگر یہاں سخت دشواری پیش آ گئی۔ اس لئے کہ ایک بیوی بچوں والے انسان کیلئے آپ کے خداوند میں کوئی نمونہ نہیں، کیونکہ وہ ساری عمر خود مجرد رہے۔ علیٰ ہذا القیاس ایک جنگ میں سرفروشی کرنے والے انسان کیلئے بھی حضرت مسیح نمونہ نہیں بن سکتے۔"

خاتون تھوڑی دیر خاموش رہ کر بولی:

"خداوند ہماری روحانی زندگی میں نمونہ ہیں، جسمانی زندگی سے ان کو کیا تعلق۔؟"

مارگریٹ:

"بہت ٹھیک! حضرت مسیح روحانی زندگی میں تو نمونہ بن سکتے ہیں، مگر جسمانی زندگی میں نہیں۔ گویا جسمانی زندگی کیلئے کسی اور رہبر کو تلاش کرنا چاہیے۔ اس حصہ میں آپ کے خداوند ناقص ہیں۔ سچ ہے! روحانی اور جسمانی دونوں زندگیوں کیلئے ایک ہی ذات ہے جو نوعِ انسانی کیلئے نمونہ بن سکتی ہے:

"اے انسانو! محمد رسول اللہ ہی تمہارے لئے بہترین نمونہ ہیں۔"

اسی لیے میں نے کہا تھا کہ اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زندگی جلالی اور حضرت مسیح علیہ السلام کی زندگی جمالی تھی تو رحمۃ للعالمین اور خاتم المرسلین ﷺ کی زندگی کمالی ہے یعنی جامع جلال و جمال۔ آپ ایک تاجر کے لئے نمونہ ہیں، کیونکہ آپ ﷺ نے تجارت بھی کی تھی۔ آپ ایک جنگی سپاہی کے لئے بھی نمونہ ہیں، کیونکہ آپ ﷺ نے جنگ بدر، احد، حنین اور احزاب میں بذاتِ خود شرکت فرمائی اور دنیا کو اولین سیاست کا سبق دیا۔ آپ ﷺ ایک گوشہ نشین، ایک عابد، ایک جج، ایک صلح پسند، ایک واعظ، ایک مہاجر، ایک فاقہ کش، ایک مزدور، ایک مسافر اور ایک گھربار والے کیلئے بھی نمونہ ہیں، کیونکہ آپ نے غارِ حرا میں گوشہ نشینی، گھر میں عبادت اور بازاروں میں وعظ و تلقین کی تھی۔ آپ ﷺ نے کفار سے حدیبیہ کے مقام پر صلح کا معاہدہ کیا تھا۔ آپ ﷺ نے کئی کئی روز کے فاقے کئے تھے اور شادیاں بھی کیں اور بچوں کی تربیت فرما کر دنیا کو زندگی کے ہر شعبے کے لئے ایک عملی سبق دیا تھا۔ پس اگر کوئی رسول جلالی ہے تو کوئی جمالی، مگر حضور علیہ السلام رسول کمالی ہیں، یعنی روحانی اور جسمانی نظام کے مرکز اور جلال و جمال کے جامع۔"

مارگریٹ کی اس تقریر کے بعد تمام مجلس پر سکوت اور خاموشی چھا گئی اور مسیحی خاتون باوجود ادعائے کرامت مسحور ہو گئی۔

صبح:

"مسلمان بڑے وحشی اور سفاک ہوتے ہیں۔؟"

مارگریٹ:

"اگر مسلمان وحشی اور سفاک ہوتے تو جہاں جہاں وہ فاتح کی حیثیت سے پہنچے ہیں وہاں پھر کوئی بغاوت کیوں نہیں ہوتی۔؟ بلکہ خود مفتوح ان کے نام پر جان کیوں دینے لگے ہیں۔؟"

صبح:

"مسلمان زبردستی لوگوں پر اپنا مذہب تھوپتے ہیں۔؟"

مارگریٹ:

"انصاف اور ایمان سے بتاؤ اگر یہ بات ہوتی تو مسلمانوں کی حکومت میں یہودی اور عیسائی آزادی اور اطمینان کی زندگی بسر کرتے۔؟ ان کے عبادت خانے محفوظ ہوتے۔؟ انہیں اپنے مذہب پر عمل کرنے کی اجازت ہوتی۔؟ حالانکہ جہاں جہاں بھی وہ گئے عیسائیوں، یہودیوں اور دیگر اقوام کے مذہب کو انہوں نے ہاتھ بھی نہیں لگایا۔ انہیں پوری مذہبی آزادی عطا کر دی۔ اگر تاریخ سے تمہیں دلچسپی ہے تو تمہیں معلوم ہوگا کہ مسلمانوں کے خلیفۂ دوم (امیر المومنین حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے جب یروشلم (بیت المقدس) فتح کیا تو عیسائیوں کو مذہبی آزادی کا پروانہ کس دریا دلی سے عطا کیا تھا۔ کیا ہم یہودیوں سے وہی سلوک کرتے ہیں جو مسلمان کرتے ہیں۔؟ کیا ہم مسلمانوں سے وہی سلوک کرتے ہیں جو وہ عیسائیوں سے کرتے ہیں۔؟"

صبح:

"مسلمان چار چار شادیاں کر کے عیاشی کرتے ہیں۔"

مارگریٹ:

"یہ چار شادیاں کرنا کچھ اچھا نہیں معلوم ہوتا اور تم تو اتنا آگے بڑھ گئیں کہ اسے عیاشی تک کہنے لگیں، لیکن برا نہ مانو تو ایک بات کہنے کی اجازت چاہوں۔؟"

وہ مسکرائی اور کہنے لگی:

"اجازت ہے...... کہو......!"

مارگریٹ نے کہا:

"بیشک مسلمان چار شادیاں کرتے ہیں، لیکن وہ اپنی بیویوں کے علاوہ کسی اور عورت پر بُری نگاہ نہیں ڈالتے۔ زنا نہیں کرتے۔ دوسری عورتوں اور لڑکیوں کا اغوا نہیں کرتے۔ انہیں اپنے گھر میں بُلا کر زبردستی اُن کی آبرو نہیں لوٹتے۔ لاتعداد داشتائیں اور آشنائیں نہیں رکھتے۔ عیسائی مرد چار شادیاں بیشک نہیں کرتے، لیکن زنا میں وہ سب سے آگے ہیں۔ اغوا ان کا شعار ہے۔ داشتاؤں کی کوئی تعداد معین نہیں۔ معصوم اور بھولی بھالی لڑکیوں اور شوہر والی بیویوں پر بھی موقعہ پا کر ہاتھ صاف کرنے سے نہیں چوکتے۔ پھر کون بُرا ہے۔؟ دیکھو! جذبات کی رو میں نہ بہو۔ سنجیدگی سے حالات پر غور

کرو۔ اوّل تو ہر شخص چار شادیاں نہیں کرتا۔ خاص خاص حالات میں اسلام نے اس کی اجازت دی ہے۔ پھر اس اجازت کے ساتھ عدل اور مساوات کی ایسی سخت شرط عائد کر دی ہے کہ وہی مسلمان ایک سے زیادہ شادی کر سکتا ہے جو واقعی مجبور ہو۔"

صبح خاتون نے تیوری چڑھا کر کہا:

"مجبوری کیسی۔؟ میں نہیں مانتی کسی مجبوری کو۔!"

مارگریٹ:

"اگر یہ فیصلہ کر لو کہ نہیں مانو گی تو ظاہر ہے پھر کوئی بھی نہیں سمجھا سکتا۔"

صبح خاتون:

"نہیں! اگر سمجھا سکتی ہو تو سمجھاؤ۔ میں سمجھنے کی کوشش کروں گی۔!"

مارگریٹ:

"ایک آدمی ہے جس کی بیوی کی صحت اچھی نہیں رہتی یا اولاد نہیں ہوتی وہ کیا کرے۔؟"

صبح خاتون نے بے پروائی سے کہا:

"طلاق دے اور دوسری شادی کرے۔"

مارگریٹ نے جھلا کر کہا:

"کتنی آسان ترکیب بتائی ہے آپ نے۔؟ ایک بیمار بیوی کو طلاق دینا انسانیت ہے۔؟ ایک لاولد (بے اولاد) بیوی کو چھوڑ دینا معقولیت ہے۔؟ کیا یہ مناسب نہیں کہ اس کے حقوق محفوظ رہیں اور شوہر اپنی تشنگی کی سیرابی کا انتظام کر لے۔؟ طلاق کوئی اچھی چیز تو نہیں۔ رشتہ توڑنے سے رشتہ جوڑنا بہرحال اچھا ہے۔ وہ بھی اس صورت میں جب کہ کامل عدل اور مساوات کا التزام ملحوظ رہے۔!"

صبح خاتون نے کہا:

"سچ کہتی ہوں! مسلمانوں کو تم سے اچھا "ترجمان" میسر نہیں آسکتا۔ اگر تم کچھ روز یہاں اور رہیں تو میرے خیالات بدل دو گی۔ تم بڑی خطرناک بن گئی ہو...... مارگریٹ......!"

ابو حفص کا بیان ہے:

''اس گفتگو کا اثر یہ ہوا کہ مجلس میں شامل ہونے والی مسیحی خواتین کچھ عرصہ میں مسلمان ہوگئیں اور خود مسیحی خاتون نے بھی چند ماہ بعد مارگریٹ کے دستِ حق پرست پر اسلام قبول کرلیا۔

مارگریٹ جب تک زندہ رہی اسلام کی وقیع خدمات انجام دیتی رہیں۔ ایک طرف عیسائیوں کا ناطقہ بند کیا، دوسری طرف علم تفسیر و حدیث کا دریا بہا دیا اور ہزاروں علماء اسلامی علوم سے فیضیاب ہوئے۔

مارگریٹ کا نکاح تیس برس کی عمر میں زیاد بن عمر کے بڑے بیٹے مفسر قرآن و شیخ حدیث محمد ایوب الحاکم سے ہوا، جس سے تین بیٹے اور دو بیٹیاں تولد ہوئے۔ مارگریٹ نے ستاسی سال کی عمر پائی۔ تمام اندلس میں مرحومہ کے انتقال سے ایک کہرام مچ گیا اور لاکھوں انسانوں نے اس کے جنازہ میں شرکت کی۔

اللہ تعالیٰ مرحومہ کی قبر پر کروڑ ہا رحمتیں برکتیں نازل فرمائے۔ آمین!

☆☆☆

اختتام